لکیریں

سلمیٰ کنول

☆

وہ بلا مقصد ہی اس شہر کی سڑکوں کو ناپے جا رہا تھا وہ شہر جہاں کالج اور یونیورسٹی کا پورے چھ سال کا زمانہ اس نے بڑے پر لطف اور خوبصورت انداز میں گزارا تھا۔

اور اب شاید وہ پچھلے تین سال کے دوران رونما ہونے والے حادثات و واقعات کا پرتو اس کے در و دیوار کے چہروں پر دیکھ کر یہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں اس شہر پر کیا گزری؟

اسے اس شہر سے بے حد پیار تھا ایک خاص قسم کا جذباتی سا انس تھا شاید اس لئے کہ زندگی کے بہترین لمحات اس نے اس شہر کی آغوش میں گزارے تھے

وہ پیدل ہی چلا جا رہا تھا

پھر وہ اس کالج کے سامنے سے بھی گزرا جہاں چار سال زندگی کے بہترین چار سال پھولوں کی طرح مہکتے اور چاند ستاروں کی طرح دمکتے چار پر بہار اور رنگین سال گزرے تھے

کتنی ہی دیر وہ وہاں کھڑا بڑی حسرت سے اس کے در و دیوار کو دیکھتا رہا اس کے مخملیں گھاس والے سر سبز لان کو دیکھا۔ جس نے ہزاروں بار کس محبت اور عقیدت سے اس کے قدم چومے تھے۔

ٹینس کورٹ کے ایک کنارے پر کھڑا کتنی ہی دیر اس میں کھیلتے لڑکوں کو دیکھتا رہا سفید لباس اور سفید فلیٹس میں یوں ہلکے پھلکے چلتے وہ اسے خوش حالی کے فرشتے ہی لگ رہے تھے۔

تب ان دنوں وہ بھی تو آسودہ اور خوشحال تھا!!

وہاں سے وہ ہوسٹل کی عمارت کی طرف بڑھ گیا یہ بوسیدہ سی عمارت باہر سے بالکل کھنڈر ہی لگتا تھا گرمیوں کی تیز دھوپ اور ساون بھادوں کی بے شمار بارشوں نے کچھ اس طرح اس کی صورت مسخ کر ڈالی ہوئی تھی۔

مگر اس زمانے میں یہی کھنڈر صورت مسخ شدہ عمارت ہی اسے کسی بادشاہ کے قصر سے زیادہ خوش نما اور دیدہ زیب لگا کرتی تھی

اس لئے کہ وہاں گزرنے والی ہر رات شب برات کی مانند ہوتی سب لڑکے مل کر کیسے کیسے کھیل کھیلتے کس کس طرح ہنسی مذاق ہوتا کیسی کیسی شرارتیں کی جاتیں اور اگلے دن کے لئے پلان تیار ہوتے۔

وہ وہیں کی راتیں تھیں جو چار سال کے اس طویل عرصے کو پلک کے ایک جھپکے کی طرح گزار لے گئی تھیں۔اب اسے یہی محسوس ہو رہا تھا۔

کتنی ہی دیر بڑی حسرت سے وہ اپنے کمرے کی اس کھڑکی کو دیکھتا رہا جو لان میں کھلتی تھی۔وہاں بیٹھ کر وہ مشرقی اور مغربی شاعروں کو پڑھا کرتا تھا اور پھر ان کی شاعری کا ایک دوسرے سے موازنہ کیا کرتا تھا۔

جو فرق مشرق اور مغرب میں تھا یہاں اور وہاں بسنے والوں کی معاشرت میں تھا وہی شاعری میں بھی نمایاں ہوتا

پھر وہ مغرب پرست لڑکوں سے خوب بحثیں کرتا کہ اسے اپنے ملک کی قدروں سے بڑا پیار تھا۔

بیتا ہوا ایک ایک لمحہ اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزر گیا عجیب سا دکھ اس کی رگوں میں اترنے لگا۔سر جھٹک کر وہ جلدی سے واپس مڑا اور پھر سڑک پر چل پڑا۔

یونیورسٹی کے سامنے سے گزرا تو نگاہ کے ساتھ ہی بے اختیار اس کے قدم بھی صدر دروازے کی طرف اٹھ گئے۔مگر چند قدم آگے جانے کے بعد بڑی مشکل سے بڑے ضبط سے اس نے خود کو سنبھالا قدموں کو روکا

وہ اب یہاں کس لئے گھسا جا رہا تھا صرف بکھری یادوں کو سمیٹنے صرف خوشگوار لمحات کی یاد سے اپنے ذہن اور دماغ کو تر و تازہ کرنے کے لئے مگر جوان یادوں کے ساتھ سینے کے اندر سکھ سمٹ آتے تھے۔

کیا فائدہ تھا؟ پاگل تھا وہ!

اور واپس ہو کر وہ پھر اسی سڑک پر ہو لیا جس پر پچھلے دو گھنٹوں سے وہ بلا ارادہ اور بلا مقصد ہی چلا جا رہا تھا۔

اس شہر کے چپے چپے کے ساتھ اس کی بڑی خوبصورت یادیں وابستہ تھیں مگر ماضی کے دریچوں میں جھانک کر زخمی سینے کے اندر اس کی خوشگوار یادوں کو نشتر کی طرح چبھونے سے زخم مندمل تو نہیں ہو جاتا تھے۔

بلکہ حاصل وصول ٹیسیں اور مزید زخم ہی تھے وہ لمحات پرانی لاش کی طرح قبر میں دفن ہی رہتے تو بہتر تھا ورنہ ورنہ

اچانک بالکل اچانک ہی دائیں طرف اس کی نگاہ اس کیفے پر جا پڑی جس میں وہ اکثر طاہر، حامد اور نسیم کے ساتھ چائے پینے آیا کرتا تھا۔

یہ کیفے طاہر کی دریافت تھی اس کے خیال میں اس سے بہتر چائے شہر کے اور کسی کیفے، ریستوران، ہوٹل یا کینٹین میں نہیں مل سکتی تھی۔

پھر جانے کیا ہوا؟ ان چاروں کی ہر شام اسی کیفے میں گزرنے لگی طاہر کی پسند ان سب کی پسند بن گئی۔

کھڑکی کے پاس وہ کونے والی میز تقریباً انہیں کیلئے مخصوص ہو کر رہ گئی سارا ہال بھرا ہوتا مگر وہ میز انہیں ہمیشہ خالی ہی ملتی۔

وہ پہنچتے منیجر ایک مخصوص مسکراہٹ سے ان کا استقبال کرتا۔ پانچ نمبر بیرا خوشامدی انداز میں دانت نکالتا ان کے پاس آ کھڑا ہوتا۔ چاروں دوست بڑی خوشدلی سے اس پر ایک ایک دو دو فقرے کستے وہ جواب میں ہنستا ہی رہتا۔

ان چاروں سے، ان کے چلتے چلتے فقروں سے، ان کی پرمزاح و پرلطف باتوں سے وہ بیرا بھی کچھ ایسا مانوس ہو گیا تھا کہ وہ ہال کے اندر داخل ہوتے دکھائی دے جاتے تو اپنا ہر کام چھوڑ، بڑی سے بڑی ٹپ دینے والی اسامی کو بھی نظر انداز کر کے

اند کی طرف لپک آتا۔

یہ وہی کیفے تھا اس کی عمدہ اور گرما گرم چائے کی خوشبودار بھاپ ایک یاد، ایک ٹیس بن کر اس کے حواس پر چھا گئی۔

اور اس لمحے وہ خود کو سنبھال ہی نہ سکا اس کیفے کی چائے کی صرف ایک پیالی پینے کی خواہش اتنی شدت اختیار کر گئی کہ اسے خود پر قابو ہی نہ رہا۔

اس کے قدم آپ ہی آپ کیفے کی طرف اٹھنے لگے ہال کے اندر داخل ہوتے ہوتے اسے خیال آیا۔

اس کی جیب میں تو بہت کم سکے تھے اتنے کہ شاید چائے کی ایک پیالی بھی نہ مل سکے۔ یا شاید اتنے تھے؟ وہ یقین بے یقینی کے عالم میں وہیں رک گیا آگے بڑھے یا واپس چلا جائے؟ وہ سوچنے لگا۔

ہر میز پر سے اٹھنے والی چائے کی خوشبودار بھاپ اسے دعوت لذت دے رہی تھی۔ آج صبح سے اس نے چائے نہیں پی تھی کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔

اچانک معدے نے اپنے بالکل خالی ہونے کا اعلان کر دیا بھوک پیٹ میں ایک ٹیس بن کر پھیل گئی اور اس بھوک اور فاقہ کشی کے عالم میں چائے کی ایک پیالی نعمت غیر مترقبہ تھی۔

چائے کی ایک پیالی! فقط چائے کی ایک پیالی!!

جیسے اس کے سارے حواس چیخ اٹھے

ایک آس کے ساتھ اس نے جیب سے تمام سکے نکال کر ہتھیلی پر پھیلائے اور ٹمٹماتی امید کے ساتھ گننے لگا۔

شاید ایک پیالی بن ہی جائے تین سال ہو گئے تھے یہاں کی چائے پئے ہوئے اور اب یوں محسوس ہو رہا تھا۔

جیسے آب حیات تھی وہ ایک پیالی پی لے گا تو اس کے تن من میں پھر وہی زندگی

دوڑا ٹھے گی جو آج سے تین سال قبل اس کا مقدر تھی

دس پیسہ ------ پانچ پیسہ پانچ ------- پیسہ ------ دو

------ چھوٹے ----- پیسے ----- تیس چوبی

ارے ایزو! یار یہ تم ہی ہونا؟

عجب جوش اور خلوص بھرا جذباتی سا انداز تھا اور پھر وہ کسی کے بازوؤں کے حلقے میں تھا ہاتھ چھلکا ان چند سکوں میں سے کچھ نیچے گر گئے۔ عجلت میں باقی اس نے واپس پتلون کی جیب میں ٹھونس دیئے۔

پھر اتنی گرم جوشی سے اپنے وجود سے لپٹ جانے والے کو اس نے بھی اسی گرم جوشی کے ساتھ اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

جانے کیوں میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ جو میرے قدم آپ ہی آپ اس طرف اٹھ رہے ہیں۔ کچھ ہونے والا ہے کچھ ہونے والا ہے طاہر! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ تمہیں ہو؟

تمہیں یقین نہیں آ رہا یار؟ اور میں نے تمہیں اس عرصے میں اتنا یاد کیا کہ شاید اسی جذبے کی صداقت ہے جو آج تم مل گئے ہو

خوب اچھی طرح بغلگیر ہونے کے بعد دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے تو اب وہ آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کی صورتوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔

سر سے پاؤں تک دیکھے جا رہے تھے اور مسکرائے جا رہے تھے جیسے دونوں ہی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

طاہر ہمیشہ کی طرح خوش لباس تھا چہرے پر اسی آسودہ حالی کی رونقیں اور مسکراہٹیں تھیں گزرے ہوئے شب و روز نے اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔

وہ اب ہنس رہا تھا مطمئن اور خوشگوار زندگی کے عکس اس کے چہرے پر تھے ایزو کو ایسے لگا جیسے وہی پرانا زمانہ لوٹ آیا تھا یہ وہی تین سال قبل والا ہی ایک دن تھا وہ اور

طاہر یہاں چائے پینے آئے تھے۔

معمول کے مطابق اس نے دائیں طرف پرے ذرا کاؤنٹر سے ہٹ کر مینجر کی کرسی کی طرف نگاہ ڈالی مگر

دوسرے ہی لمحے ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی نگاہ واپس لوٹ آئی

وہاں نہ وہ مینجر تھا نہ اس کی وہ مخصوص اور پرخلوص سی مسکراہٹ تھی جو انہیں جیبیں خالی ہونے کے باوجود بھی اس کیفے کی طرف لے آیا کرتی تھی۔

گھر سے ان کے مہینے کا خرچ کئی بار دیر سے بھی آتا تھا یوں وہ کئی کئی دن چائے کا بل نہ چکا سکتے۔ مگر مینجر کی مسکراہٹ میں کبھی فرق نہ پڑتا۔

ہال میں داخل ہوتے تو اسی خلوص کے ساتھ اس کی مسکراہٹ ان کا استقبال کرتی اور یوں خالی جیبیں لئے بھری جیبوں جیسے سکون سے آتے، چائے پیتے اور اٹھ کر کیفے سے نکل جاتے۔

اور آج اسی طرح خالی جیب لئے وہ اس کیفے میں داخل ہوا تھا مگر کہاں تھی وہ مسکراہٹ؟ جس نے اس کی خالی جیب کا استقبال کرنا تھا۔

وہاں اس مسکراہٹ کی بجائے ایک اجنبی اور مسکراہٹ سے عاری سپاٹ سا چہرہ دیکھ کر اس نے ایک سوالیہ مگر بے چین سی نگاہ طاہر پر ڈالی

وہ پچھلے سال ایک حادثہ میں

طاہر بھی اپنا فقرہ پورا نہ کر سکا یوں مجرمانہ انداز میں اس نے گردن جھکا لی جیسے ایزو کی غیر موجودگی میں اسی سے اس امانت میں خیانت ہوگئی تھی

اوہ!

گہرے رنج کے آثار ایزو کے چہرے پر ابھرے طاہر نے پھر سر اٹھایا اتنے عرصے بعد اتنا یاد کر کے آج اچانک اسے ایزو مل گیا تھا اس کا عزیز ترین دوست اس کا ہمدرد اور غمگسار ساتھی!

اور اس نے نہ اس کا حال چال پوچھا تھا نہ اس کی خیر خیریت نہ اس طویل گمشدگی کی وجہ!

ایک بے حد خوشحال خاندان کا فرد ہونے کے باوجود اس وقت اس کا حلیہ اس کے معاشی الجھنوں میں الجھے ہونے کا ترجمان تھا۔

اس نے اس سے اس کی وجہ بھی نہیں پوچھی تھی وجہ پوچھ کر کوئی ہمدردی نہیں کی تھی کوئی تسلی دلاسہ نہیں دیا تھا وہ اس کا دوست تھا اس کی مدد کرنے کا الفاظ سے بھی سہارا نہیں دیا تھا۔

اس کے برعکس ملتے ہی اسے ایک بری خبر ہی سنائی اچھا نہیں کیا تھا یکدم طاہر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا جھٹ ہونٹوں پر اک خوشگوار سا تبسم سجاتے ہوئے بولا

ارے! آؤ تمہیں ایک بڑے قابل انسان سے ملواؤ اور اس سے پہلے کہ ایزد آمادگی کا اظہار کرتا طاہر اسی ہمیشہ والی بے تکلفی سے اس کا بازو تھام کر اسی مخصوص میز کی طرف لے گیا۔

ان سے ملو یہ عابدی صاحب ہیں دست شناسی کے علم میں کوئی ان کا ثانی نہیں پچھلے دو سال سے انہیں کے ساتھ رہ رہا ہوں۔

چائے کی پیالی سے شغل فرماتا ہوا وہ خوش لباس شخص مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا پینتیس چالیس کے درمیان اس کی عمر رہی ہو گی خاصی پرکشش شخصیت کا مالک تھا ایزد بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

طاہر نے آواز دی ساتھ ہی اپنے مخصوص انداز میں پیالی کے کنارے کو چمچ سے کھڑکھڑایا

جی جناب!

اس آواز پر ایزد نے جلدی سے جھکا ہو سر اٹھایا وہاں بھی ایک اجنبی صورت ہی دکھائی دی اس پانچ نمبر بیرے کو وہاں نہ پا کر ایزد کو پھر ایک جھٹکا سا لگا

اوہ!

اور ایک بار پھر اس کی سوالیہ اور بے چین سی نگاہ طاہر کی جانب اٹھ گئی

اس کے چچا کا انتقال ہو گیا

دونوں دوست ہمیشہ ایک دوسرے کی اشاروں اور نگاہوں کی زبان بھی سمجھ جایا کرتے تھے۔ اور ان میں اب بھی وہی ٹیلی پیتھی موجود تھی شاید!

لاولد تھا چچا را اس لیے اس کی تین مربع زمین اسے مل گئی پھر بیرا گیری کون کرتا اور کیوں کرتا؟ پٹھہ زمیندار بنا بیٹھا ہے اور عیش کر رہا ہے کبھی تم اس سے ملے؟ ایزد نے دلچسپی سے پوچھا

ہاں

یہیں؟

لو بھلا اب وہ یہاں کیوں آنے لگا؟

یہاں کی مزید چائے پینے

ارے یہاں وہ بیرا گیری کرتا تھا ایک ایک سے ٹپ وصول کرتا رہا خوشامدانہ مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرے ہر ایک کی باتیں سنتا رہا اور اب وہ ایسے مقام پر ہے جہاں وہ خوشامدانہ مسکراہٹیں خود وصول کرتا ہے۔ لوگوں کو باتیں خود بناتا ہے۔ اب تو ضرورت پڑنے پر وہ آب حیات پینے بھی یہاں نہ آئے چائے ایک طرف رہی

اوہ! ہاں

ایزد کسی گہری سوچ میں غرق ہو گیا وقت ہی تو ہے وہ یہاں اس لئے نہیں آتا کہ وہ بلند مقام پر پہنچ گیا اور ایزد اپنی گری ہوئی حالت کی وجہ سے آنے سے ہچکچا رہا تھا۔

یہ ہم انسان آخر ہم میں سے یہ اونچے اور نیچے کا فرق کب جائے گا ہم محمود و ایاز اور حضرت عمرؓ اور ان کے ملازم کی طرح کب ہوں گے

اچھا بھئی چھوڑو اسے طاہر نے اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع کر دیا

تم یہ بتاؤ کہ یہ پچھلے تین سال کہاں رہے اور کیسے گزرے؟

ساتھ ہی طاہر کی نگاہیں ایک بار پھر اس کے سراپا کا جائزہ لینے لگیں

وہ جو جماعت میں سب سے زیادہ خوش پوش، زندہ دل اور مسکراہٹیں بکھیرنے والی ایک دل چپ اور پر کشش شخصیت والا سمجھا جاتا تھا، مانا جاتا تھا آج بالکل بدلے ہوئے روپ میں اس کے سامنے تھا

ملگجا سا لباس مسکراہٹوں سے نا آشنا پپڑیاں جمے خشک ہونٹ ہر دم چہرے پر کوندنے والی شوخ بجلیاں غائب اور اس کی جگہ فکر و تردد کے گہرے سائے اس کا یہ روپ تو قطعی بیگانہ تھا!

اور طاہر اپنے اسی ایزد کو دیکھنا چاہتا تھا جو اس کا عزیز ترین دوست تھا ایسی رفاقت، ایسی خلوص بھری دوستی اور ہزاروں شوخیاں اور شرارتوں ایسی چاشنی بھری محبت اسے اور کہیں سے نہیں ملی تھی۔

یہ پچھلے تین سال وہ غائب رہا تھا تو اس نے اسے بہت یاد کیا تھا بے حد اور اب وہ ملا تھا تو وہ وہ نہیں تھا

طاہر حیرت اور پریشانی بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا ایزد خاموش بیٹھا تھا۔

عابدی صاحب اپنی سوچوں میں کھوئے سگریٹ کے کشوں پر کش لگائے جا رہے تھے اور گھونٹ گھونٹ کر کے چائے پیئے جا رہے تھے۔

ایک پیالی طاہر کے سامنے بھی تھی مگر وہ اس کی بجائے ایزد کی طرف متوجہ تھا ایسی

نفیس چائے یوں ٹھنڈی ہو رہی تھی ایزد دل ہی دل میں افسوس کر رہا تھا اس طرح چائے کا ستیاناس ہونا دل کو تکلیف دے رہا تھا۔

تم میری بات کا جواب نہیں دے رہے؟

ایزد کی گھمبیر خاموشی سے اکتاتے ہوئے طاہر ذرا سا جھنجھلایا

اوہ! کیا پوچھ رہے تھے تم؟

یہ اتنا عرصہ تم کہاں گم رہے؟

بس حالات کی بے درد چکی میں پستا رہا

عابدی صاحب نے پھر چائے کا گھونٹ بھرا ایزد کی نگاہ پھر ان کی طرف اٹھی گرم گرم خوشبودار بھاپ نکالتی ہوئی چائے کی ایک پیالی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے سوچا

اس وقت اس کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی چائے کی ایک گرما گرم پیالی کسی طرح مل جائے

مگر اس کے وہ چند سکے طاہر سے ملتے ہوئے ان میں سے بھی تو کچھ گر پڑے تھے اب نجانے ایک پیالی کے بھی اس کے پاس باقی بچے تھے یا نہیں؟

وہ دل ہی دل میں اسی حساب کتاب میں مصروف تھا! طاہر اس کا بڑا اچھا دوست تھا ایک چھوڑ دس پیالیاں اسے پلا سکتا تھا مگر ایزد ہمیشہ سے بڑا خوددار تھا۔

یہی تو معلوم کرنے کو بے چین ہوں کہ تم پر کیا بیت گئی تمہارا یہ حلیہ مجھے بڑا اجنبی سا لگ رہا ہے

طاہر کے لہجے میں ہمدردی تھی اور ایزد کی حالت پر اندر ہی اندر دل دکھی سا ہو رہا تھا۔ وہ کچھ منہ سے پھوٹے تو سہی جو کچھ اس سے ہو سکا وہ اس کے لئے ضرور کرے گا اس کی بے تکلفی اور خلوص سوچ رہا تھا۔

اب نجانے یہاں کی چائے کے بھاؤ کیا ہیں؟ تین سال میں ہر چیز کی قیمت

آسمان پر چڑھ گئی یقیناً اس کیفے کے بھاؤ بھی بدل گئے ہوں گے۔ ان دنوں پچھتر پیسے کا آدھا سیٹ تھا ایک پیالی بھی مل جایا کرتی تھی بیس پیسے کی اور اب شاید پچیس پیسے کی ہو گئی ہو

ایزد بری طرح کھویا ہوا تھا

اور میری جیب میں کتنے سکے ہو سکتے ہیں بیس، بائیس اور کچھ ہتھیلی پر ابھی اور بھی تھے مگر مگر ان میں سے کچھ گر بھی تو گئے تھے شاید دو سکے کونسے دو؟ دس پیسہ اور پانچ پیسہ؟ نہیں نہیں چھوٹے پیسے گر ہوں گے۔

خالی خالی نگاہوں سے وہ طاہر کو دیکھ ضرور رہا تھا مگر اس کا ذہن چائے کی ایک پیالی کے حصول کے لئے خیالات کے سمندر میں غوطے لگا رہا تھا۔

یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ تم بات کیوں نہیں کر رہے؟

اور اب طاہر تقریباً چلا پڑا

ایزد کے ساتھ عابدی صاحب بھی چونکے ذرا سا مسکرائے اور پھر چائے کا ایک گھونٹ بھر لیا ایزد کا صبر بے صبر ہو گیا

اس نے ہمیشہ اپنی خودداری پر بڑی مضبوط گرفت رکھی تھی مگر جانے کیسے؟ چائے کی ایک پیالی کی خواہش نے چپکے سے اسے ڈھیلا کر دیا

ابھی بات کرتا ہوں بڑی تفصیل سے کروں گا مگر کیا تم مجھے پہلے چائے کی ایک پیالی پلوا سکتے ہو، آخر ایزد ہچکچاتے ہوئے بول ہی پڑا

آج صبح کی نصیب ہی نہیں ہوئی اور اب عابدی صاحب کو دیکھ کر مجھ سے صبر نہیں ہو رہا

اوہ! کیوں نہیں کیوں نہیں

طاہر کو خود اپنے آپ پر ہی افسوس ہوا ایزد کی خوددار طبیعت کو جانتا تھا جانے بیچارے نے کس طرح مجروح ہو کر زبان کھولی تھی اسے اس کی نوبت آنے ہی نہیں

دینا چاہیے تھی۔

وہ اسے ساتھ لے کر آیا تھا چائے کے لئے پوچھنا تو اس کا فرض تھا اور وہ اسے پہلے پوچھنا چاہیے تھا۔

گڑبڑا کر، پشیمان سا ہو کر اس نے اپنے ہی والی پیالی ایزد کی طرف بڑھا دی بیرے کو بلا کر بھی وہ باتوں میں مصروف تھا اس لئے وہ دوبارہ دوسرے گاہکوں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا پانچ نمبر تو تھا نہیں جو پھر بھی کھڑا دانت نکال نکال کر انہیں دیکھتا رہتا ایک بار پھر اسے پکارا

چائے قدرے ٹھنڈی ہو چکی تھی ایزد پیالی ہونٹوں سے لگا کر غٹا غٹ چڑھا گیا۔ اس وقت اسے محفل کے کوئی آداب، کوئی اصول یاد نہیں تھے۔

اس کی خستہ حالی اور بجھے بجھے چہرے سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا معدہ بھی خالی تھا طاہر کے خلوص نے اندازہ لگایا

ایزد کو سموسے اور شامی کباب بہت پسند تھے اس کی پسند کو اور ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے طاہر نے گرم گرم چائے کے ایک سیٹ کے ساتھ ان چیزوں کا بھی آرڈر دے دیا۔

ہاں اب بتاؤ کیا پوچھ رہے تھے؟

ایزد پیالی کا آخری قطرہ تک حلق میں انڈیل کر پیالی واپس رکھتے ہوئے طاہر سے مخاطب ہوا۔

میں پوچھ رہا تھا کہ یہ تم نے اپنا حلیہ کیا بنایا ہوا ہے؟

خود سے نہیں بنایا آپ ہی آپ بن گیا

اس روپ بہروپ کے کھیل میں ایزد کی صرف زندہ دلی موجود تھی اور طاہر نے دانت پیسے

میں بے قرار ہوا جا رہا ہوں اور تمہیں اس حالت میں بھی اٹھکھیلیاں سوجھ رہی

ہیں مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ ایسی نوبت کیوں آئی ؟؟

بیرے نے آرڈر کے مطابق سب کچھ لا رکھا تھا طاہر ساتھ ساتھ اس کے آگے پلیٹیں سرکا رہا تھا ساتھ ساتھ بڑبڑائے جا رہا تھا

پہلے اتنا عرصہ بغیر اتا پتہ بتائے غائب رہا گھر کے پتہ پر کئی خط لکھے مگر کسی کا بھی جواب ندارد عجیب انسان ہے۔ خیر خیریت کی نہ کوئی اپنی اطلاع دی اور نہ ہمیں ہی پوچھا اور اب ملا ہے تو یوں پریشان کر رہا ہے دیکھ نا یار ایزد! اتنے سگے دوستوں پر یوں مظالم ڈھانا اچھا نہیں ہوتا

ایزد اس کی ان معصوم اور مخلص شکووں پر مسکرائے جا رہا تھا۔

عابدی صاحب اسی طرح سوچوں میں کھوئے سگریٹ پئے جا رہے تھے اور چائے کی دوسری یا شاید تیسری پیالی کو بڑے خلوص و عنایت سے معدہ برو کیے جا رہے تھے۔

☆

قاسم بیگ بہت بڑے زمیندار تھے ایک خاندان کے لئے اچھی زرخیز زمین ایک مربع بھی ہو تو بہت ہوتی ہے۔ بڑی خوش حالی سے گزارہ ہو سکتا ہے مگر ان کے پاس تو چالیس پچاس مربع زمین تھی۔

اپنے سے اتنا زیادہ ہوتا کہ سو پچاس کی ضرورت پوری کر کے بیٹھتے مگر ایک کمی خدا نے ایسی رکھی کہ وہ ان کی بے پایاں دولت بھی پوری نہ کر سکی

شادی کو دس برس بیت گئے لیکن ان کی وسیع و عریض حویلی ننھے منے قدموں کی قدم بوسی کی سعادت سے محروم ہی رہی۔

بہت عرصہ انتظار کر لیا تھا اتنی زمینیں اور املاک لاوارث بھی نہیں چھوڑی جا سکتی تھیں تب لوگوں اور والدین کے اصرار پر قاسم بیگ کو ایک بار پھر دولہا بننا پڑا

ان کی عمر سے آدھی عمر کی زینب کو جائداد و املاک کے لالچ میں ان کی دلہن بنا دیا گیا لیکن کسی کا یہ لالچ بھی پورا نہ ہو سکا ان کے نصیب میں اولاد پھر بھی نہ ہوئی

دھاگے اور پیروں فقیروں پر قاسم بیگ کو اعتقاد نہیں تھا مگر لوگوں کے کہنے سمجھانے پر وہ بھی کر دیکھا تب بھی کچھ نہ ہوا علاج معالجوں کی تو انہوں نے پہلے ہی کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

دس بارہ برس پھر بیت گئے اب شادیوں پر شادیاں تو نہیں کئے جانا تھا صبر شکر کر کے بیٹھ گئے اولاد نصیب میں ہوتی تو پہلی بیوی رشیدہ کے ہی ہو جاتی یہ تو زینب والی بھی زیادتی ہی ہوئی۔

گو بظاہر قاسم بیگ نے صبر شکر کر لیا تھا مگر جوں جوں عمر ڈھل رہی تھی دل کی ویرانی بڑھتی ہی جا رہی تھی جوانی میں تو انسان ہی شوریدہ سر جذبات میں مگن ہو کر وقت گزار لیتا ہے لیکن بڑھاپا اپنے اندر کی ٹھنڈک کو اردگرد کی رونقوں سے گرمی پہنچاتا ہے اور اردگرد کی رونقیں صرف اولاد کے دم قدم سے ہی ہوتی ہیں۔

اور اب اولاد کی محرومی کا احساس دن بدن زیادہ سے زیادہ ہوا جا رہا تھا اکثر سوچوں میں کھوئے رہتے کوئی بات بھی ہوتی آپ ہی آپ منہ سے آہیں نکل پڑتیں اردگرد کیسی ویرانی تھی!

انہیں دنوں رشیدہ کی بہن صغرا کے خاوند کی شدید علالت کی اطلاع ملی عیادت کو جانا ضروری تھا یوں بھی قاسم بیگ ان چھوٹی چھوٹی باتوں اور خویش و اقارب کے حقوق کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔

رشیدہ کو ساتھ لے کر خود عیادت کے لئے گئے صغرا کا خاوند اتنا بیمار تھا کہ اس حالت میں اسے چھوڑ کر واپس بھی نہ آ سکتے تھے۔ بلکہ جو حکیم، وید، ڈاکٹر، سیانے ان کی نگاہ میں تھے سب اکٹھے کر لئے

مگر موت کے آگے کب کسی کی چلی ہے؟ صغرا کی چادر بیوگی نے تار تار کرنا تھی وہ کر دی

رشیدہ اور صغرا والدین کی بس دو بیٹیاں ہی بیٹیاں تھیں بیٹے کی شکل کو ترستے ترستے اور پھر رشیدہ کی خالی گود کو دیکھتے اور تڑپتے تڑپتے والدین کچھ عرصہ پہلے یکے بعد دیگرے وفات پا چکے تھے۔

یوں رشیدہ کا صغرا کے سوا اور صغرا کا رشیدہ کے سوا اور کوئی نہ تھا دوسرا ظلم یہ ہوا کہ صغرا بیوہ ہو گئی

اکیلی ہوتی تو کہیں بھی پڑ رہتی مگر اس کے ساتھ تو تین سالہ صابرہ بھی تھی خاوند کی زندگی میں سسرال والوں کے ساتھ کبھی نہ بنی اور اب اس کے بغیر تو اس کا ایک پل بھی وہاں گزارنا گویا عذاب جہنم جھیلنے کے برابر تھا۔

صغرا بے حد پریشان تھی کہ اب کہاں جائے؟

اسے فکرمند دیکھ کر بہن نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ بہنوئی نے پہلے ہی اسے اپنے گھر لے جانے کا اعلان کر دیا سالی کے علاوہ یوں بھی وہ قاسم بیگ کی رشتہ میں

بہن تھی

اللہ نے بہت دیا ہوا تھا غیر کھا رہے تھے ایک صغرا اور اس کی ننھی سی بچی سے کیا فرق پڑ جانا تھا؟

اس کے علاوہ پانچ چھ دن سے وہ آئے ہوئے تھے ان دنوں میں ننھی صابرہ نے چپکے سے ان کے دل کے ایک کونے میں ایک خاص مقام بنا لیا تھا۔

اس کا باپ بستر پر پڑا تھا خالو نے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تو وہ باپ کی محبت اسی وجود میں تلاش کرنے لگی سارا زمانہ باپ کے کمرے میں اکٹھا ہوتا نہ باپ کے قریب اسے جانے دیا جاتا اور نہ اس کی طرف کوئی توجہ دیتا ماں بھی باپ کی بیماری میں لگی تھی اس کا خیال کون کرتا؟

خالو نے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تھا ہر طرف سے عدم توجہی پا کر اسی پیار کے سہارے پھر خالو کے قریب جا کھڑی ہوئی اور خالو کا دل پہلے ہی ویرانہ بنا تھا اور جس آبادی کو وہ ویرانہ ترس رہا تھا وہ خود ہی پاس آ رہی تھی۔ اس ویرانے کو آباد کرنے دونوں بازو پھیلے صابرہ آنکھوں میں چمکتے ستارے لیے ان میں سمٹ گئی۔

پھر یوں باقی دن نہ وہ خالو سے علیحدہ رہ سکی اور نہ خالو اپنے آباد ویرانوں کو دوبارہ ویران کر سکے۔

اک معصوم بچے کی محبت بھی عجب نرالا اور انوکھا سا جذبہ ہوتا ہے قاسم بیگ کی ساری زندگی ایسے ہی ایک ننھے وجود کی رونق اور پیار کرنے اور کرانے والے ایسے ہی معصوم سے جذبوں کو ترستی گزر رہی تھی

اب اس کا تجربہ ہوا تو وہ بے اختیار ہو اٹھے

چلو اگر خدا کو انہیں اولاد دینا منظور نہیں تھا تو وہ ایسے ہی کسی یتیم یا لاوارث کو گھر کی رونق تو بنا سکتے تھے اپنے اندر کے ویرانوں کو یوں تو آباد کر سکتے تھے۔ اور دل کے اندر یہ خیال لیے وہ ان دونوں کو اپنے گھر لے آئے

ایک دل خدا ترس ملا تھا انہیں دوسرے معصوم صابرہ کے اس انوکھے سے پیار کی لذت نے انہیں تو دیوانہ ہی بنا دیا وہ اور سب کچھ ہی بھلا بیٹھے اور اب ان کی نگاہوں میں ان کے دل میں ان کے گھر میں اک صابرہ کا ہی وجود تھا۔

اس کی خاطر گھر میں انہوں نے کیا کچھ نہیں لا اکٹھا کیا دنیا کی ہر نعمت اس کے قدموں میں لا کر ڈال دی۔

دل کے جذبوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر جو کچھ اس کی خاطر کر رہے تھے، کر رہے تھے اس کے علاوہ جو کچھ وہ ان بتیس دانتوں سے نکالتی وہ بھی پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے وہ تو بالکل ہی اس میں ڈوب گئے تھے۔

صابرہ گھر میں تو ہر وقت ان کے ساتھ لگی ہی رہتی تھی مگر اکثر اوقات وہ جب باہر چوپال میں یا پنچائت وغیرہ میں جا بیٹھتے تو تب بھی انگلی سے لگا ساتھ لے جاتے یوں دونوں کی رفاقت دم دم کی ہو گئی۔

تب رفتہ رفتہ انہیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے صابرہ ہی ان کے جسم میں زندگی کی حرارت تھی صابرہ ہی ان کی رگوں میں لہو کی بوندیں بن کر دوڑ رہی تھی اور اب جیسے اس کے بنا وہ ایک لمحہ بھی جی نہ سکیں گے۔

یوں انہوں نے تو اسے ہی اپنی اولاد تصور کر لیا تھا مگر اس دن وہ سچ مچ ہی پریشان ہو گئے جب ان کی برادری کے ایک مدبر شخص نے ان کی توجہ اس تلخ حقیقت کی طرف مبذول کرائی۔

بے شک وہ صابرہ کو اپنی حقیقی اولاد ہی متصور کرتے تھے مگر ان کے بعد ان کی جائیداد اور زمینوں وغیرہ کی وارث وہ قطعی نہیں ہو سکتی تھی۔

ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی صابرہ کا اس گھر اور ان کی املاک کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہ جانا تھا ان کا اس کے ساتھ خون کا رشتہ کوئی نہیں تھا صرف جذباتی لگاؤ تھا۔ اور ان منہ بولی محبتوں اور رشتوں پر جائیدادوں کے فیصلے تو نہیں ہو سکتے۔

البتہ اگر وہ اسے اپنی جائیداد اور زمینوں کا وارث اولادہی کی طرح دیکھنا چاہتے تھے تو انہیں ابھی سے کوئی پکا انتظام کرنا چاہیے تھا۔

کوئی وصیت وغیرہ تیار کر چھوڑتے زندگی کا کیا بھروسہ کب ساتھ چھوڑ جائے!

یہ تو سچ تھا! صابرہ سے انہیں اتنی محبت تھی کہ وہ اسے اپنی ہر چیز کا مالک دیکھنا چاہتے تھے تب وہ وصیت میں سب کچھ اس کے نام لکھ دینے کو تیار ہو گئے۔

ان کا یہ فیصلہ گھر کی چار دیواری کے اندر بھی ہر کان تک پہنچا۔ صابرہ رشیدہ کی بھانجی تھی۔ کل کلاں کو قاسم بیگ کو کچھ ہو بھی جاتا تو خالہ کے دم قدم سے ہی صابرہ کو سب کچھ مل رہا تھا نا خالو کے بعد خالہ کا اس نے یقیناً مان رکھنا تھا وہ اسی طرح اس گھر کی مالکن رہ سکتی تھی۔

رشیدہ سر سر افائدے میں تھی اس فیصلے پر وہ خاموش ہو رہی لیکن زینب نہ خاموش رہ سکی۔ اس کے سر پر تو جوانی کھڑی تھی اور رشیدہ اور صغرا دونوں بہنوں کا اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ تھا ایک کی سوت ایک کی بہن کی سوت!!

دونوں ہی اس سے دشمنی رکھتی تھیں خوانخواستہ قاسم بیگ کو کچھ ہو جاتا تو انہوں نے تو بیک بینی و گوش زینب کو نکال باہر کرنا تھا

اور زینب غریب والدین کی بیٹی تھی غریب بھائیوں کی بہن انہیں اپنی دو وقت کی روٹی کا فکر رہتا تھا تو زینب مزید بوجھ کیسے بنتی اب تو اسی گھر کے نوالوں پر اس کی عمر کو تمام ہو جانا چاہیے تھا۔

انہیں سب سوچوں کے ساتھ اس نے چودھری قاسم بیگ کے اس فیصلے کے خلاف آواز اٹھائی وہ بھی اپنے میں اتنی ہمت تو پاتی نہیں تھی کہ ان کے منہ در منہ کچھ کہتی غیر موجودگی میں ہی صرف بڑبڑا سکی۔

نہ کوئی خون کا رشتہ، نہ کوئی باپ دادا کی اولاد، خواہ مخواہ ہی باہر سے آکر کوئی ہر چیز کا مالک بن بیٹھے ایسا اندھیر ا ہوتا تو ہم نے کہیں نہ دیکھا تھا

اری! ایسی ہی جلن ہو رہی ہے تو پھر خود اپنی کوکھ سے چوہدری کی جائیداری سنبھالنے کے لئے ایک بیٹا پیدا کر دینا تھا نا

رشیدہ زینب سے ہمیشہ طعن کی زبان میں بات کیا کرتی تھی

اولاد کی حسرت اگر حسرت ہی رہی تھی تو یہ کوئی اس کا اپنا قصور تو نہ تھا زینب کی دکھتی رگ چھڑ گئی بے بسی کے مارے اس کی آنکھوں میں بہت ڈھیر سارے آنسو آ گئے

خود رشیدہ بھی تو اسی کشتی میں سوار تھی پھر اسے کیوں طعنے دے رہی تھی؟ میں اگر بیٹا نہیں پیدا کر سکی تو تم نے کونسا کر دیا!

زندگی میں پہلی بار وہ بھی ڈرتے ڈرتے زینب نے رشیدہ کے سامنے زبان کھولی اسے دکھ بھی تو بہت ہوا تھا برداشت نہ کر سکی

صابرہ بھی تو میری ہی ہے اپنی اولاد کیا اور بھانجی کیا ایک ہی بات ہے مجھ میں نے تو چوہدری کے لئے ایک بیٹی کو جنم دے دیا تم سے تو کچھ بھی نہ ہو سکا اور اب خواہ مخواہ ہی جلی جا رہی ہو

رشیدہ کے اس جواب پر اس کے پاس بیٹھی صغرا نے بھی اس کے ظفر مندانہ قہقہے کا ساتھ دیا

دونوں بہنیں کامران و فتح یاب تھیں شکست خوردہ زینب ان کی ہنسی کا کیا جواب دیتی کہنے کو بہت کچھ تھا بھی مگر خاموش ہی رہی

اولاد نہ ہو تو عورت اسے اپنا عیب سمجھتی ہے اور زینب بھی اپنی اسی کمزوری کے تحت بس اپنے اللہ میاں سے ہی شکوہ کر کے رہ گئی

پھر وہ ساری رات اس نے جاگ کر، مصلے پر بیٹھ کر، رو کر اور دعائیں مانگ کر گزار دی

جانے کونسا وقت تھا اور کس انداز سے اس نے دعا مانگی تھی خدا تعالی نے فوراً اسے

شرف قبولیت بخشا

نو ساڑھے نو ماہ بعد زینب کو پروردگار نے چاند جیسے خوبصورت بیٹے کی صورت دکھا دی پورے گاؤں میں چراغاں ہوا کئی دن ڈھول بتاشے اور باجے گانے گونجتے رہے۔

میراثی، بھانڈ اور ہیجڑے جھولیاں بھر بھر چوہدری کی حویلی سے ہنستے کھلکھلاتے نکلے غرض چوہدری قاسم بیگ کے بیٹے کی ایسی خوشی منائی گئی کہ صدیوں سے اس گاؤں اور اس حویلی اور وہاں کے بسنے والے لوگوں نے یہ سب نہ دیکھا تھا۔

سبھی بے حد خوش تھے اور عین اس خوشی کے عالم میں رشیدہ نے چوہدری قاسم بیگ کی توجہ صابرہ کی طرف دلائی۔

جس کے نام چوہدری سب کچھ کر دینے کو تیار تھا اور اب رضا کی پیدائش سے وہ یکدم شاہ سے گدا ہو کر رہ گئی تھی اب اس کا کیا بننا تھا؟؟

کیا کہہ رہی ہو؟

چوہدری نے حیرت سے بیوی کی طرف دیکھا

اللہ کی یہ مہربانی میری صابرہ کی تو برکت سے ہے انہوں نے بغل میں بیٹھی صابرہ کو زور سے سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔

کیا مطلب؟

رشیدہ سمجھ نہ پائی شاید ذرا موٹی عقل کی مالک تھی

صاف ظاہر ہے اب میری ساری املاک کا وارث رضا ہی ہو گا صابرہ رضا کی بیوی بنے گی

قاسم بیگ نے یوں بلا سوچے جواب دیا جیسے وہ پہلے سے ہی سوچ سمجھ کر فیصلہ کیے بیٹھے تھے

وصیت تو صرف تیسرے حصے کی کر سکتا تھا اور یوں تو میری صابری پورے کے

پورے کی مالک بن جائے گی

سچ کہہ رہے ہیں؟

رشیدہ خوشی سے دیوانی سی ہوکر چلا پڑی

زینب نے ایک بیٹے کو جنم دے کر اسے جتنی بڑی شکست کا صدمہ دیا تھا چوہدری کے اس فیصلے نے اسے اسی قدر زبردست فتح کی نوید دے دی

ہاں ہاں تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ مجھے صابرہ سے کتنی محبت ہے جب مجھے لڑکے کی اطلاع ملی تھی تو اسی وقت میرا دھیان صابری کی طرف گیا تھا اور اسی وقت میں نے یہ ارادہ کرلیا تھا

لیکن زینب

رشیدہ نے ڈھکے چھپے الفاظ میں گویا اپنے خدشے کا اظہار کر دیا

میں بچے کا باپ ہوں اور میرے دادا پردادا سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ ہمارے خاندان میں ہمیشہ باپ کی مرضی ہوتی ہے

چوہدری قاسم بیگ اپنی چوہدراہٹ کی شان میں بولے

جو میں چاہوں گا وہی ہوگا ویسے بھی زینب کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے گھر میں پلی لڑکی اچھی بہو ثابت ہوتی ہے۔

پھر بھی ہوسکتا ہے عمر کا فرق

رشیدہ دل کا ہر وسوسہ نکال لینا چاہتی تھی

اب زیادہ باتیں نہ کیے جاؤ دس سال بھی بھلا کوئی فرق ہے ہمارے پیغمبر سے ان کی بیوی پندرہ برس بڑی تھیں یوں بھی ہم زمینداروں کے بیٹے کھا پی کر بہت جلد جوان ہو جاتے ہیں اس کا تم فکر نہ کرو۔

چوہدری قاسم بیگ سے بات تو پکی ہو چکی تھی مگر رشیدہ کے دل کے سب وسوسے ختم ہو کر بھی ختم نہ ہوئے

ایک کانٹا کبھی کبھار کھٹک اٹھتا کہ چوہدری کے ارادے رضا کو بہت ڈھیر سارا پڑھانے کے تھے۔

اور اس کمبخت تعلیم کے سلسلے میں ایسا نہ ہو لڑکا شہر جائے اور وہیں کا ہو کر رہ جائے رشیدہ نے سنا ہوا تھا کہ شہر کی لڑکیاں میموں کی طرح گوری چٹی ہوتی ہیں ایسا نہ ہو رضا وہیں کوئی گوری چٹی میم پسند کرے۔

پھر پھر اس کی بھانجی تو اسی طرح نامراد کی نامراد رہ جائے گی اس کے علاوہ زینب اور اس کا بیٹا ہی ہر چیز کے مالک ہوں گے اور یوں وہ دونوں بہنیں تو دودھ کی مکھی بن جائیں گی

اب تو ایک یہی بھانجی تھی جس کے ذریعے وہ بیٹے والی سوت پر حکمرانی کر سکتی تھیں ورنہ ان کی اپنی کوکھ تو اب اس ادھیڑ عمری میں پھوٹنے سے رہی۔

چنانچہ جس طرح بھی ہو سکے یہ معاملہ بالکل ہی پکا ہو جانا چاہیے تھا

لاکھ شہر کی گوری چٹی میموں ایسی لڑکیاں رضا کے ارد گرد پھریں ابھی سے اسے ایسے مضبوط بندھنوں میں جکڑ دینا چاہیے تھا کہ وہ ان کی طرف نگاہ ہی نہ اٹھا سکے

رضا سات سال کا ہوا تو رشیدہ نے چوہدری قاسم بیگ سے کہہ کہا کر صابرہ اور رضا کا نکاح پڑھوا دیا۔

زینت بہت چیخی چلی کہ وہ اس رشتے سے انکار نہیں کرتی مگر بچے کو ذرا ہوش تو آ لینے دیا جاتا بچپن کی شادی ہمیشہ تباہی کا باعث بنتی ہے

مگر اس کی کسی نے نہ سنی رضا سارے گھر کی ملکیت تھا صرف ماں ہی کا بیٹا نہ تھا جو اس کی مرضی ہوتی

یوں گڑیا گڈے کے بیاہ کی طرح یہ شادی انجام پا گئی رضا نے گاؤں کا پرائمری سکول پاس کیا تو اسے شہر بھیج دیا گیا۔ صابرہ اسی طرح گھر کی رونق بنی رہی۔ ماں اور خالہ خالو کے لاڈ کے علاوہ اب ساس بھی اس کا بہت خیال کرنے لگی تھی اس گھر کی

ہونے والی مالکن وہی تو تھی اس کے اپنے بیٹے کی بیوی!

وہ اسے اپنی ملکیت سمجھ کر اس پر نثار ہونے لگی

چھوٹا شہر تھا رضا نے میٹرک پاس کیا تو مزید تعلیم کے لئے چوہدری کو وہاں کا کوئی کالج پسند نہ آیا بے شک لاہور وہاں سے کافی دور تھا مگر پھر بھی چوہدری کا شوق بیٹے کی جدائی سہنے کو تیار ہو گیا۔

اب رضا ہفتہ اتوار کی بجائے گرمیوں اور سردیوں کی چھٹیوں میں ہی گھر آتا سب کو رضا بیگ کے جوان ہونے اور تعلیم ختم کرنے کا ہی خیال رہا صابرہ کی عمر کی طرف کسی نے دھیان ہی نہ دیا جو بیس پچیس سال کو پہنچ رہی تھی

رضا چھٹیوں میں گھر آتا تو صابرہ کی جوانی کے تند و تیز جذبات اسے بہانے بہانے رضا کے پاس جانے پر مجبور کرتے زینب کی خواہش تھی کہ بیٹا پوری تعلیم حاصل کر لے تو پھر گھر گرہستی کی طرف متوجہ ہو وہ صابرہ کو رضا کے پاس جانے سے منع کرتیں مگر وہ باز نہ آتی کچھ اپنے جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور کچھ ماں اور خالہ کے سکھانے پر وہ جان بوجھ کر ساس کی حکم عدولی کرتی۔ اور رضا نے بھی ایف اے کا امتحان نہیں دیا تھا کہ وہ ایک بیٹے کا باپ بن گیا پھر بی اے میں تھا تو ایک لڑکی پیدا ہو گئی دادا، دونوں دادیاں اور نانی بچوں میں مصروف ہو گئے۔ گھر کو اک بڑی خوبصورت سی گہما گہمی نے اپنے میں سمیٹ لیا۔ معصوم بچوں کی مسکراہٹوں میں کھو کر کسی ایک کو دوسرے کا دھیان ہی نہ رہا

صابرہ کی جوانی میں دو بچوں کو جنم دے کر ٹھنڈی پڑ چکی تھی اب اسے بھی رضا کی چھٹیاں گننے کی اتنی ضرورت نہ رہی

وہ آ جاتا تو وقتی طور پر خوش ہو جاتی چلا جاتا تو بچوں میں مصروف ہو کر نہ اداس ہوتی نہ اسے خط لکھنے کی فرصت ہی پاتی

کچھ یوں بھی جیسے اسے سب کچھ حاصل ہو چکا تھا اب سب کچھ اس کا اور اس

کے بچوں کا تھا سب فکروں سے آزاد ہو گئی تھی اس لئے کسی کی پرواہ ہی نہ رہی

رضا کی تعلیم ختم ہوئی تو وہ مستقل گھر آ گیا مگر یہاں آ کر اسے احساس ہوا کہ وہ اس گھر میں ایک بالکل غیر ضروری مہرہ تھا

زیادہ وقت شہر میں گزارنیکی وجہ سے نہ ہی وہ یہاں اور یہاں کے ماحول میں اپنائیت محسوس کرتا اور نہ ہی گھر والے اس کے عادی تھے

اس کے دونوں بچے صولت اور فوزیہ اس سے زیادہ دادا اور دادی سے مانوس تھے رضا درخت سے گرے اک تنہا پتے کی طرح ادھر ادھر اڑتا پھرتا۔

کبھی زمینوں کی طرف نکل جاتا کبھی ڈیرے میں جا بیٹھتا کبھی گھر آ جاتا

شروع ہی سے وہ شہر میں رہا تھا اس لئے نہ گاؤں کے لوگوں سے اس کی بے تکلفی تھی اور نہ ہی زمینوں میں کوئی دلچسپی محسوس ہوتی البتہ ایک گھر تھا مگر وہاں بھی ایک انسانی فطرت اور ضرورت کے مطابق اسے توجہ نہ ملتی

بیوی اب نہ نوعمر تھی اور نہ اس میں جوانی کے وہ جوشیلے جذبات جو بہانے بہانے اس کے پاس بھاگی آتی

اور خود وہ تو اب جوان ہوا تھا اس کا من کسی حسین اور چنچل ساتھی کے ساتھ کے لئے تو اب مچلانا شروع ہوا تھا اس کے دل نے تو جوانی بھری امنگوں اور آرزوؤں کے ساز پر اب دھڑکنا سیکھنا تھا۔

مگر صابرہ کی پینتیس سالہ عمر میں جوانی کی گرمی کی بجائے ادھیڑ عمری کی برف جمنے لگی تھی

اور رضا کے دل میں جھلسا دینے والے شعلوں کو سینے سے لگانے کی تمنا تو اب بیدار ہوئی تھی

صابرہ کو اشارہ کنایتہً سمجھانے کی کوشش بھی کی اسے اپنی طرف سے یوں غافل ہونے پر تنبیہ بھی کی مگر اس نے ایک کان سنی اور دوسرے کان اڑا دی

بھلا یہ عمر تھی ایسی باتوں کی اور ایسے نازنخروں اور چونچلوں کی اولا دسیانی ہوئی جا رہی تھی

وہ اپنی عمر کی نگاہ سے سب کچھ دیکھتی رہی اور اسی پیانے سے سب کچھ تولتی رہی اور رضا اپنی عمر کی گرمی اور جذبات کی تندی کے ہاتھوں مجبور ہوتا گیا

تب اس نے ضرورت بلا ضرورت لاہور کے چکر لگانا شروع کر دیے دولت پیسے کی کمی نہ تھی کسی ہوٹل میں کمرہ کرایہ پر لے لیتا اور یار دوستوں کے ساتھ فلموں، پکنکوں اور شکار پارٹیوں میں دل بہلانے لگا اور وقت گزارنے لگا۔

رگوں میں پاکیزہ خون گردش کر رہا تھا اس لئے کسی برائی کی طرف دھیان نہ گیا رابعہ سے رضا کی ملاقات الطاف کے گھر میں ہوئی تھی الطاف رضا کا دوست تھا اور اس دن الطاف گھر پر نہیں تھا رابعہ نے الطاف کی امی کے کہنے پر رضا کو ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر نہ صرف الطاف کا انتظار کرنے کو کہا بلکہ بڑی تہذیب اور شائستگی سے چائے بھی لا کر سامنے رکھ دی تھی۔

پھر جب الطاف آیا تو اس سے اسے معلوم ہوا کہ رابعہ اس کی دور کی رشتہ دار تھی ماں بچپن میں مر گئی تھی باپ جنگ میں شہید ہو گیا اور اب وہ بے سہارا لڑکی الطاف کے گھر پناہ گزین تھی بی اے کر چکی تھی اور کسی اچھی سی ملازمت کی تلاش میں تھی کہ ان کا بوجھ بننے کی بجائے اپنا بوجھ خود اٹھا سکے۔

الطاف نے سب کچھ اسے بتا دیا تھا اور پھر جانے کیا ہوا اس سرسری سی ملاقات نے بہت ہولے ہولے بڑھی دھیمی اور ٹھنڈی ٹھنڈی سی آنچ دینے والی محبت کا روپ دھار لیا۔

لیکن رضا کے پاؤں میں تو بیڑیاں پڑی تھیں وہ ایک نو سالہ لڑکے اور سات سالہ لڑکی کا باپ تھا۔

مگر اس کا دل ہائے دل کسی بھی بندھن کے ہاتھوں مجبور ہونے کو تیار نہ تھا مچل رہا

تھا تڑپ رہا تھا اور بے قرار ہوا جا رہا تھا

اور پھر وہ راز، جو رابعہ سے اس نے چھپا رکھا تھا اسے بتا دیا کہ کس طرح اس کے بغیر اس کی زندگی نامکمل تھی مگر کس قدر وہ مجبور و بے بس تھا کہ اپنی تکمیل بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو بچپن کی شادی کے غلط رسم و رواج کے بھینٹ چڑھانے پر مجبور ہوا جا رہا تھا۔

کیسی بے بسی تھی اور کیسی مجبوری تھی!!

رابعہ صرف رضا کو جانتی تھی نہ اس کے حسب و نسب کے متعلق اس نے کبھی کچھ پوچھا تھا اور نہ اس کی دولت و جائیداد کے متعلق وہ تو اس کی سنجیدہ اور باوقار شخصیت اور نگاہوں کی پاکیزگی پر مرمٹی تھی۔

ورنہ آج کے زمانے میں تو نوجوان مرد کو جہاں کوئی جوان لڑکی دکھائی دے گئی وہ حریصانہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا

رضا کی آنکھوں میں ایسی حرص اور آوارگی نہ تھی اس کی بجائے پاکیزگی اور محبت کی جوت تھی اور یہی رابعہ کا دل موہ لے گئی

رضا کے حالات سنے تو نہ اس سے نفرت کی نہ سرزنش نہ اسے بے وفا یا فریبی مکار جان کر کوسنے دے ڈالے

یہ سب کچھ تو تقدیر کے ہاتھوں ہوا اس میں اس کا تو کوئی قصور نہ تھا وہ اسے کس طرح دھتکار دیتی؟

رضا کی بیوی موجود تھی دو بچے بھی تھے اس کے باوجود رابعہ نے اس سے وفا نبھانے کا عہد کر لیا۔

رضا کی خاطر اس نے اس کی بیوی کو بڑی بہن کی طرح سمجھنے کا وعدہ کر لیا اس کے بچوں کو اپنے بچے جاننے کی قسم کھائی

رابعہ تو سچ مچ عظیم عورت تھی وفا و محبت کا پیکر! رضا اسے بیاہ کر گھر لے آیا وہ اتنی اچھی تھی کہ اس کی وجہ سے کسی کو کوئی دکھ پہنچنے کا احتمال ہی نہ تھا

مگر یہ سوت کا ناطہ رابعہ مٹھائی کی ڈلی بھی ہوتی تو صابرہ کو زہر کی پڑیا ہی دکھائی دینا تھی

اس کے علاوہ صابرہ نے تو اپنی ملکیت میں سے کسی کو حصہ دینا سیکھنا ہی نہ تھا ہوش سنبھالنے سے اب تک وہ بلا شرکت غیرے ہر چیز کی مالک رہی تھی

یہ یکدم ہو کیا گیا تھا؟ اس کی ملکیت کے حصے بخرے کیوں ہونے لگے تھے؟

چوہدری قاسم بیگ کی ساری زمینوں کی، اس گھر کی اور اس گھر کی ہر ہر چیز کی صرف وہ اور اس کی اولاد مالک تھی اور اب ان سب چیزوں میں کسی اور کی حصہ داری بھی ہو گئی تھی۔

رابعہ اس کی سوت کے ناطے سے اس گھر میں آئی تھی مگر سوتاپے کی جلن سے زیادہ ان زمینوں، اس گھر اور گھر کی چیزوں میں جو اس کی حصہ داری ہو گئی تھی اس کی تکلیف اسے زیادہ تھی اور اس کا احساس برداشت سے باہر

اس کا حوصلہ، اس کا صبر و قرار چھن گیا

ایک سال پہلے بے جا لاڈ پیار کرنے والے محب و مشفق سسر کا بھی انتقال ہو چکا تھا ورنہ رضا کی کیا مجال تھی کہ یوں اتنے سیانے بچوں میں نوجوان بیوی لیے دندناتا آ جاتا

اس کی تو شرم و غیرت ہی اڑ گئی تھی اس کے تو دیدوں کا پانی ہی ڈھل گیا تھا آخر کمی کیا تھی صابرہ میں آنکھ، ناک، کان میں سے کچھ غائب تھا؟ اس کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی؟ کیا تکلیف ہوئی تھی آخر رضا کو جو دوسری بیوی لے آیا۔

صابرہ نے رضا کو بے نقط سنا ڈالیں چیخ چیخ کر اور سر اور چھاتی کو پیٹ پیٹ کر برا حال کر لیا

یوں تسلی نہ ہوئی تو اٹھ اٹھ کر رابعہ کو مارنے دوڑے وہ تو دیوانی ہوتی جا رہی تھی۔

اور ہر بار زینب بیچ میں پڑ کر رابعہ کو بچا نہ لیتی تو جانے اس کا کیا حشر ہوتا جوش جنوں میں شاید صابرہ اس کی تکا بوٹی ہی کر دیتی۔

ایک دن دو دن آٹھ دن اور پھر مہینہ گزر گیا صابرہ آخر انسان تھی۔ ہر وقت دیوانوں کی طرح بول بول کر تھک ہار گئی تب خاموش ہو گئی۔

اب رضا یہ تو کر نہیں سکتے تھے کہ رابعہ کو طلاق دے، گھر سے نکال باہر کرتے وہ تو ان کے دل کے نہاں خانوں میں چھپی بیٹھی تھی وہاں، جہاں سے وہ بھی اسے نکال نہ سکتے تھے۔ خاموشی میں ہی عافیت سمجھی

رابعہ کے گھر میں آ جانے سے جو کچھ ہو رہا تھا خود وہ بھی دیکھ رہی تھی، محسوس کر رہی تھی مگر اس کے ہونٹوں پر ایک ہی چپ لگی رہی۔

کوئی شکوہ رضا سے بھی نہیں کیا اس کے برعکس انہیں بھی تسلی دلاسہ ہی دیتی رہی کہ صابرہ آپا جو کچھ کہہ رہی تھیں، جو کچھ کر رہی تھیں عین انسانی فطرت کے مطابق تھا محبت میں کسی کی شراکت برداشت نہیں ہو سکتی اس وقت انہیں دکھ پہنچا تھا دل کا غبار نکال ہی لیتیں تو بہتر تھا خود وہ ان کی گناہگار تھی ان کے حق پر قبضہ کر لیا تھا وہ جو جی میں آئے اسے کہہ سکتی تھیں وہ حق بجانب تھیں

صابرہ زبان چلا چلا کر خاموش ہوئی تو دوسرے طریقے سے بیر نکالنے لگی اس کے دشمن تو پتھر کے بت تھے جن پر کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔ کس خاموشی سے سب کچھ سنے جا رہے تھے۔

تب علی الاعلان اس نے گھر کی ہر چیز پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ ملازموں اور نوکرانیوں اور دوسرے کام کرنے والوں کو حکم دے دیا کہ کوئی اس کا کام نہ کرے کوئی اسے چوہدرانی جی نہ کہے کوئی اسے قاسم بیگ کی بہو نہ سمجھے

جانے کونسی بلا ان کے گھر میں گھس آئی تھی؟ کوئی نیچ ذات ہی تھی جس کو نہ شرم تھی

نہ غیرت!

غرض جو ظلم ہو سکتا تھا اس پر کیا، جو نام دھرا جا سکتا تھا اس کا دھرا اس کے خاندان کو برا بھلا خود جو کہا سو کہا معمولی کام کرنے والی نوکرانیوں سے کہلایا

کہ وہ کسی طرح رضا کو چھوڑ دے یا رضا ہی ان حالات سے تنگ آ کر اسے ساتھ لے کر کہیں منہ کالا کر جائیں وہ تو اب رضا کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی

مگر رضا کی محبت میں رابعہ نے ہر دکھ ہنس کر برداشت کیا ہر تکلیف خوشی سے سہی اپنی خاطر اسے یوں سستی ہوتے دیکھ کر رضا نے اسے شہر لے جانا چاہا مگر وہ نہ مانی کہ خاندان میں ہی رضا کی عزت تھی

رضا کا گھر ہی اب اس کا گھر تھا رضا کی ماں اس کی ماں تھی اور اس کے بچے اپنے بچے!!

مگر یہ اپنے بچے! صابرہ کی طرح صولت اور فوزیہ نے بھی رابعہ کو ہمیشہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا صابرہ کی ماں اور خالہ نے بیٹی اور بھانجی سے زیادہ اس سے نفرت کی

صرف ایک رضا کی ماں زینب تھی جو خاموش تماشائی کی طرح غیر جانبداری سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

اس گھر میں زینب جب سے آئی تھی اس کی مرضی کبھی بھی نہ ہوئی تھی اس کی پسند یا ناپسند کو کبھی کسی نے پوچھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی تھی۔

چوہدری قاسم بیگ کی باہر اور رشیدہ کی گھر میں حکمرانی تھی وہ بیاہ کر آئی بھی تو اسی کا سکہ چلتا رہا زینب کو کسی نے کوئی مقام نہ دیا

چوہدری قاسم بیگ کی بیوی کر کے جو تھوڑا سا مقام ملا تو اولاد نہ پیدا کر سکنے کے جرم میں وہ بھی چھن گیا۔

پھر اس کے بعد صابرہ نے گھر میں آ کر اسے چند زینے اور نیچے اتار دیا۔ وہ

رشیدہ کی بھانجی تھی اور اس کے ساتھ چوہدری قاسم کو محبت تھی رشیدہ کی حیثیت اور بھی جڑیں پکڑ گئی اور زینب کچھ اور ہلکی ہو کر اوپر اٹھ گئی۔

پھر وہ دن آیا جب زینب کے پچھلے سب حساب بے باق ہونا تھے اسے خدا نے بڑا خوبصورت سا بیٹا دے دیا اب وہ ہلکی پھلکی نہ رہی تھی وہ بھی جڑیں پکڑ گئی تھی رشیدہ سے بھی مضبوط جڑیں جو زمین کے اندر بہت دور تک دھنسی ہوئی تھیں۔

اس نے چوہدری کی املاک کا وارث پیدا کر دیا تھا مگر اس کا نصیب صابرہ اور رشیدہ یہاں بھی اسے نیچا دکھانے کو تیار کھڑی ملیں۔ اس جیتی بازی میں بھی انہوں نے اسے مات دے دی۔

زینب کی مرضی کے بغیر ہی رضا کا رشتہ طے کر دیا گیا پھر سات سال کی عمر میں ہی اس کی شادی رچا دی گئی حالانکہ وہ نہیں چاہتی تھی مگر اس سے کسی نے مشورہ ہی نہیں کیا پوچھا ہی نہیں وہ چپکے سے ہکا بکا سب کچھ دیکھتی رہی۔

پھر خود بخود ہی صابرہ کی ٹھاٹھیں مارتی جوانی نے اس کے کم عمر بیٹے کے ساتھ سہاگ رات منالی وہ بھی مناسب وقت نہیں تھا مگر وہ پھر بھی خاموش رہی۔ اسے کسی نے کچھ کہنے کا، کچھ بولنے کا حق ہی نہ دیا۔

پوتا آیا پوتی آئی اس نے انہیں جھولی میں ڈال لیا سب کچھ اس کی مرضی کے بغیر ہوا اور اس نے ہر معاملے میں اللہ کی رضا سمجھ کر سر خم کر دیا۔

پھر پھر اور اب رضا دوسری بیوی لے آیا تھا تو اب وہ کیا کہتی؟

رشیدہ اور صغرا نے رضا کی ماں کے ناطے اسے بہت سارے طعنے دیے اسے بے شمار بددعائیں دے ڈالیں اس نے وہ سب بھی چپکے سے جھولی میں بھر لیا

ماں کی مرضی کے خلاف چلنے کی ان سب نے ہی تو رضا کو عادت ڈالی تھی وہ اب کیا کرتی؟

یوں بھی تو صابرہ نے اسے وہ سکھ چین نہیں دیا تھا جو ایک خاوند کا بیوی کی طرف

سے حق ہوتا ہے۔

اور اب اگر اس نے رابعہ سے شادی کرنے میں ہی اپنا سکھ سمجھا تھا تو وہ بیٹے کی خوشی، بیٹے کے سکھ کی دشمن تو نہ تھی جو ساری عمر کبھی نہ بولی اور آج بول پڑتی

کچھ بھی تھا رضا اس کی اولاد تھا اور ایک ماممتا ہمیشہ نا انصاف ہوتی ہے۔اس کی اولاد کو اگر سکون وقرار جیسی نعمت مل گئی تھی تو دوسروں کی تکلیف یا پریشانی کا اسے اتنا خیال تھا نہ اتنی پروا!!

ویسے چند دنوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ رابعہ کس قسم کی عورت تھی تعلیم یافتہ، سنجیدہ، خوبصورت، باوفا اور دکھ تکلیف برداشت کرنے والی ایک مرد کے لئے اس کی آغوش مکمل طور پر سکون واطمینان کی دنیا تھی

اور اس کا رضا خوش قسمت تھا جسے ایسا گوہر آبدار حاصل ہو گیا تھا

پھر وہ بھلا کیوں کچھ بولتی؟

سوت، سمدن اور بہو کی بددعائیں اور کوسنے سن کر بھی زینب خاموش رہی کہ اس کی ممتا کا کلیجہ ٹھنڈا تھا۔اس کا رضا رابعہ کو پا کر خوش تھا اور خود اسے بھی تو صابرہ سے زیادہ رابعہ اچھی لگ گئی تھی۔

رابعہ خاوند کی خدمت کے ساتھ ساتھ ساس کی بھی پوری طرح حق ادائی کر رہی تھی۔اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتی پہننے اوڑھنے کا فکر رہتا آرام کا دھیان ہوتا اس کے سب کام، جو صابرہ نے نوکرانیوں کی طرح بڑھیا ساس کے سپرد کر رکھے تھے۔اپنے ذمہ لے لیے کہ گھر کے بزرگ صرف دعائیں کرنے اور خیر و برکت کے لئے ہوتے ہیں چھوٹوں کا کام ان سے خدمت لینا نہیں ان کی خدمت کرنا ہوتا ہے۔

اس کی تعلیم نے، اس کی نیک ماں کی تربیت نے اسے یہی سکھایا ہوا تھا۔

رابعہ اپنی عادات کی وجہ سے نیکی کے فرشتے کی طرح مشہور ہو گئی۔صابرہ، رشیدہ اور صغرا کو یہ بھی دکھ لگا عداوت میں کچھ اور ترقی ہوئی۔

رضا نے اس کی طرفداری میں اگر کبھی زبان کھولنا چاہی تو رابعہ نے بڑے پیار، بڑے دلار سے ہمیشہ یہ کہہ کر اس کا منہ بند کر دیا کہ اسے رضا کی محبت جیسی انمول دولت حاصل تھی اس لئے کوئی دکھ، کوئی طعنہ الاہنا تکلیف نہیں دیتا تھا۔

وہ خوش تھی بے حد خوش!!

بظاہر وہ یہی کہہ کر رضا کو تسلی دیتی رہی مگر پھر بھی ایک انسان انسان ہی ہوتا ہے دل و دماغ رکھتا ہے جذبات و احساسات رکھتا ہے

کوئی بات ہو جاتی بظاہر چہرے پر بڑی پرسکون سی مسکراہٹیں بکھری رہتیں رضا کی خاطر! اس کی ماں کی خاطر!!

مگر اندر ہی اندر یہ سوچیں اسے دن رات کھائے جاتیں۔ اس کی اگر اس گھر میں نوکروں سے بدتر حیثیت تھی تو اس کے پیٹ میں پلنے والے بچے کا کیا مقام ہو سکتا تھا۔

صابرہ کے نقش قدم پر صولت اور فوزیہ بھی چل رہے تھے رابعہ کے لئے نہ صرف سینوں کے اندر ہی نفرتوں کے لاوے کھولتے رہتے بلکہ اس کی کم عمری میں ہی ان کی زبانوں سے بھی ماں ہی کی طرح آتش فشاں پھوٹتے رہتے۔

ان فکروں نے رابعہ کو، جو ایک شگفتہ اور پر بہار پھول تھی کچھ ہی عرصے میں کملا کر رکھ دیا رضا نے بہت دوا دارو کیا ہر طرح کے علاج معالجے سے باتوں گھاتوں سے اسے خوش رکھنے کی کوشش کی مگر

وقت پورا ہونے پر وہ ایک کمزور سے مگر بے حد خوبصورت بیٹے کو جنم دے کر خود دنیا کے سب جھنجھٹوں سے آزاد ہو گئی۔

رضا کی دنیا میں جس طرح چپکے سے رابعہ آئی تھی اسی طرح چپکے سے نکل گئی صابرہ یوں تو رابعہ ناگن کی موت پر بہت خوش ہوتی وہ تو گھی کے چراغ جلاتی مگر اس سنپولیے نے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔

وہ سوت کی موت کی خوشی پوری طرح منا ہی نہ سکی اور اب یہ پھانس اس کے من میں کھٹک رہی تھی۔

ماں اور خالہ نے صابرہ کو تسلی دی کہ ماں کے بغیر یوں ہی بچے کا پلنا بہت مشکل ہوتا ہے مگر یہ تو تھا ہی کمزور سا!

اسے فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی ان کی دعاؤں سے جس طرح آپ ہی آپ رابعہ کا کانٹا نکل گیا تھا اسی طرح یہ پھانس بھی خود بخود ہی نکل جانا تھی مگر اس پھانس کو دادی نے اپنے سینے میں سمیٹ لیا اور اپنے خون جگر سے اسے سینچنے لگی۔

رضا کا بھی دیدہ ایسا ہوائی ہو گیا تھا کہ پہلے بچوں کو تو کبھی ہاتھ نہ لگایا اور اب اس چار چھٹانک کے پل پل کرتے لوتھڑے کو اٹھائے اٹھائے پھرتا تھا۔

صابرہ کے بچوں کی باری ان کی طرف نگاہ اٹھانے سے شرم آتی تھی اور اب کیسا بے حیا ہو گیا تھا!

رشیدہ اور صغرا دانت پیستی پھرتیں جھولیاں پھیلا پھیلا کر بددعائیں دیتی پھرتیں مگر یہ پھانس ان کے سینوں سے نہ نکل سکی ننھا ایزد باپ کے محبت بھرے سائے اور دادی کی شفقت بھری آغوش میں پلنے لگا۔

پھانس کانٹا بنتی جا رہی تھی تکلیف بڑھ رہی تھی اور کسی نہ کسی طرح اس کانٹے کو نکال پھینکنے کی کوششیں برابر جاری تھیں

وہ تو رابعہ سے بھی زیادہ زہریلا تھا کہ رضا کی ہر چیز کا صولت کے مقابلے میں نصف کا حق دار تھا اس کا زہر تو صولت کی پوری زندگی میں گھل گیا تھا۔

ایزد چھ سال کا ہو گیا اتنے دشمنوں میں گھر کر بھی وہ پلتا رہا، بڑھتا رہا خدا کو کچھ ایسا ہی منظور تھا وہ چاہے تو نکیا چاٹے کو بھی موت نہ دے اور چاہے تو شکر کی چنکی کو موت کا بہانہ بنا دے اس کے کام نرالے ہیں۔

صولت پڑھائی سے زیادہ کھیل کود میں دلچسپی لیتا تھا یا پھر ماں اور نانی کی تربیت

نے اسے ایزد اور ایزد سے محبت کرنے والوں کے ساتھ نفرت کرنا ہی سکھایا۔

اور جہاں ایسا ماحول ہو وہاں لگائی بجھائی بچوں کی عادت بن جاتی ہے اتنا بڑا ہو گیا تھا مگر اعادات وہی رہیں۔

ہر وقت باپ اور دادی کی جھوٹی سچی باتیں ماں کے کان میں پھونکنا اس کا کام تھا۔ پھر پڑھائی کون کرتا؟ یہ مشکل کام تھا اور وہ بڑا دلچسپ اور آسان!

گاؤں کا پرائمری سکول رو دھو کر پاس کیا پھر شہر جا کر آگے پڑھنے سے صاف منکر ہو گیا۔ صابرہ کا لاڈلا بیٹا تھا اتنی ساری زمینوں کا واحد مالک اسے کیا ضرورت تھی پڑھنے کی

ایزد کو بڑھتے، پھلتے پھولتے دیکھ کر بھی صابرہ یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی کہ وہ باپ کی املاک میں سے کچھ حق رکھتا تھا۔

چنانچہ ابھی سے ہر وقت ایزد کے کان میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کی جاتی کہ صولت ہی یہاں کی ہر چیز کا مالک تھا وہ کسی بھول میں نہ رہے

ایزد سنتا خاموش ہو رہتا اپنے کھیل میں مصروف ہو جاتا اپنا الف انار اور ب بکری والا قاعدہ لے کر بیٹھ جاتا اور زور زور سے ہل ہل کر رٹنا شروع کر دیتا

اسے جو کچھ سنایا جا رہا تھا جو کچھ اس کے دماغ میں ڈالنے کی کوشش کی جا رہی تھی اسے تو ابھی ان باتوں کی سمجھ ہی نہ تھی۔

رضا خود تعلیم یافتہ تھے اور اپنی اولاد کو اپنے سے بھی زیادہ تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے تھے۔ زمانہ ترقی پر تھا ان کا خاندان کیوں نہ ترقی کرتا

صولت نے پڑھائی چھوڑی تو انہیں بے حد دکھ ہوا کونسا جتن تھا جو انہوں نے نہیں کر ڈالا پیار سے سمجھایا کئی قسم کے ڈراوے دیئے مگر اس کی پشت پر ماں تھی وہ باپ کے اس پیار اور ڈانٹ ڈپٹ کو کیا سمجھتا

رضا صولت پر زبردستی کر سکتے تھے مگر صابرہ سے نمٹنا ان کے بس میں نہ تھا چکے

سے اپنی شکست تسلیم کر لی۔

اور پھر اپنی تمام تر توجہ انہوں نے ایزد کی تعلیم کی طرف موڑ دی ایزد دس سال کا تھا کہ دادی کا انتقال ہو گیا۔ رضا خود زمینوں کو سنبھال رہے تھے۔ گھر میں دادی ایزد کا سائبان بنی ہوئی تھی۔

وہ سایہ اٹھا تو رضا کو ایزد کا فکر پڑا اسی کے ساتھ تو اب ان کی ساری امیدیں وابستہ تھیں اپنے کسی بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے ملک سے باہر بھیجنا ان کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

اور صولت کے بعد اب ایزد ہی ان کی تمناؤں کا مرکز تھا مگر دادی کے بعد گھر میں اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا

کیسی ناانصافی اور ظلم کی بات تھی!

رابعہ جتنا عرصہ اس گھر میں رہی اس نے صابرہ کے بچوں کو اپنا ہی جانا اور اب اس کا اپنا بن ماں کا بچہ بھرے پرے گھر میں بے سہارا ہو گیا تھا کیا تھا اگر صابرہ بھی اسے اپنا ہی سمجھ لیتی۔

لیکن اپنی پوری کوششوں کے باوجود جب رضا صابرہ کو ایزد کی جانب ملتفت نہ کر سکے تو انہوں نے اس ننھی سی جان کو بورڈنگ میں داخل کر دیا۔

اب ایزد کبھی کبھار چھٹیوں میں ہی گھر آتا مگر وہ بھی اس کا زیادہ وقت باپ کے ساتھ زمینوں پر ہی گزرتا رضا دانستہ اسے اپنے ساتھ ساتھ رکھتے کہ گھر کی اس مسموم فضا کا ناگوار اثر اس کی طبیعت پر نہ پڑے اسے تو ابھی پڑھنا تھا اور باپ کی تمنائیں پوری کرنا تھیں۔

ایزد نے میٹرک کر لیا پھر کالج میں داخل ہوا رضا نے اسے ہوٹل میں ہی زندگی کی ہر آسائش مہیا کر دی وہ شہزادوں ایسی زندگی گزار رہا تھا اس کے ہم جماعت، اس کے ہوسٹل کے ساتھ اس پر رشک کرتے۔

وہ تعلیم میں بھی سب سے آگے رہتا اور گفتار و کردار میں بھی وہ فرد تھا شاید اس لیے کہ نیک ماں کی اولاد تھا

رضا کے دل کی مراد بر آئی تھی رابعہ جیسی اچھی جیسی نیک خود تھی ویسی ہی اپنی نشانی رضا کو دے گئی تھی

زندگی میں بھی اس نے ان کے ساتھ ہمیشہ وفا ہی کی اور مرتے مرتے بھی اسے ایک ایسا نایاب تحفہ دے گئی تھی کہ رضا کی زندگی بامراد ہو گئی

ایسی لائق، وجیہہ اور فرماں بردار اولاد جو سب گنوں پوری تھی ایسا نصیب کم ہی کسی کا ہوتا ہے۔

رضا اس کے شکر گزار تھے اپنے پروردگار کے شکر گزار تھے!!

اور خوشی کے مارے ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے کہ آج ان کا ایزد، ان کی رابعہ کا لعل ایم اے کے امتحان سے فارغ ہو کر گھر آ رہا تھا

اس کے پرچے بہت اچھے ہوئے تھے اس کے کامیاب ہو جانے کی پوری امید تھی سارے گاؤں میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں ابھی اس کا نتیجہ نہیں نکلا تھا مگر گاؤں کے سادہ لوح لوگ رضا کی خوشی دیکھ کر یہی سمجھ رہے تھے کہ جیسے آج ہی وہ دن تھا جس کی چوہدری رضا کو تمنا تھی۔

تب ایزد کے اعزاز میں رات کو آتش بازی چلانے کا لوگوں نے انتظام کر لیا۔ چوہدری رضا کی خوشی میں شامل ہونے کا اک یہی طریقہ ان کے ذہنوں میں آیا۔

شام کے کھانے سے فارغ ہو کر سب گاؤں والے چوہدری رضا کو چوپال میں گھسیٹ کر لے گئے حالانکہ وہ جانا نہیں چاہتے تھے مگر ان سب کی خوشی کی خاطر چلے گئے۔ وہ خود غرض نہیں تھے اپنا نقصان کر کے بھی دوسروں کی خوشی کو اول مقام دیتے تھے

ایزد کئی مہینوں بعد گھر آیا تھا ان کا جی چاہ رہا تھا سب لوگ ادھر ادھر ہٹ جائیں

کوئی ان کے پاس نہ رہے صرف وہ ایزد رہ جائیں

پھر وہ اپنے بیٹے سے، رابعہ کے بیٹے سے جی بھر کر باتیں کریں صولت اب شادی شدہ تھا بال بچوں والا تھا مگر پھر بھی جس جس طرح انہیں تنگ کرتا تھا وہ سارے دکھ ساری پریشانیاں اس کے سامنے کھول کر رکھ دیں۔

فوزیہ سسرال والی ہو کر بھی سسرال کو اپنا گھر نہیں سمجھتی تھی وہاں کے لوگوں کو اپنا نہیں سمجھتی تھی ماں کی غلط تربیت نے اسے کسی سے نباہ کرنا سکھایا ہی نہ تھا

ذرا سی بات ہو جاتی جھٹ لڑ جھگڑ کر میکے آ بیٹھتی اور اس کے غلط طرز عمل سے رضا کی کس طرح بدنامی ہو رہی تھی

رابعہ کے بیٹے کی طبیعت بالکل رابعہ جیسی تھی دوسروں کے دکھوں کو اپنے سینے میں سمو لیتا اور باتوں ہی باتوں میں کہنے کے اندر ایسا سکھ، ایسا اطمینان بھر دیتا کہ ہر کوئی اس کے پاس سے سکون کی دولت لے کر اٹھتا

اور آج رضا بھی یہی چاہتے تھے وہ ذہنی طور پر بہت تھک چکے تھے ایزدان کا جوان اور بہادر بیٹا تھا بہت بڑے حوصلے کا مالک تھا اور وہ اپنے اندر کے سارے دکھ اس بوڑھے اور ناتواں ذہن سے اتار کر جوانی کی ہمت اور حوصلوں کے سپرد کر دینا چاہتے تھے۔

مگر سارے گاؤں والے چوہدری رضا بیگ کے لئے اپنے خلوص و محبت کا اظہار بھی ضرور کرنا چاہتے تھے وہ آتش بازی منگوا چکے تھے چنانچہ زبردستی انہیں باہر لے گئے اور ان کی خوشی کی خاطر انہوں نے اپنے دل پر جبر کر لیا

انہیں گئے ہوئے چند ہی منٹ ہوئے ہوں گے ایزد ابھی گھر میں ہی تھا باپ کی ہدایت کے مطابق لباس تبدیل کر کے ان کے پاس جا ہی رہا تھا کہ یکدم اتنے زور کا دھماکہ ہوا جیسے قریب ہی کوئی بم پھٹا تھا۔

یہ کیسی آواز تھی؟ جو کانوں سے زیادہ ایزد کے دل میں اتر گئی تھی دھک دھک

کرتے دل پر ہاتھ رکھ کر وہ دم سادھے سوچ ہی رہا تھا کہ عجیب قسم کے شور کے ساتھ رضا کی بجائے ان کی جلی ادھڑی ہوئی لاش گھر آ گئی۔

جہاں رضا بیٹھے تھے ان کے قریب ہی آتش بازی کا وہ بڑا سا ٹوکرا بھرا پڑا تھا جو ان کی خوشیوں کا ساتھ دینے کے لئے گاؤں کے لوگ خرید کر لائے تھے

جانے کیسے اور کس کی بے احتیاطی سے ایک چنگاری اس میں جا گری خوشی کا یہ اظہار ان کی موت کا بہانہ بن گیا

کئی لوگ اور بھی زخمی ہوئے اور بھی جانے کیا کیا ہوا؟

ایز دکو تو اس وقت ہوش آیا جب باپ کو دفنانے کے بعد صولت اسے بازو سے پکڑ کر گھر سے نکال رہا تھا۔

ایزد متحیر و مبہوت کھڑا تھا اور رحم طلب نگاہوں سے ایک ایک کو دیکھ رہا تھا شاید کوئی اس کا ہاتھ تھام لے شاید کوئی صولت کو اس ظلم سے باز کر لے

صولت کی بیوی کی طرف دیکھا بہن کی آنکھوں میں کچھ تلاش کیا ماں کی طرف ملتجی نگاہیں پھیریں!

مگر کسی نے بھی اس کی آنکھوں کی رحم کی اپیل کو درخواست نہ سمجھا صولت کو تو کوئی تب منع کرتی جو اس نے کسی کی مرضی کے خلاف کچھ کیا ہوتا اس کا بازو تو تب کوئی تھامتی جو کسی کو اس کے ساتھ کوئی محبت ہوئی، کوئی انس ہوتا

الٹا مجرم وہی تھا جو ان کی دنیا میں چلا آیا تھا اور چلا بھی یوں آیا تھا کہ گھر، زمینوں، جائیداد اور مال و دولت، غرض ہر چیز میں وہ نصف کا حصہ دار بن بیٹھا تھا

اور وہ سب تو پورے کے پورے کو صرف اور صرف اپنا حق سمجھتے تھے ایک تنکا بھی اس میں سے کسی اور کو دینا انہیں گوارا نہ تھا چوہدری رضا نے تو یوں اچانک مر کر انہیں ایک زریں موقع دے دیا تھا کہ کلیجوں میں پھنسے اس زہریلے کانٹے کو نکال باہر پھینکیں جو ہر لمحہ ان کے خون میں زہر گھولتا رہتا تھا جو ان کے لئے سرطان کی بیماری

بن گیا تھا

پھر ایزد وہاں ٹھہرنے کا حق رکھتا تھا اسے ان کی دنیا سے نکل ہی جانا چاہیے تھا

اسے اپنے زہر سے ان کی زندگیوں کو پاک کر ہی دینا چاہیے تھا

ہر آنکھ سے ایزد کو یہی جواب ملا

اور پھر یوں وہ بیک بینی و دو گوش نہ صرف گھر سے بلکہ گاؤں سے بھی نکال دیا گیا

گاؤں والے بھی اس معاملے میں مداخلت نہ کر سکے کہ صولت سے سبھی ڈرتے

تھے اس کے خلاف زبان کھول کر کسی نے اپنا رزق روزی بند نہیں کرالینا تھا اپنے بال

بچوں کو کولھو میں نہیں پلوا لینا تھا۔

کیونکہ یہی زمینیں انہیں رزق دیتی تھیں اور یہی گاؤں صولت کے باپ دادا کا

بسایا ہوا تھا اور یہاں صولت بادشاہ بنا بیٹھا تھا اور باقی حقیر رعایا وہ بڑا ظالم تھا اور

ساری رعیت اپنے بادشاہ سے خوف کھاتی تھی۔

یوں شہزادوں جیسی شان رکھنے والا ایزد ایک دن میں ہی گدا ہو کر رہ گیا نہ کوئی گھر

تھا نہ زندگی گزارنے کا کوئی اور وسیلہ دربدر بھٹکنے لگا۔

گاؤں اس کا اپنا تھا جہاں سے نکال دیا گیا تھا وہ شہر بھی اسے اپنا ہی محسوس ہوتا تھا

جہاں اس نے چھ سال کا کالج اور یونیورسٹی کا زمانہ گزارا تھا

بڑی شان سے وہ وہاں رہا تھا اس لئے اس گری ہوئی حالت میں دل نے وہاں

جانا بھی گوارا نہ کیا۔

پھر تین سال متواتر تین سال کونسی تکلیف تھی جو اس نے نہ اٹھائی تھی۔ کونسی

پریشانی تھی جو اسے نہیں ملی

فاقے بھی کیے پیوند لگے کپڑے پہنے فٹ پاتھوں پر سویا کہیں نوکری کی نکال دیا

گیا کہیں ٹیوشنیں پڑھائیں بے قصور پر الزام لگے ٹیکسی بھی چلائی غرض بہت کچھ کیا

ہر قسم کا پاپڑ بیلا

مگر جانے مقدر کو کیا منظور تھا کہیں بھی جم نہ سکا دل میں خلوص رکھنے کے باوجود من میں حوصلہ اور ہمت ہونے کے باوجود ہر قدم الٹا ہی پڑا

اور تب اس کا دل اپنے اسی شہر میں جانے کو بے اختیار ہو اٹھا جہاں اس نے زندگی کے اتنے سارے پر بہار اور خوبصورت دن اور قوس قزح کے سے رنگوں میں رنگی حسین راتیں گزاری تھیں۔

شاید وہ شہر پھر اسے اپنی پناہ میں لے لے اپنی خلوص و محبت بھری آغوش میں چھپا لے اور پھر اس کے وہی سکون و اطمینان پھر سے دن لوٹ آئیں شاید! شاید!!

اور یوں وہ چند دن پہلے وہاں پہنچا تھا رات کو ریلوے سٹیشن کے مسافر خانے میں سو جاتا اور دن سارا روزگار کی تلاش میں سرگرداں رہتا۔

☆

لیکن آج تک تم نے ہمیں تو کبھی کچھ نہ بتایا

طاہر بڑے افسوس سے ایزد کے پژمردہ چہرے کو دیکھ رہا تھا اور اب وہی دکھ اور پریشانی کے سائے طاہر کے چہرے پر دکھائی دے رہے تھے۔

بیچارا ایزد! کتنا بڑا المیہ اسے پیش آ گیا تھا

طاہر کا دل رحم و ہمدردی سے لبریز ہوا جا رہا تھا

ویسے ایزد! تمہیں کچھ کرنا چاہیے تھا۔ کوئی قانونی چارہ جوئی تم اپنے باپ کی املاک کے ایک بڑے حصے کے جائز حقدار ہو۔ کسی وکیل سے مشورہ کرنا تھا۔

ایزد مسکرایا۔ عجب تلخی بھری مسکراہٹ تھی وہ

وکیل سے مشورہ خالی ہاتھ تو نہیں ہو سکتا۔ ارے بندہ خدا! قانونی کارروائیوں کے لئے مال چاہیے مال ڈھیر سارا مال!

پھر اس نے زور سے قہقہہ لگایا

اور اپنے پاس تو ان تین سالوں میں دوسرے وقت کی روٹی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ پیٹ بھر جاتا تو تن ڈھانپنے کا مسئلہ بھی تھا۔ تن ڈھانپنے کو کچھ مل جاتا تو پھر سر چھپانے کے لئے ایک چھت درکار ہوتی۔ بڑی مشکل ہے یار! زندگی گزارنا

ایزد کی مسکراہٹ کی تلخی اور قہقہے کا زہر طاہر کو اپنی رگ و پے میں اترتا محسوس ہوا۔ نگاہ جھکا کر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا

نہیں بھئی! ایسے ظالم لوگوں کو یوں نہیں چھوڑ دینا چاہیے تھا

جانے دے یار! وہ ظالم کچھ بھی کریں مگر میرے اپنے ہیں میرے باپ کی اولاد ہیں اور مجھے وہ اب بھی عزیز ہیں۔ عیش کرنے دو انہیں

اور تم کیا اس فقیروں جیسے حال میں زندگی گزارو گے؟

نہیں تو اور اب بڑی دلآویز سی مسکراہٹ ایزد کے لبوں پر پھیل گئی

کوئی نوکری ووکری ہے نگاہ میں؟

اپنے دفتر میں تو کوئی نہیں

طاہر کی رگوں میں پھیلی ہوئی تلخی کو ایزد کی اس خوبصورت سی مسکراہٹ نے شیرینی میں بدل دیا۔شوخی بھرے انداز میں مسکرایا۔

ارے ہاں یاد آیا۔کل ہی ہمارے دفتر میں ایک چپڑاسی کی اسامی خالی ہوئی ہے۔

تو دلا دو

ایزد جھٹ سے بولا۔طاہر کے مذاق کو سمجھا ہی نہیں

دلا دوں؟ طاہر چیخ اٹھا

چپڑاسی کی نوکری کرو گے؟تم تم جو ایم اے پاس ہو؟؟

کیا حرج ہے؟

ایزد کے چہرے پر عجیب طرح کا کرب پھیل گیا

بھیک مانگنے سے تو بدرجہا بہتر ہے

اسے ایک دم یاد آ گیا تھا کہ اب تو اگلا ایک دن بھی گزارنا اس کے لئے محال تھا۔اس کی جیب تقریباً خالی ہو چکی تھی۔

جانے دے یار!تو تو بالکل ہی مایوس ہو گیا

طاہر کے اندر جانے کیا کچھ پھیل گیا تھا۔مگر زبان نے ایزد کو تسلی دلاسہ ہی دیا

طاہر!اب تو بہت وقت ہو گیا۔ابھی کتنی دیر اور یہیں بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے؟

عابدی صاحب کی آواز پر دونوں دوست چونکے۔وہ اپنی باتوں میں ایسے مگن ہوئے تھے کہ انہیں یہ خیال ہی نہ رہا۔ان کے علاوہ کوئی اور بھی وہاں موجود تھا۔

ارے!

طاہر خجل سا ہو کر سر کھجانے لگا۔پھر اپنی غلطی،اپنی کوتاہی پر پردہ ڈالنے کے لئے

جلدی سے بات شروع کر دی

جانتے ہو ایزد! یہ عابدی صاحب کون ہیں؟

کیا مطلب؟

یہ وہی ہیں پاکستان کے مشہور دست شناس جن کے مضامین اخبارات و رسائل میں چھپتے ہیں۔

جی ایم عابدی؟

ایزد نے تحیر سے انہیں دیکھا

ہاں یہی ہیں

ارے!

ایزد کے ہونٹوں پر حیرت و مسرت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ جلدی سے اٹھ کر ایک بار پھر ان سے مصافحہ کیا۔

پھر تو اچھا ہوا جو میں ادھر آ نکلا۔ آپ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔

آپ کے اس فن کو تو بے شمار لوگ مداح ہیں

خصوصاً عورتیں طاہر نے قہقہہ لگایا

سچ یار! عیش کرتے ہیں عابدی صاحب بھی

عمر کے تفاوت کے باوجود طاہر شاید ان کے سے بہت بے تکلف تھا۔ جس محفل میں چلے جاتے ہیں ایک سے ایک بڑھ کر حسین ہاتھ ان کے ہاتھ میں آنے کو بے تاب ہوتا ہے۔

عابدی صاحب عجب پیار بھری نگاہ سے طاہر کو دیکھ رہے تھے اور مسکرائے جا رہے تھے۔ ایزد کھل کر ہنس رہا تھا۔

اور مزے کی بات ہم جیسے جواں ہاتھوں کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے ان کے مقابلے میں کیسا ظلم ہے!

ظلم کیوں؟ اپنا اپنا نصیب ہے

وہ بڑے انداز سے مسکرائے۔ اور فضا میں ایک قہقہہ بکھر اٹھا۔

پھر اچانک ہی طاہر کو جانے کیا سوجھی۔ آدھا قہقہہ حلق کے اندر تھا آدھا باہر کہ یک دم خاموش ہوگیا۔

تم جو اتنے پریشان ہو

وہ ایزد سے مخاطب تھا

چڑ اسی بننے جا رہے ہو۔ ادھر لاؤ اپنا ہاتھ دیکھیں کاتب تقدیر کیا لکھتا ہے تمہاری ہتھیلی پر

ایزد ہاتھوں کی ان لکیروں کی بجائے ایک مرد کی قوت بازو پر یقین رکھتا تھا۔ مگر عابدی صاحب کے سامنے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا چپ چاپ بیٹھا رہا

لاؤ نا ادھر

طاہر نے زبردستی ایزد کا ہاتھ تھاما اور عابدی صاحب کے سامنے سے پیالی اور ایش ٹرے ہٹاتے ہوئے میز پر پھیلا دیا

دیکھئے عابدی صاحب! ذرا غور سے مجھے یقین ہے کہ اس کا مستقبل اچھا ہوگا۔ دل کا صاف ہے اور نیت کا نیک۔ کسی سے بغض و عناد نہیں رکھتا۔ بد حرام بھی نہیں۔ میرے خیال میں ایسے لوگوں کا مقدر برا نہیں ہوتا۔ اچھی زندگی گزارتے ہیں۔

بہت ٹھوکریں کھائی تھیں اور بہت برے حالوں میں پچھلے تین سال گزارے تھے۔ ایزد کو تو جیسے اب امید ہی نہیں تھی کہ وہ بھی زندگی میں کبھی سکون کا سانس لے سکے گا۔ طاہر کی طرف انتہائی مایوسی سے دیکھتے ہوئے بولا

کہاں یار اچھی زندگی!!

اب تم اپنی چونچ بند بھی کرو۔ عابدی صاحب ابھی سب کچھ بتائے دیتے ہیں ان کا یہ علم مکمل ہے

پھر عابدی صاحب سے مخاطب ہوا

دیکھئے جی، ملاحظہ کیجئے اور بتائیے کہ اس کا یار ملے گا کب؟ اسی سال میں؟ اسی ماہ میں؟

ایزد کی ہنسی چھوٹ گئی

یہ کیا پوچھنے لگے؟

میں نوکری کو محبوبہ سے تشبیہ دے رہا ہوں یاد! یہ بھی سو نخروں سے ہی ہاتھ آتی ہے۔

طاہر کے اصرار پر عابدی صاحب نے سگریٹ سلگایا، جیب سے چشمہ نکال کر آنکھوں کو لگایا اور پھر جھک کر ایزد کے ہاتھ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

بے شک ایزد ہاتھ کی لکیروں کے علم پر یقین نہیں رکھتا تھا مگر اب وہ بھی دلچسپی سے عابدی صاحب کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ رہا تھا محض تفنن طبع کی خاطر!

ایزد کی چوڑی چکلی ہتھیلی پر پہلی ایک نظر تو عابدی صاحب نے سرسری سی ڈالی پھر پہلو بدل کر ذرا سا اور جھک گئے۔

ارے!

حیرت و استعجاب میں ڈوبی ڈوبی جیسے کہیں دور سے ان کی آواز ابھری

ایزد آس و یاس کے سمندر میں غوطے کھاتا ان کے چہرے ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔شاید کوئی اچھی خبر دے دیں۔اس کے تاریک مستقبل میں روشنی کی کسی کرن کی نوید دے دیں۔

یقین نہ رکھتے ہوئے بھی اس وقت وہ کچھ سننے کا منتظر تھا۔لیکن حیرت میں ڈوبی عابدی صاحب کی بڑبڑاہٹ نے اسے قدرے گھبراہٹ میں ڈال دیا۔

کیا ہے؟ ایزد گھبرا کر پوچھنے لگا

عابدی صاحب نے نگاہ اٹھائی

کیا کہہ رہی ہیں میرے ہاتھ کی لکیریں؟

ایزد بے حد پریشان تھا۔ چہرے پر بے شمار تاریکی کے سائے لہرا رہے تھے

کہیں کوئی کہیں کچھ کہیں

جانے وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ الفاظ اس کی زبان تک آ آ کر ٹوٹتے بکھرتے جا رہے تھے۔

نہیں نہیں

عابدی صاحب نے اس کے بے حد پریشان اور گھبرائے ہوئے چہرے پر نظریں جما دیں۔

پھر؟ پھر آپ کیا دیکھ کر حیران ہوئے تھے؟

یہی کہ ایسا خوش قسمت ہاتھ آج تک میری نظر سے نہیں گزرا

سچ کہہ رہے ہیں؟

ایزد جیسے پیارے دوست کی محبت میں بے اختیار ہوتے ہوئے طاہر نے عابدی صاحب کو جھنجھوڑ ڈالا۔

ہاں

عابدی صاحب نے جلدی سے پھر اپنی نظریں ایزد کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر جما دیں

۔

ان کا ہاتھ کہتا ہے کہ مشکل کے دن کٹ گئے اور خوش قسمتی اب ان کا مقدر ہے

اسے کوئی اچھی سی، اس کی قابلیت کے مطابق ملازمت مل جائے گی نا؟

طاہر بے تابی سے پوچھنے لگا

اسے چپڑاسی تو نہیں بننا پڑے گا؟

عابدی صاحب نے پھر ایزد کی طرف دیکھا۔ طاہر کی زبان نے گویا ایزد کو پورے چہرے پر پھیلا سوال ہی تو کر دیا تھا۔

نہیں چپڑاسی کیوں؟ انہیں کوئی بہت اعلیٰ پوسٹ ملے گی

اب عابدی صاحب جیسے ہاتھ کی بجائے ایزد کا چہرہ پڑھ رہے تھے۔ جوان کی بات پر یکدم پھول کی طرح کھل اٹھا تھا۔

بہاروں کے یہ عکس، خوشی کی یہ قوس وقزح جو ایزد کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ انہیں شاید بہت بھلی لگی تھی۔ وہ اسی کی طرف دیکھتے جا رہے تھے اور بولتے جا رہے تھے۔

اور نہ صرف اعلیٰ پوسٹ بلکہ محکمے کے مالک یا مالکان کا اعتماد و بھروسہ بھی۔ اس کے علاوہ خود ان کی قابلیت، ہمت اور محنت کی وجہ سے محکمے کو بھی فائدہ پہنچے گا لاکھوں روپے کا!

ایمان سے؟ طاہر نے نعرہ مارا۔

کمال ہو گئی بھی

ایزد کا چہرہ جو صرف پانچ منٹ پہلے دکھوں کی آماجگاہ بنا تھا۔ اب کھلکھلا رہا تھا۔ بہترین مستقبل کی نوید نے اسے بڑے خوبصورت انداز میں منور کر دیا تھا۔

فاقہ کشی کے وہ آثار جنہوں نے اسے تاریک سا بنا رکھا تھا۔ یکدم ہی مٹ گئے تھے۔ اور اب وہ روشن چہرے اور مسرت برساتی آنکھوں سے عابدی صاحب کو دیکھ رہا تھا۔

عابدی صاحب کی نگاہیں بھی اسی پر جمی تھیں۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہے تھے۔

اور عابدی صاحب! یہ سب کچھ تو ہو گیا۔ بڑی اعلیٰ ملازمت مل گئی۔ محکمے کے مالکان کا اعتماد اور بھروسہ بھی حاصل ہو گیا۔ یوں آپ نے بڑے اچھے اور خوشگوار مستقبل کی بشارت دے دی۔

طاہر بڑے انداز سے مسکرا رہا تھا

اب یہ بتایئے کہ میرے یار کی حسین پیشانی پر سہرا بھی سجے گا

طاہر نے روایتی ہاتھ دکھانے والوں کے انداز میں آخر تان وہیں آ کر توڑی۔

ایزد کے چہرے پر انتہائی شرمیلی سی مسکراہٹ بکھر اٹھی۔ وہ اور بھی پر کشش ہو گیا۔

سہرا بھی سجے گا۔ بڑی اچھی بیوی انہیں ملے گی

اوہ! غلط سوال کر گیا طاہر ہنسا

بیوی تو ہر ایک مرد کو مل ہی جایا کرتی ہے میرا مطلب تھا، رومانس نام کی ایک چیز ہوتی ہے جو زندگی کو بڑا خوبصورت اور رنگین سا بنا دیتی ہے۔ یہ بتایئے کہ اس کی زندگی اس حسن سے سجے گی یا نہیں؟

طاہر کے اس سوال نے سب کے ہی لب خندان کر دیئے۔ مگر ایزد کے چہرے کا عالم کچھ اور ہی تھا۔ عابدی صاحب کی نگاہیں اسی پر جمی تھیں۔

ہے زبردست رومان!

پھر؟

کامیاب بھی ہو گا

وہ مارا

طاہر نے بے اختیار ہو کر ایزد کو دونوں بازوؤں میں بھر لیا

مبارک ہو مبارک ہو میرے یار!

ایزد ہنس رہا تھا وہ ایزد، جو کچھ دیر پہلے لکیروں کے علم پر یقین نہ رکھنے کی وجہ سے عابدی صاحب کے ساتھ ہاتھ کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔

اور اب وہ انہیں کی بتائی ہوئی باتوں پر یوں خوش ہو رہا تھا جیسے یہ سب کچھ عابدی صاحب نے نہیں بلکہ کاتب تقدیر نے وحی کے ذریعے اسے بتایا تھا۔

طاہر کو یکدم پھر کچھ اور سوجا

اور عابدی صاحب! اس کی کھوئی ہوئی زمینیں اور جائیداد وغیرہ کیا اسے سب کچھ

مل جائے گا یا ان کا فاتحہ ہی پڑھنا پڑے گا

حق ہمیشہ حقدار کو مل کر ہی رہا کرتا ہے

گول مول سا جواب دے کر عابدی صاحب بات پوری طرح ختم کیے بنا ہی چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ارے! بہت دیر ہوگئی اور مجھے ایک بہت ضروری جگہ جانا تھا

انہوں نے طاہر کا بازو تھام لیا

مگر ٹھہریئے نا یا ایزد

جانے طاہر کیا کہنا چاہ رہا تھا مگر عابدی صاحب عجلت میں اس کی پوری بات سنی ہی نہیں

بڑی دیر ہوگئی اب ایک لمحہ نہیں رک سکتا

اور طاہر کا بازو تھامے اسے کھینچتے ہوئے کیفے سے باہر لے چلے وہ ایزد! میں کل اپنی ملازمت کے سلسلے میں دو ماہ کے لئے جاتے جاتے بھی طاہر گردن موڑ کر جانے ایزد کو کیا کہتا رہا ایزد اپنے خوشگوار مستقبل کی نوید کے خماد میں ایسا مخمور تھا کہ کچھ سن ہی نہ سکا۔

بڑے دلچسپ انسان ہیں یہ عابدی صاحب بھی

ایزد مسکراتے ہوئے گمشدگی کے عالم میں بڑبڑایا

پھر چند لمحے وہیں بیٹھا انہیں خوش آئند تصورات میں کھویا رہا۔ پھر کچھ سوچ کر اٹھ کھڑا ہوا

اب چلنا چاہیے کیا پتہ کل ہی کوئی اچھی سی ملازمت مل جائے۔ طاہر کو تو عابدی صاحب کے دست شناسی کے فن پر بڑا یقین ہے۔ اور ہو بھی سکتا ہے جانے کتنی بار اس نے آزمایا ہو۔ ویسے ان کے علم کی شہرت بھی تو بہت ہے۔

انہیں خیالات میں کھویا ابھی وہ ایک دو قدم ہی چلا تھا کہ سامنے سے تیز تیز آتے

ہوئے ایک بیرے سے ٹکرا گیا۔

بل جناب

بڑی احتیاط سے کسی کیک یا پیسٹری کی طرح کاغذ کے ایک پرزے سے سجی پلیٹ بیرے نے ایزد کی طرف بڑھادی

ساڑھے تیرہ روپے؟

ایزد نے حیران ہو کر وہ پرزہ اٹھالیا

جی

مگر ایزد گھبرا کر ہکلایا

یہ بل تو ان کا تھا جو ابھی یہاں سے گئے ہیں

آپ بھی تو ان کے ساتھ ہی تھے وہ تو چلے گئے آپ ہی دیتے جایئے

مگر مگر

ایزد کی آنکھوں کے آگے تاریکی سی پھیل گئی

یہ کیا ہوا؟ یہ کیا ہو گیا؟؟ ساڑھے تیرہ روپے وہ کہاں سے ادا کرے گا؟؟؟

اس کے پاس تو بیس تیس پیسے سے زیادہ کچھ نہیں تھا

جناب! جلدی کیجئے مجھے اور بھی کام ہیں

بیرے کے لہجے میں اب ذرا تلخی تھی اور وہ عجیب سی نظروں سے ایزد کے حلیے کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔

مگر دیکھو نا یہ بل میرا نہیں

اس نے پھر بیرے کو سمجھانے کی کوشش کی

کاہے کو کبھی ایسی ذلت اٹھانا پڑی تھی۔ جب کبھی جیب خالی ہوا کرتی تھی تو چپ چاپ فاقہ کر لیا کرتا تھا مگر یہ وہ آج یہاں کیوں آ بیٹھا تھا۔

ہم نہیں جانتا صاحب! اس میز کا بل ہے اور آپ اس میز پر تھا۔

لیکن دیکھو نا

جانے وہ بیرا کیا سمجھ رہا تھا۔ شاید کوئی مفت خورہ!

ایزد کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی

صاحب! بل دیتا ہے یا پھر مینجر کو بلاؤں؟

وہ ایکدم بدتمیزی پر اتر آیا

ایزد حیران پریشان کھڑا اپنی لٹتی عزت کو بچانے کے لئے کوئی تجویز سوچ رہا تھا۔

کیا کرے؟ کس طرح اس خواہ مخواہ کی مصیبت سے چھٹکارا پائے؟ کہ کندھے پر ایک بھاری ہاتھ کے دباؤ نے اسے مزید بوکھلا دیا۔ اس پر مزید گھبراہٹ طاری کر دی۔

شاید کیفے کا مسکراہٹ سے عادی لبوں والا مینجر آ گیا تھا۔ یا پھر بیرے نے کسی دوسرے بیرے کو اشارہ کر کے بلا لیا تھا۔

اور اب آج اس آخری ذلت کا بھی اس نے مزہ چکھ لینا تھا ان بیروں سے اس کی پٹائی ہونے والی تھی۔ ایسے ہی خطرناک اس بیرے کے تیور تھے۔

وہ ہاتھ اس کے کندھے پر ہی تھا۔ ایزد نے نہ وہ ہٹایا تھا اور نہ مڑ کر اس ہاتھ والے باقی انسان کو دیکھا تھا۔ ہمت ہی نہ تھی۔

کہ دوسرا ہاتھ اس کی نگاہوں کے سامنے لہرایا۔ بے اختیار ایزد کا بازو حفاظت خود اختیاری میں اٹھا۔ مگر کہنی کے چہرے تک پہنچتے پہنچتے ایزد کی نگاہوں نے دیکھا کہ اسے کوئی گزند پہنچانے کی بجائے اس نے انگلیوں میں چائے کے بل والا پرزہ تھام لیا تھا۔

صرف تیرہ روپے پچاس پیسے یہ لو

دس کا نوٹ اوپر تین ایک ایک کے اور

ایزد نے جلدی سے مڑ کر دیکھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا ایک باوقار اور سنجیدہ سا شخص تھا۔

مگر ایزد کو اس وقت وہ انسان کی بجائے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا رحمت کا فرشتہ ہی معلوم ہوا۔

تیرہ روپے کے بعد پچاس پیسے گن کر وہ بیرے کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ میں رکھ رہا تھا۔

اور یہ تمہارے اسی کی تمہیں تکلیف تھی نا؟

ایزد کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے ٹپ کتنا کیا تھا۔

اور سنو

بیرا بل وصول کر کے مڑنے لگا تو بڑی رعب دار اور گھمبیر سی آواز میں وہ بولا

آئندہ کسی شریف انسان کے ساتھ اس طرح نہ پیش آنا۔ تمہارا سروس کرنا ہے۔

جی جی جی جناب، معاف کر دیجئے

بیرا ہکلاتے ہوئے چند قدم الٹا چلا پھر دم دبا کر وہاں سے بھاگ اٹھا۔ ایسے کون سے الفاظ تھے جن سے وہ اس نیک شخص کا شکریہ ادا کرتا۔ اس کی لغت بے علم ہوئی جا رہی تھی۔

کتنی بڑی ذلت ورسوائی سے اس نے اسے بچالیا تھا۔

اور ابھی ایزد کچھ کہہ نہیں پایا تھا کہ اس نیکی کے فرشتے نے اس کا بازو تھام لیا

میرے ساتھ آؤ

جانے وہ اسے کہاں لے جانا چاہتا تھا؟ اس کے اس اتنے بڑے احساس نے ایزد کی زبان کچھ اس طرح گنگ کر دی کہ وہ اس سے پوچھ ہی نہ سکا۔

بلا حیل وحجت چپ چاپ اس کے ساتھ چل پڑا۔ یوں جیسے اس نے اس پر کوئی سحر پھونک دیا تھا یا کوئی عمل کر دیا تھا۔

وہ اس کا بازو تھامے لاؤنج میں پارک کی ہوئی ایک خوبصورت گاڑی تک لے آیا۔

بیٹھو

جانے کیا ہو گیا تھا؟ نہ کچھ پوچھ سکا نہ انکار ہی کر سکا۔ اسی طرح سحر زدہ سا بیٹھ گیا۔

گاڑی چل پڑی۔ پانچ یا شاید دس منٹ گزرے تھے۔ ایزد کو تو جیسے کوئی ہوش ہی نہ تھا۔ گاڑی ایک خوبصورت کوٹھی کے پورچ میں جا کھڑی ہوئی۔

آؤ

خود باہر نکل کر اس نے ایزد کو اشارہ کیا

ایزد بھی گاڑی سے باہر نکل آیا۔ اور اس حال کے معمول کی مانند اس کے پیچھے چل دیا۔ سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں سلب تھیں۔

زینہ طے کر کے برآمدے میں پہنچے اور پھر کوٹھی کے اندر راہداری میں داخل ہو گئے۔ دو قدم چل کر ایزد ٹھٹکا یہ کسی کے گھر کے اندر وہ کیوں گھسا جا رہا تھا۔

آؤ نا رک کیوں گئے؟

اور اس کے قدم پھر اٹھ گئے

وہ ایک بے حد خوبصورت کمرہ تھا۔ جس میں وہ شخص اسے لے گیا۔ ہر چیز صاف ستھری، نفیس اور قیمتی تھی۔ صوفے، قالین، درمیانی میز، ایزو گرام، بڑے بڑے فرانسیسی طرز کے دریچوں میں آویزاں دبیز پردے۔ ہر چیز منہ سے بول رہی تھی۔

بیٹھ جاؤ

ایک صوفے کی طرف اشارہ کر کے وہ خود دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ ایزد متحیر و مبہوت سا کھڑا کبھی خود کو اور کبھی اس کمرے کو دیکھ رہا تھا۔

اپنی لٹی پٹی، خستہ خراب حالت کو اور کمرے کے امیرانہ ٹھاٹھ کو

کوئی بھی تو مطابقت نہ تھی ان میں

وہ بوسیدہ لباس میں ایک انتہائی معمولی انسان سے بھی معمولی تھا اور یہ کمرہ اور

اس کی شان وشوکت۔

وہ تو یہاں آنے کے قابل ہی نہ تھا۔

کمرے کی فضا میں امارت کی خوشبو رچی تھی اور اس کے حلیے میں مفلسی کی باندھ

پھر؟ پھر وہ یہاں کیوں لایا گیا تھا؟؟

کہیں ان تیرہ چودہ روپے کے یرغمال کے طور پر تو نہیں؟؟

وہ سوچوں میں کھویا ہوا وہیں اسی جگہ بت بنا کھڑا تھا۔

اس خوبصورت دبیز قالین پر اپنے میلے پاؤں دھرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

اپنے گدلے سے وجود کے ساتھ اس قیمتی صوفے پر بیٹھنے کی اس میں جرأت نہ تھی۔

جانے کب اسے یہاں لانے والے کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے کہ وہ کس کو اس قیمتی قالین پر پاؤں دھرنے کو کہہ رہا تھا اور ایسے قیمتی صوفے پر بیٹھنے کو کہہ رہا تھا۔

اور تب وہ کان سے پکڑ کر وہاں سے نکال دیا جائے کہ اگر اسے خیال نہیں آیا تھا تو خود اس نے اپنی اوقات کیوں نہ پہچان لی تھی۔

یہ سوچتے ہی ایزد واپس مڑا۔

بے عزت کر کے نکال دیئے جانے سے بہتر اس نے یہی جانا کہ اپنی عزت لے کر خود ہی چپکے سے وہاں سے کھسک جائے۔

کہاں جا رہے ہو؟

اس کے اٹھتے قدم پھر وہیں پیوست ہو گئے

جی جی

ادھر آؤ نا بیٹھو

اچانک ایزد کو خیال آیا وہ اس کا مقروض تھا اور اپنے قرض کے ادا کرنے کا کوئی بھی وعدہ کیے بنا وہ واپس چلا جا رہا تھا۔

یقین کیجیے جس طرح بھی ہو سکا میں آپ کے چودہ روپے ادا کر دوں گا گھبراہٹ

کی وجہ سے وہ ہکلا رہا تھا۔

کوشش کروں گا ایک دو دن میں ہی یہیں آ کر

مگر میں نے کب تم سے اس رقم کا مطالبہ کیا تھا؟

آپ کریں نہ کریں لیکن مجھے تو ادا کرنا ہیں

وہ اس کی پوری تسلی کر دینا چاہتا تھا

میں نے کبھی مفت کے ایک پیسے کا بار نہیں اٹھایا اور یہ

اچھا اچھا

اس نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ ایزد کی بات کاٹ دی۔ اپنی تنخواہ میں سے اپنا یہ بار چکا دینا۔ فی الحال تم آ کر بیٹھو تو سہی۔

محترم! آپ جانے کس بھول میں ہیں۔ میری کوئی تنخواہ نہیں اور میں ایک بالکل بے کار انسان ہوں۔ البتہ وعدہ جو کروں اسے جان بھی دے کر پورا کرتا ہوں۔

ایزد نے جلدی جلدی سے بات ختم کی

اور اب مجھے اجازت دیجئے

اجازت تو تمہیں ابھی نہیں مل سکتی

وہ شخص بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

کیوں؟ ایزد گھبرایا

اس کی یہ معنی خیز مسکراہٹ اور باتوں کا اس قسم کا انداز وہ جانے اس سے کیا چاہتا تھا؟

اس لئے کہ تم میرے ملازم ہو اور میری اجازت کے بغیر کہیں نہیں جا سکتے

آپ کا ملازم؟

ایزد تحیر سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر یکلخت اسے خیال آیا

شاید اس شخص کو گھر کے کاموں کے لئے کسی ملازم کی ضرورت تھی اور وہ اس کا

حلیہ دیکھ کر اسے اسی درجے کا انسان سمجھا تھا۔

اوہ! یہ دن بھی آنا تھا

دکھ سے اس کی آواز بوجھل سی ہوگئی۔ بڑی شائستگی سے کہنے لگا۔ میرے محسن!

آپ نے جو کیفے کا بل ادا کر کے میری عزت بچالی اس کا میں احسان مانتا ہوں لیکن

کیا احسان احسان کیے جا رہے ہو؟

اس نے مشفق لہجے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا

تم پر کوئی احسان وغیرہ نہیں، تم آرام سے بیٹھ کر میری بات تو سنو

نہیں مجھے دیر ہو رہی ہے

ایزد بے حد سٹپٹایا ہوا تھا وہ خبطی سا انسان تو جھاڑ کا کانٹا بن کر اسے چمٹ گیا تھا۔

اپنے اتنے شاندار گھر میں اسے لے آیا تھا۔ اپنی اور اس کی حیثیت کا فرق دیکھے

بنا کبھی اسے اپنے اتنے خوبصورت صوفے پر بیٹھنے کو کہہ رہا تھا۔ پھر کبھی اسے اپنا

ملازم کہہ کر اس پر اپنا حق جتانے لگتا۔

وہ کیا تھا آخر؟ کہیں واقعی اسے کوئی دماغی خلل کا عارضہ تو نہیں تھا؟

جو وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بنا یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ اور تو اور خود ہی اس کی طرف

سے تیرہ چودہ روپے ادا کر دیئے ورنہ جہاں اتنی امارت ہو وہاں کنجوسی بھی اتنی ہی

ہوتی ہے۔

ضرور کوئی ایسی ہی بات تھی!

اسی اثناء میں اچانک پاؤں کی چاپ ہوئی۔ دونوں چونک اٹھے۔ پھر دونوں ہی

کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں چاپ وہیں تھم گئی۔ ان سے بہت فاصلے پر

کمرے میں تیز روشنی تھی اور ادھر دروازے سے پرے مدھم ایزد آنکھیں پھاڑ

پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

باوا جان! کھانا لگا دیا جائے؟

اس شخص کی بیٹی تھی شاید! وہیں کھڑے کھڑے پوچھ رہی تھی بڑی نازک اور سریلی سی آواز تھی اس کی!

ایزد نے جلدی سے رخ پھیر لیا۔وہ وہیں تھم گئی تھی شاید پردہ دار گھرانہ تھا

ہاں

باپ ایزد کا بازو چھوڑ کر اس کے قریب چلا گیا۔

آج پکایا کیا ہے بیٹے؟

کوفتے،مٹر گوشت،خشک چاول اور ساتھ چپاتیاں

مدھم مگر صاف آواز ایزد کے کانوں میں اتری

بس؟

بس

ساتھ آملیٹ بھی بنالو اور دیکھو لیکن

باپ ذرا تندی سے بولا

میں رفیقے سے کہہ کر تو آیا تھا کہ آج کھانے پر کچھ اہتمام کر لے ایک مہمان بھی میرے ساتھ ہے

کونسا مہمان؟

لڑکی پوچھ رہی تھی

یہ

باپ نے شاید ایزد کی جانب اشارہ کر دیا تھا۔ایزد کی عقل نے یہی سمجھا

یہ؟وہ حیرت سے چلا سی پڑی

آپ کا مہمان؟

یقیناً وہ اسے سر سے پاؤں تک بڑے غور سے دیکھ رہی تھی تبھی تو اس کی آواز میں تحیر تھا۔

اوراس کی آواز کے زیروبم سے ہی ایزد نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ باپ جیسی نہیں تھی۔ بلکہ بالکل صحیح الدماغ تھی۔اور عقل وہوش رکھتی تھی۔

جو اپنے جیسے بڑے اور امیر گھر میں ایزد جیسے خستہ حال مہمان کی آمد پر متحیر ہو اٹھی تھی۔اپنے صاف ستھرے گھر میں ایزد کا گدلا وجود شاید اسے بھی بے جوڑ لگا تھا۔

ہاں

جواب میں باپ کا انداز بڑا ٹھہرا ہوا اور سنجیدہ تھا

یہ ہماری مل کے جنرل مینجر ہیں

مل کے جنرل مینجر؟

لڑکی نے چیخ کر اپنی بے پایاں حیرت کا اظہار کر دیا۔مگر خود ایزد کے لئے بھی یہ بڑا عجیب سا انکشاف تھا۔

وہ صرف چونک کر رہ گیا۔

کیسا عجیب معاملہ تھا؟ نہ اس نے درخواست دی تھی نہ کوئی سفارش پہنچائی تھی نہ رشوت ہی دی تھی۔

یہ چپکے سے آپ ہی آپ کس طرح اسے ملازمت مل گئی تھی بغیر اس کی علمی قابلیت جانے بغیر اس کا عملی تجربہ پوچھے۔کیسے اس شخص نے اسے اپنی مل کا مینجر بنا لیا تھا؟؟

ایزد گم سم کھڑا تھا وہ تو اپنی حیرت کا بھی اظہار نہیں کر سکتا تھا خدا کے لئے ابو! کچھ خیال کیجئے

قدرے توقف بعد لڑکی کی آواز پھر اس کے کان میں اتری ہمیں پہلے ہی نا اہل مینجروں کی وجہ سے پے در پے اتنا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔للہ اب خود پر اور اپنی مل پر رحم کیجئے کسی قابل انسان کو رکھیے کسی تجربہ کار کے ہاتھ میں اتنی بڑی مل کا نظم دیجئے۔وہ سانس لیے بنا بولے جا رہی تھی۔

یہ تو مجھے بالکل ہی جاہل اور احمق سا لگ رہا ہے۔ دیکھئے تو اس کا حلیہ

باپ نے گھبرا کر ایزد کی طرف دیکھا۔ اور پھر بیٹی کی بات پوری ہونے سے پہلے جلدی سے اسے ادھر ہی دھکیل دیا جدھر سے وہ آئی تھی

تم اپنے کام سے کام رکھو چلو جاؤ کھانا لگواؤ

پھر ایزد کی طرف مڑے اور گویا نادم سے ہوتے ہوئے بولے شریر ہے۔ بہت مجھے ستاتی رہتی ہے

وہ گڑبڑا کر صفائی پیش کر رہے تھے

یوں بھی اکلوتی اولاد سر پر چڑھ ہی جاتی ہے۔ ویسے، ویسے میرا اپنا ہی قصور ہے۔ خود ہی ضرورت سے زیادہ لاڈ کیے ہیں؟

جیسے ان سے بات نہیں بن رہی تھی

آؤ آؤ نا تم

اب تو ایزد کو اس کے خبطی ہونے کا پورا یقین ہو گیا۔ وہ اسے جانتا نہیں تھا۔ اس کے حسب و نسب سے واقف نہیں تھا۔ اس کی قابلیت اور تعلیم وغیرہ کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اور اسے اپنی مل کی مینجری سونپ رہا تھا۔

بے حد عجیب معاملہ تھا! ابھی تک ایزد کی عقل فکر میں کچھ نہیں آ رہا تھا آخر وہ الجھ سا گیا

خدایا! وہ کہاں آن پھنسا تھا؟ لیکن لیکن اچانک اس کے کانوں میں عابدی صاحب کی آواز گونج اٹھی۔

ان کا ہاتھ کہتا ہے کہ مشکل کے دن کٹ گئے۔ خوش قسمتی اب ان کا مقدر ہے۔ چپڑ اسی کیوں کوئی بہت اعلیٰ پوسٹ انہیں ملے گی۔

کہیں، کہیں عابدی صاحب والی پیشن گوئی تو پوری نہیں ہو رہی تھی؟

کیا ہاتھ کی لکیریں اتنا کھرا سچ بولتی ہیں؟ کیا واقعی عابدی صاحب کو اس فن میں

ایسا کمال حاصل ہے؟؟؟

وہ سکتے کے سے عالم میں کھڑا سوچ رہا تھا۔

اور پھر دینے والا بھی بے نیاز ہے۔دینے پر آئے تو یوں بن مانگے ہی دے دیتا ہے۔کوئی نہ کوئی فرشتہ نما انسان پلک کے جھپکنے میں قسمتیں بدلنے کے لئے زمین پر اتار دیتا ہے

بیٹے! آ بھی جاؤ

ایز دسوچوں میں کھویا کھویا اس فرشتے کی طرف بڑھ گیا

☆

تم نے گیتی اماں! بہت اچھا کیا جو بی اے کے بعد تعلیم کو خیرباد کہہ دیا

کیوں محترمہ! بس ٹائیں ٹائیں فش ہوگئی؟

ہاں لگتا ہے یہ ایم اے کی پڑھائی میرے بس کا روگ نہیں

تو یہ روگ لگا کیوں لیا تھا؟

مجبوری!

کیا مجبوری ہے تمہیں؟ تعلیم حاصل کرنے کا کوئی شوق بھی نہیں ہے تمہیں۔ اس کے علاوہ خدا کا فضل ہے۔ تم پر غربت بھی سایہ نہیں کئے ہوئے۔ نہ ہی کوئی ذمہ داری سر پر ہے جو نوکری کرنے کے لئے ایم اے کرنا ضروری ہو گیا تھا

مگر تمہاری طرح میں گھر میں بھی نہیں بیٹھ سکتی نا

کیا مطلب؟

ایم اے کر کے کسی دفتر میں ملازمت کروں گی

مگر میں نے کہا نا کہ تمہیں ملازمت کرنے کی ضرورت کیا ہے؟

صرف ذرا آؤٹنگ کے لئے

ہوں تو یوں کہو نا

ہاں بڑی مشکل سے سمجھ سکی ہو

تو پھر اپنے اس مشغلے کی خاطر پالو اس روگ کو

وہ تو اب پالنا ہی پڑے گا۔ اور ہاں تم بتاؤ آج کل کیا کر رہی ہو

بس وہی جو گھریلو شریف لڑکیاں کرتی ہیں

بڑی خوبصورت سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر اٹھی

اپنے اس فقرے کا تاثر سہیلی کے چہرے پر دیکھنے کے لئے درویدہ نگاہی سے اسے تکنے لگی

کیا کرتی ہیں گھریلو لڑکیاں؟

اس نے اس کے اس طنزیہ فقرے کا کوئی اثر نہ لیا

کبھی کوئی میگزین دیکھ لیا۔ کبھی کوئی ناول پڑھ لیا۔ کبھی تھوڑی سی سلائی بنائی کر لی۔ اور کبھی ابو کی فرمائش پر کوئی ڈش تیار کر دی۔

وہ سادگی سے اسے اپنا سارا پروگرام بتانے لگی

امی بیمار سیمار رہتی ہیں۔ کچھ ان کی خدمت کی۔ بیماری کی وجہ سے وہ چال پھر کم سکتی ہیں۔ یوں گھر گرہستی چوپٹ ہو سکتی ہے۔ کچھ اس کی دیکھ بھال کی ہم لوگوں کو بھی کام تھوڑے تو نہیں ہوتے!

اور انہیں سب کاموں سے مجھے انتہائی بوریت محسوس ہوتی ہے تبھی ایم اے میں داخلہ لے لیا ہے مجھے تو ایک گھنٹہ بھی گھر میں رہنا پڑ جائے تو دم گھٹنے لگتا ہے

رات تو کئی گھنٹے کی ہوتی ہے وہ بھی باہر گزار لیا کرو

بے تکلف سہیلی تھی، طنزیہ انداز میں بھی نصیحت کر جاتی تو ایک دوسرے کی بات کبھی کوئی محسوس نہ کرتی۔

سو کر گزر جاتی ہے، پتہ ہی نہیں چلتا

وہ بڑے انداز سے مسکرائی

اور مجھے تیری طرح لڑکیوں کا آوارہ پھرنا اچھا نہیں لگتا

میں آوارہ پھرتی ہوں؟

تو اور کیا؟

بدتمیز! ٹھہر تو جا ابھی تمہیں اس بے ادبی کا مزہ چکھاتی ہوں لپک کر اس نے اسے گدگدی کرنے کے لئے پکڑ لیا

ہائے مجھے چھوڑ، سحر کی بچی چھوڑ دے

نہیں چھوڑوں گی، بس تھوڑی سی گدگدی کر لینے دو، یا پھر تھوڑی سی پٹائی کرا لو

دیکھو سحر متین! یہ دھول دھپا تم جیسی تعلیم یافتہ اور اونچی سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے والی نازنین کا شیوہ نہیں ہونا چاہیے

بکواس!

سحر نے نازنین کے خطاب پر شرماتے ہوئے گیتی کو چھوڑ دیا

چلو آؤ ادھر انیکسی کے باغیچے میں چلیں۔ وہاں بہت خوبصورت پھول ہیں۔ اور یہاں کمرے میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔

وہاں اس وقت باوا جان ہوں گے

تو پھر کیا ہے؟ ذرا آج انہیں سے گپ شپ رہے گی۔ یوں بھی انہیں ملے بہت دن ہو گئے۔

ارے نہیں وہاں وہ مینجر بھی ہو گا

مینجر؟ وہ کون؟

ہماری مل میں نئے مینجر صاحب آئے ہیں

گیتی کا انداز مضحکہ اڑانے والا تھا۔

کب؟

یہی کوئی پانچ چھ روز ہوئے یا شاید آٹھ دس

تم نے تو مجھے نہیں بتایا

کوئی ایسی قابل ذکر بات نہ تھی

عمر کیا ہو گی؟

تم اس کے ساتھ معاشقہ لڑا سکتی ہو

پاگل لڑکی! اپنے لیے نہیں تیرے لیے پوچھ رہی ہوں

کیوں؟ میری فکر تمہیں کیوں پڑ گئی؟

تم گھر میں جو اکیلی پڑی سڑتی رہتی ہو

سحر بے حد سنجیدہ تھی

کوئی تو دلچسپی کا سامان ہونا چاہیے

تم اپنی دلچسپی کا فکر کرو

میرے لیے تو بہت دلچسپیاں ہیں اسی لیے تو یونیورسٹی میں داخلہ لیا ہے

سحر بڑے انداز سے مسکرائی گیتی نے گھور کر اسے دیکھا

یوں نہ مجھے دیکھو، بلکہ میری صاف گوئی کی داد دو

داد تو اس دن دوں گی۔ جب مجھے تمہاری یہ سب حرکات اچھی لگنے لگیں گے

اور وہ دن کبھی آئے گا نہیں، دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے مگر تم ایک ہی ڈھیٹ ہو کبھی

نہیں بدلو گی۔

کیوں بدلوں؟ بری راہ پر نہیں چل رہی

اچھا چھوڑ اس بحث کو یہ بتا سچ مچ تمہیں منیجر کے متعلق کچھ علم نہیں کہ وہ کیسا

انسان ہے؟

نہیں بالکل نہیں صرف پہلے دن اس کا حلیہ دیکھا تھا پھر اس کے بعد اس کے

متعلق کچھ جاننے کی جی میں حسرت ہی نہ رہی

حسرت نہ رہی کہ چراغوں میں ہی روشنی نہ رہی

سحر نے قہقہہ لگایا

چراغوں میں اگر روشنی نہ رہتی تو دل روشن ہو ہی جاتا۔ پھر گلہ کیوں کرتے؟

اوہ! ماشاءاللہ ماشاءاللہ تم گھروں میں بیٹھنے والی لڑکیاں بھی خاصی رومانٹک ہوتی

ہو

سحر جان! دل اللہ میاں نے ہر ایک کو ہی دیا ہوا ہے۔ وہ دوسری بات ہے کوئی سنبھال کر چھپا کر رکھتا ہے اور کوئی تم جیسا ہتھیلی پہ لیے پھرتا ہے

اچھا تو آج پتہ چلا کہ ہماری گیت بیگم بھی اپنے سینے کے بند کواڑوں کے اندر ایک دھڑ دھڑ دھڑ کتا منا سا دل چھپائے بیٹھی ہیں

میں انسان نہیں ہوں کیا؟

ہو بھئی ہو سو فیصد ہی نہیں بلکہ دو سو فیصد

دو سو فیصد کیوں؟

گیتی اس رعایت کے متعلق پوچھے بنا رہ نہ سکی

اس لئے کہ خوبصورت بہت ہو

بڑی شریر ہو، گیتی جھینپ گئی

اچھا یہ بتاؤ، اس کا حلیہ کیسا تھا کہ پھر اس کے متعلق کچھ جاننے کی تمہیں حسرت نہ رہی

سخت بوسیدہ لباس، بکھرے بال، ٹوٹا پھوٹا جوتا، چہرے پر فاقہ کشی کے آثار،

غریب ہوگا بیچارا

مانا غریب ہوگا۔ لیکن اس کی جو حرکت مجھے سخت بری لگی وہ یہ تھی کہ جب میں باوا جان سے کھانے کے متعلق پوچھنے لگی تو یوں ندیدوں اور احمقوں کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے گھورنے لگا جیسے زندگی میں کبھی کسی عورت کو دیکھا ہی نہ ہو

تم ایسی حسین اس نے پہلی بار دیکھی ہوگی نا

مذاق نہیں سحر! سچی مچی بالکل بے کشش سی اس کی شخصیت ہے

بہت بدصورت ہے؟

سحر چنبھے سے پوچھ رہی تھی

شکل کی بات نہیں کر رہی۔ وہ تو میں نے اچھی طرح دیکھی نہیں حلیہ اس کا ایسا تھا

کہ کیا بتاؤں؟

گیتی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح سحر کے آگے اس کی تصویر کھینچ کر رکھ دے

میرے خیال میں انسان کا خلیہ شکل سے زیادہ درجہ رکھتا ہے

ہاں میں نے کئی خاصے بدصورت انسان بڑے خوبصورت دکھائی دیتے دیکھے ہیں اپنے رکھ رکھاؤ سے۔

ہاں اور یہ تو بالکل

سحر نے گیتی کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی

تو پھر ایسے شخص کو خالو جان نے اتنی بڑی پوسٹ کیوں دے دی؟

سحر حیرت زدہ تھی

اتنی بڑی مل ہے۔ اس کا مینجر بڑی اچھی شخصیت والا ہونا چاہیے کہ جس سے بھی ملے اسے متاثر کرے تا کہ اچھا کاروبار اور لین دین ہو سکے۔

تو اور کیا یونہی پہلے بھی باوا جان نقصان اٹھاتے رہے ہیں۔ تم انہیں کہتیں خالہ جان سمجھاتیں

سحر فکرمند ہو ہو کر اسے کئی تجویزیں بتا رہی تھی۔

اب بھی کسی نہ کسی طرح اس سے پیچھا چھڑوا لو۔ ابھی تو کچھ ہی دن ہوئے ہیں بگڑا وگڑا کچھ نہیں ہو گا۔

یہی تو اب ہو نہیں سکتا

گیتی مایوسی سے بولی

لیکن آخر کیوں؟

وہ خوش قسمت بہت ہے

کیا مطلب؟

یہ تو تم جانتی ہی ہو نا کہ باوا جان ہاتھ کی لکیروں پر ایمان کی حد تک یقین رکھتے ہیں

ہاں

بس باوا جان کے اسی یقین کی وجہ سے یہ بلا ہمیں چمٹ گئی

کیسے کیسے؟ سحر جاننے کے لئے بے قرار ہو گئی

مجھے تفصیل سے بتاؤ

باوا جان کسی کیفے میں چائے پینے گئے تھے۔ ساتھ والی میز پر یہ حضرت تشریف فرما تھے۔ اس کے ساتھ اس کا کوئی دوست تھا اور کوئی عابدی صاحب ہیں جو دست شناسی کا علم رکھتے ہیں

اوہ! مائی گاڈ!

سحر یک دم چلا اٹھی

وہی عابدی صاحب سہیل بتا رہے تھے کہ اس علم میں ان کے مقابلے کا پاکستان بھر میں اور کوئی نہیں ہے۔ ہائے! میرا بڑا دل چاہتا ہے انہیں اپنا ہاتھ دکھانے کو۔ بس مجھے تو یہ معلوم کرنے کا ارمان ہے کہ میرے ہاتھ میں امریکہ کے سفر

تم بھی بس باوا جان کی طرح ہو۔ خدا پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اسی سے اپنی خواہشات پوری کراتے ہیں۔ ان ہاتھوں کی لکیروں میں کیا پڑا ہے۔ انسان میں قوت ارادی ہو تو یہ تو بدلی بھی جا سکتی ہیں۔

اچھا اچھا نصیحتیں بعد میں تم پہلے اپنی وہ بات پوری کرو قصہ سیٹھ امان کی مل میں ایک عدد احمق اور بگڑے حلیے والے منیجر کی آمد کا

دونوں ہنس ہنس کر بے حال ہونے لگیں

چلو بھی سحر آنکھوں میں آیا ہوا پانی خشک کرتے ہوئے بولی اب ہنسے ہی تو نہ جاؤ۔

تو وہ عابدی صاحب اس کا ہاتھ دیکھ کر بتا رہے تھے کہ اس جیسا خوش بخت ہاتھ

انہوں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اپنا تو اس کا نصیب ہے ہی اچھا اس کے علاوہ جہاں ملازمت کرے گا اس کے دم قدم اور نصیب کے طفیل وہ محکمہ بھی بہت ترقی پائے گا۔

گیتی کے ہونٹوں پر بڑی خوبصورت سی مسکراہٹ تھی مگر زبان پر طنز و شوخی بھرے الفاظ

اس لیے باوا جان جھٹ پٹ اس خوش قسمتی کی پڑیا کو اٹھالائے کہ اس کی وجہ سے ہماری مل کا مقدر بھی چمک اٹھے گا۔ نقصان کی بجائے وہ فائدہ دینے لگے گی۔

اور ایک دم مینجری ہی دے دی۔ یعنی کہ پوری کی پوری مل اس کے حوالے

حیرت سے سحر بوکھلا سی رہی تھی

پے در پے ہونے والے لاکھوں کے نقصانات سے گھبرا کر پہلے مینجر نے چند دن پیشتر استعفیٰ دے دیا تھا۔ باوا جان بڑے پریشان تھے چنانچہ نہ کچھ سوچا نہ سمجھا مینجر کی پوسٹ پر ہی فٹ کر دیا۔ بچوں ایسی ہی بات ہے نا؟

عجیب ہی بات ہوئی ویسے قابلیت میں کیا ہے وہ؟ میرا مطلب ہے تعلیم کتنی ہے اتنی بڑی پوسٹ کے اہل ہے بھی یا نہیں؟

کہاں ہوگا؟ گیتی جل کر بولی

ویسے مجھے معلوم بھی نہیں کچھ

کیوں؟ خالو جان سے پوچھنا تو تھا؟

میں تو ساری بات سن کر ایسی جل بھن گئی تھی کہ پھر مزید کچھ پوچھنے کا موڈ ہی نہ رہا۔ دیکھو نا سحر! بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ صرف ہاتھوں کی لکیروں پر اتنا زبردست بھروسہ کرلیا جائے۔ ایمان کی حد تک

گیتی جلے ہوئے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگی

کہ اپنا سارا مال و متاع ہی داؤ پر لگا دے۔ مل میں لاکھوں کا کام ہوتا ہے۔ اور نا اہل ہاتھ سب کچھ تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ اور یوں بھی وہ عابدی صاحب بھی تو آخر

انسان ہیں۔ بھول چوک ہو ہی سکتی ہے۔ خدا تو نہیں کہ جو کچھ انہوں نے بتایا وہ برحق ہے۔ یا پتھر پر لکیر ہو گیا

گیتی دل کی بھڑاس نکالے جا رہی تھی اور سحر بڑے غور سے سن رہی تھی۔

مگر باوا جان تو انسانوں کے بنائے ہوئے اس علم کو ہمیشہ پتھر پر لکیر ہی سمجھ لیتے ہیں۔ بس! ہاتھ کی لکیریں جو کچھ کہہ دیں وہ وہی کریں گے اور میں انسان کی قوت ارادی کی قائل ہوں۔ ارادہ مضبوط ہو۔ نیت نیک ہو تو انسان ہر مشکل پر قابو پا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے ہاتھ کی لکیریں بھی بدل سکتا ہے۔

سحر بھی ہاتھ کی لکیروں پر تھوڑا بہت یقین رکھتی تھی اس لئے چپ چاپ گیتی کی باتیں سنتی رہی۔ کوئی تردید یا تائید نہیں کی۔

اور تو اور نہ صرف پوری کی پوری مل اس کے حوالے کر دی۔ بلکہ اس کی رہائش کے لئے انیکسی خالی کرا دی ہے۔

ایمان سے؟

سحر جانتی تھی کہ انیکسی میں تو وہ کسی کو قدم نہیں دھرنے دیا کرتے تھے۔ غیر ممالک سے درآمد کی گئی نوادرات اس میں سجی تھیں اور وہ ہر مہمان کو بڑے فخر سے اپنا یہ چھوٹا سا عجائب گھر دکھایا کرتے تھے۔

اس کی صفائی کے لئے بھی کسی ملازم کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی وہ بھی گیتی ہی جا کر کرتی تو باپ کو تسلی ہوتی۔

سچ خوب آراستہ و پیراستہ کر کے جیسے کوئی نواب ہمارے ہاں اترا ہو۔ اور اب رات دن اس کی خوب خاطریں ہوتی ہیں

اس کے کھانے وغیرہ کا کیا بندوبست ہے؟

یہیں سے تیار ہو کر جاتا ہے۔ یقین کرو آج کل ہمارے ہاں ہر وقت کے کھانے پر ایسا سماں ہوتا ہے جیسے کسی گورنر کے اعزاز میں کوئی دعوت دی جا رہی ہو

بخدا؟

ہاں قسم خدا کی بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ تمہیں بتایا ہے نا باوا جان کو ہاتھ کی لکیروں اور اس کے علم پر اتنا یقین ہے کہ ان کی لائبریری میں کسی اور موضوع پر کوئی کتاب ہی نہیں ملتی۔ یہ کیرو ہے۔ یہ عابدی صاحب ہے۔ یہ فلاں ہے۔ یہ ڈھمکاں ہے۔

سحر گیتی کے جھنجھلاہٹ بھرے انداز پر ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھی۔

اور مزے کی بات کہ یہ جو عابدی صاحب ہے ان کے علم پر باوا جان کو کیرو سے بھی زیادہ یقین ہے۔ کہتے ہیں اس کا علم مکمل ہے۔ اس کی بتائی ہوئی بات کبھی غلط نہیں ہوئی۔ تبھی تو آنکھ میچ کے اس ہونق کو لے آئے۔

ویسے عابدی صاحب کی تعریف تو میں نے بھی بہت سنی ہے۔ ہنسی کی زیادتی کی وجہ سے آنکھوں میں آیا ہوا پانی پھر صاف کرتے ہوئے سحر گویا ہوئی

مطلب یہ کہ باوا جان نے جو کچھ کیا ٹھیک ہے؟

گیتی سحر ہی سے الجھ پڑی

توبہ بابا! میرا مطلب یہ کب تھا تم تو مجھ ہی پر غصہ نکالنے لگی ہو

گیتی نادم سی ہو کر مسکرا دی

نہیں غصہ کیا نکالوں گی

جوش سے گیتی کے رخسار تمتمارہے تھے۔ سحر نے غور سے اسے دیکھا۔ اس کی جھنجھلاہٹ سے وہ ہمیشہ ہی بہت محظوظ ہوا کرتی تھی۔ جلال میں آ کر گیتی کا چہرہ کچھ اور بھی خوبصورت ہو جاتا تھا۔ وہ خاموش ہو گئی تھی۔ سحر نے پھر زبان کھولی۔ آنکھوں میں شوخی بھرے ستارے ناچ رہے تھے۔

میں تو کہتی ہوں گیت! عابدی صاحب نے اگر بتایا ہے تو یقیناً وہ بے حد مقدور والا ہو گا۔ تو اس کے مقدر کے چمکتے ستارے کو اپنی مانگ میں سجا لے۔

گیتی نے اس کی آنکھوں میں ناچتے ستارے دیکھے ہی نہیں۔ یکدم مزید سرخ ہو

اٹھی

تو سجا لے مجھے اپنا مقدر بنانے کی ایسی آرزو نہیں ہے۔ اور یوں بھی میرا خراب

کب ہے جو میں اور کی حرص کروں۔

تو مجھے وہ دکھا تو سہی

سحر کو سچ مچ اسے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا

بتایا نا ادھر انیکسی کے لان میں وہ اور باوا جان بیٹھے چائے پی رہے ہوں گے چلی

جاؤ

گیتی ہنسنے لگی

اور ہاں تمہاری پسند اور اس کی پسند ملتی بھی بہت ہے خوب گزرے گی

کیا؟ کیا؟ کونسی پسند؟؟

سحر بے تاب ہو ہو کر پوچھنے لگی

شامی کباب اور سموسے!

اور پھر ذرا تلخی سے اس نے دانت پیسے

یہ کمبخت شامی کباب! آج کل ہر دوسرے دن مجھے باورچی خانے میں سر کھپانا

پڑتا ہے

آج بنائے تھے؟

سحر نے ہونٹوں پر زبان پھیری

ہاں

تو کہاں ہیں؟

بے تابی سے پوچھا

اس کے پیٹ میں ہوں گے

گیتی نے قدرے جل کر جواب دیا

بھئی سچی بات، اب مجھے شک گزرنے لگا ہے کہ وہ نا اہل مینجر ہوگا یقیناً باذوق انسان

کیوں؟ وہ کس طرح؟

میری طرح شامی کباب جو پسند کرتا ہے

اور جیسے تم تو بہت باذوق ہو

سلویٰ اور زوباریہ سے پوچھ لو، حامد اور فاروق سے پوچھ لو۔ وہ تو وہ پروفیسر ہاشمی بھی یہی کہیں گے۔

وہ سب بھی تو تمہارے جیسے ہی ہیں

اور میں کیا بری ہوں؟

بہت اچھی بے حد اچھی

گیتی کے گنز کو سحر نے سمجھا جواب کوئی نہیں دیا صرف ناک سکوڑ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی

میں اب تمہارے گھر نہیں آیا کروں گی

خس کم جہاں پاک

گیتی زیر لب مسکرائے جا رہی تھی

یہ بات ہے تو پھر خدا حافظ

سحر سچ مچ روٹھتے ہوئے اپنا پرس اٹھا کر چل دی

ارے ارے

گیتی نے بھاگ کر پیچھے سے اسے بازوؤں میں لے لیا

مذاق میں سنجیدہ مت ہو جایا کرو

تو پھر مجھے شامی کباب کھلایا کرو

سحر تو صرف اسی لیے ایک لمحے میں ہی من گئی تھی

بے حد ندیدی ہو سحر تم اور میں بے حد بے وقوف

اس میں جھوٹ کیا ہے؟

سحر گنگنائی

اچھا بھلا معاملہ صاف ہو گیا تھا

گیتی اپنی ہی کہے گئی

کیا معاملہ صاف ہو گیا تھا؟

تم روٹھے ہم چھوٹے والی بات خواہ مخواہ ہی بلا کو دوبارہ چمٹا لیا سحر فتح مندانہ انداز میں قہقہہ لگا اٹھی۔

اب تو تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گی۔ بس شامی کباب کھلا دو

پرس واپس پلنگ پر پھینکتے ہوئے سحر خود نیچے قالین پر دراز ہو گئی۔

رفیقے! او رفیقے کے بچے!!

گیتی الجھی سی آواز میں اپنے ملازم کو پکارنے لگی

جی چھوٹی بی بی

شامی کباب ہیں؟

وہ تو بی بی جی سارے ادھر بھیج دیئے تھے

اتنے سارے؟

وہ اپنے صاحب بھی تو اب بڑے شوق سے کھانے لگے ہیں رفیقے نے عادت کے مطابق دانت نکالے۔

لو یک نہ شد دو شد

گیتی تقریباً چیخ سی پڑی

سنا تم نے سحر! اب باوا جان کو بھی شامی کبابوں کا چسکا پڑ گیا۔

رحم پروردگار! روز شامت آیا کرے گی اب تو

رفیقے! تو کیوں نہیں بنانا سیکھ لیتا

سحر نے بڑی ہمدردی سے گیتی کو دیکھتے ہوئے رفیقے سے پوچھا سیکھے ہوئے ہیں

جی لیکن چھوٹی بی بی مجھے بنانے نہیں دیتیں اور خود بناتی ہیں

رفیقے تیرا ستیاناس کس انداز میں بات کر رہا ہے

گیتی کی الجھن اندر ہی اندر بڑبڑائی

ہاں تو یہ بات ہے

اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ سحر نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے گیتی کو گھورا

رفیقے! جا تو باہر جا کر دیکھ وہ چائے پی چکے ہوں تو برتن لے آؤ

رفیقا کمرے سے نکل گیا تو گیتی کچا چبا جانیوالے انداز میں سحر سے مخاطب ہوئی

کیا کہنے لگی تھیں؟

یہی سحر اس سے قطعاً ڈری نہیں۔ ہمیشہ والی دیدہ دلیری سے بولی

کہ تم نے اس کا بگڑا تگڑا حلیہ بتا کر میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی

ہے۔ ورنہ تم مینیجر کے لئے خود اپنے ہاتھ سے شامی کباب بنانا پسند کرتی ہو۔

دھول آنکھوں میں نہیں بلکہ خاک تمہاری سمجھ پر

گیتی سحر کے انداز پر بے ساختہ ہنس دی۔ اس کے چہرے پر جلال کی بجائے

جمال جھلک اٹھا۔

میں دوبارہ اس کی شکل دیکھنا پسند نہ کروں اور تو بکواس کیے جا رہی ہے۔

اچھا پھر شامی کباب نہیں کھلائے نا؟

سحر چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی

توبہ بابا! آج معافی دے دو پھر کسی دن کھلا دوں گی

کب؟ سحر نے بے تابی سے پوچھا

اگلے اتوار

پکا وعدہ ہے نا؟

ہاں، ہاں، ہاں

اچھا تو پھر میں چل دی اگلے اتوار ملیں گے اگر خدا لایا

سحر نے مطمئن انداز میں مسکراتے ہوئے پرس ہلایا۔

تجھے تو خدا اب ادھر نہ ہی لائے تو بہتر ہے

دیکھیں گے کس کی دعا پوری ہوتی ہے

سحر لاپرواہی سے پرس جھلاتے ہوئے اور مسکرا مسکرا کر گیتی کو دیکھتے ہوئے چل دی

خدا حافظ

خدا حافظ

گیتی کا بگڑا موڈ صرف بڑبڑا کر رہ گیا۔

☆

بیگم!

سیٹھ امان نے ایک بار پھر بانو کو پکارا

بنائی کرتے کرتے ہاتھ روک کر انہوں نے نگاہ اٹھائی۔ مگر سیٹھ امان کا چہرہ تو پھر اخبار کے پیچھے غائب ہو چکا تھا۔

کیا ہو گیا ہے آپ کو؟

اب بانو خاموشی سے پھر بنائی کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے جھنجلا سی پڑیں

تیسری بار پکارا ہے اور جب میں مخاطب ہوتی ہوں تو خود اخبار پڑھنا شروع کر دیتے ہیں

وہ وہ دراصل سوچ رہا تھا کہ بات کروں یا نہ کروں

اب انہوں نے اخبار نیچے رکھ دیا

تو پھر پہلے اچھی طرح سوچ لیجئے

عجیب عجیب سی ان کی عادات تھیں۔ بانو اپنی بنائی کی طرف پھر متوجہ ہو گئیں

آپ کی تو ہمیشہ سے یہی عادت ہے

بڑبڑاتے ہوئے وہ تیز تیز ہاتھ چلانے لگیں

سنو تو انہوں نے پھر بانو کو مخاطب کیا

جانے کیوں وہ کچھ کہنے سے ہچکچا رہے تھے۔ وہ تو ایکدم حکم دے دیا کرتے تھے۔ کیسا بھی معاملہ ہو۔ کیسی بھی بات ہو۔ وہ تو صرف حکم دینے کے اور اس کی تعمیل کرانے کے عادی تھے۔

بانو نے قدرے حیرت سے ان کی اس ہچکچاہٹ کو دیکھا۔ پھر بنائی واپس رکھتے ہوئے ذرا ان کے قریب کھسک گئیں۔ اب ان کا لہجہ ہمدردانہ تھا۔

کیا ہے؟ کوئی پریشانی کی بات ہے؟

نہیں پریشانی کی تو نہیں

پھر؟

سوچ رہا تھا کہ اپنی گیتی اب جوان ہو گئی ہے

آپ کو آج خیال آیا ہے اور میں آپ کو تین سال پہلے سے اس کا احساس دلانے کی کوشش کر رہی ہوں۔

تین سال تو خیر وقت سے پہلے کی بات تھی۔ اس وقت تو وہ صرف ایف اے میں پڑھتی تھی۔ اور اب تو ماشاءاللہ گریجویٹ ہو گئی ہے۔

ہاں بانو بڑے فخریہ لہجے میں بولیں

میری بیٹی تعلیم کے زیور سے جو آراستہ ہے وہ علیحدہ اللہ کے فضل سے گھر کے سب کاموں میں بھی وہ اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اس کا ماموں دونوں خالائیں اور بڑی پھوپھی ہر کوئی اسے اپنی بہو بنانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔

بانو بات کرتے کرتے تھوڑا سا اور سیٹھ امان کی قریب کھسکیں۔ آپ زاہد، پرویز، انیس اور صادق میں سے کسے پسند کرتے ہیں۔ زاہد کا مستقبل اگر فوج میں ہونے کی وجہ سے درخشاں ہے تو پرویز ڈاکٹر ہے کم وہ بھی نہیں

جانے انہوں نے بیٹی کے جوان ہو جانے کی بات کیوں چھیڑ لی تھی بانو نے وجہ پوچھی ہی نہیں۔ آپ ہی آپ یہ مطلب اخذ کر لیا کہ ضرور رشتے ہی کی بات ہو گی۔ تب وہ خود ہی انہیں فہرست سنانے لگیں۔

صادق اپنی ہمت کے بل گلاس فیکٹری لگا رہا ہے۔ بے شک میری آپا بہت امیر نہیں ہیں لیکن صادق انشاءاللہ ایک دن بہت بڑا آدمی بن جائے گا۔

سیٹھ امان چپ چاپ بیٹھے بانو کو دیکھے جا رہے تھے

اور انیس کا انجینئرنگ کا آخری سال ہے۔ ویسے انیس کو میں باقی سب پر ترجیح دوں گی۔ کہ گیتی کی یہ پھوپھو اسے بے حد پیار کرتی ہیں۔ ان کی اپنی کوئی بیٹی نہیں۔

اور وہ یقیناً میری گیتی کو بہو کی بجائے بیٹی کا درجہ دیں گی۔ خود گیتی کو بھی اپنی بڑی پھوپھو کے ساتھ سب سے زیادہ پیار ہے۔

سیٹھ امان اب بھی خاموش تھے۔ اور سوچوں میں کھوئے بانو کی یہ طویل گفت گو سن رہے تھے۔

پھر؟ آپ کچھ بول نہیں رہے۔ ان سب میں سے آپ کو کون زیادہ پسند ہے؟

سبھی بہت اچھے ہیں بہت لائق ہیں مگر

مگر؟

بانو نے پھر حیرت سے شوہر کو گھورا۔ وہ اس مگر کا مطلب نہیں سمجھ سکی تھی۔ کیونکہ ان کی دانست میں تو یہاں کسی مگر کی گنجائش ہی نہ تھی۔

میرا یقین نہ لیاقت پر، نہ قابلیت پر اور نہ امارت پر ہے

سیٹھ امان کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولے

میرا تو یقین صرف اور صرف مقدر پر ہے

وہ تو میرا بھی ہے بانو جھٹ سے بولیں

لیکن مقدر بھی تو انسان کی قابلیت، لیاقت اور محنت کش طبیعت بناتی ہے

نہ نہ بانو شاید کچھ اور بھی کہتیں۔ سیٹھ امان نے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا

پہلے میری پوری بات سن لو

اور پوری بات سنانے کے لئے ایک بار پھر کھنکار کر انہوں نے گلا صاف کیا۔ لمحہ بھر کے لئے کچھ سوچا اور ہولے سے گویا ہوئے۔

زاہد فوج میں ہے۔ فرض کیا کسی دن اس سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے انسان ہی ہے نا۔ اور پھر اس کی غلطی اس کا کورٹ مارشل کرا دیتی ہے اللہ نہ کرے بانو گھبرا کر بڑبڑائیں

لیکن اللہ نہ کرے کہہ کر تو ہم مقدر کو نہیں بدل سکتے

سیٹھ امان گویا حقیقت پسندی کے انداز میں بولے

پرویز ڈاکٹر ہے۔ اس نے نئی نئی پریکٹس شروع کی ہے۔ اگر وہ نہ چلے تو پھر پھر ڈاکٹری کس کام کی۔ ایسی قابلیت سے فائدہ گھر میں بیوی کے لئے خوشحالی کی بجائے بد حالی ہی ہوگی۔

جانے وہ کیسی باتیں کر رہے تھے بانو متحیر سی انہیں دیکھے جا رہی تھیں۔

پھر صادق ہے۔ مانا بڑی محنت کر رہا ہے۔ بڑی اچھی گلاس فیکٹری لگا رہا ہے۔ چل پڑی تو وارے نیارے۔ لاکھوں میں کھیلے گا۔ اور اگر بد قسمتی سے کسی دن کوئی بھٹی پھٹ جاتی ہے۔ فیکٹری تباہ ہوگئی اور خود خاک سیاہ بالکل قلاش!

خدانخواستہ توبہ توبہ! یہ آج آپ کیسی باتیں کیے جا رہے ہیں بانو گھبرا کر تقریباً چیخ اٹھیں۔ مگر سیٹھ امان نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اپنی ہی کہے گئے۔

اب رہی انیس کی بات۔ انجینئرنگ کر رہا ہے۔ آخری سال ہے کر لے انجینئرنگ پھر اگر اسے کوئی اچھی نوکری نہ ملے تو۔ اور فی زمانہ نوکری کا حصول کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے علاوہ اس کا باپ بھی جائیداد والا نہیں ہے۔ پھر میری بیٹی کا مستقبل تباہ ہو گیا نا۔ ہانڈی چولہے میں سر کھپاتے اور کھدر و در پہنتے ساری عمر گزرے گی۔

جانے آپ کیسی باتیں کیے جا رہے ہیں

بانو الجھی سی پڑیں۔

چلو مانا ہر انسان کے ساتھ کسی نہ کسی حادثے کی ہر وقت توقع کی جا سکتی ہے۔ پھر آخر تو اس کا کہیں نہ کہیں کرنا ہی ہے۔ ایسی باتیں سوچ کر اسے گھر میں تو نہیں بٹھا رکھنا۔

بانو جو کبھی خاوند کے سامنے زبان نہ کھول سکی تھیں اس وقت خاصی تلخی سے بول رہی تھیں۔

اور پھر آپ نے ابھی اس کے جوان ہو جانے کا ذکر کیوں چھیڑا تھا۔ پڑا رہنے دیجئے اسے اسی طرح۔ جانے آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ بیٹی کی زندگی تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

تباہ کرنا ہوتی تو یہ سارے دلائل دیتا ہی کیوں۔ جب سے تم میرے پیچھے پڑی ہو اسی وقت کا بغیر دیکھے بھالے اسے کسی نہ کسی کے سپرد کر چکا ہوتا۔

سیٹھ امان کا لہجہ بدلا۔ چہرے پر عجیب سا نور بکھر اٹھا

تمہیں کیا معلوم بیگم! کہ مجھے گیتی سے کتنی محبت ہے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ اپنی جان دے کر بھی اس کے مستقبل کے لئے خوشیاں خرید لوں۔ اور یہ سب اس کی بے تحاشا محبت ہی کی وجہ ہے کہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں۔

وہ بیٹی کی محبت میں سرشار کھوئے کھوئے سے بولے جا رہے تھے۔ مگر بانو کو تو غصہ آیا ہوا تھا۔ اس غصے میں انہوں نے شوہر کی بات بہت دھیان سے سنی ہی نہیں۔ جو سنی بھی اس پر غور نہیں کیا۔ بس اپنی بڑبڑاہٹ میں ہی مصروف رہیں۔

نہ ڈاکٹر پسند، نہ میجر، نہ انجینئر اور نہ فیکٹری کا مالک پسند پتہ نہیں ان سے بڑھ کر آپ نے کونسا نواب یا بادشاہ ڈھونڈ لیا ہے

نواب کی نوابی چھن سکتی ہے اور بادشاہ کی بادشاہت

جانے سیٹھ امان مزید کیا کہنے لگے تھے۔ بانو تو سن ہی نہ سکیں۔ سب کچھ ہی برداشت سے باہر ہو گیا۔ ان کی بات درمیان میں ہی قطع کرتے ہوئے ان سے بہت پرے ہٹ گئیں۔

جو جی چاہے کیجئے آپ کی اولاد ہے بے شک ساری عمر گھٹنے کے ساتھ لگا کر بٹھائے رکھئے۔ آئندہ اگر کبھی اس موضوع پر بات کی جاؤں تو

بھئی بیگم! سچ مچ تم میں غصہ بہت ہے

سیٹھ امان نے مسکراتے ہوئے بانو کا ہاتھ تھام لیا۔ اور انہیں کھینچ کر پھر قریب

کرتے ہوئے بولے۔

تم بات تو پوری سن ہی نہیں رہیں

عجیب معنی خیز سا تبسم ان کے پورے چہرے پر بکھر اٹھا

میں نے تمہاری بیٹی کے لئے ایسا رشتہ ڈھونڈا ہے کہ جس کا نہ کورٹ مارشل ہو سکتا ہے۔ نہ فیکٹری کی بھٹی پھٹ سکتی ہے۔ نہ پریکٹس کے نہ چلنے کا کوئی خدشہ ہے اور نہ انجینئرنگ کر کے بھی اچھی نوکری نہ ملنے کا رونا۔ اور نہ نوابی یا بادشاہت چھننے کا غم

آپ تو پہیلیاں بوجھوا رہے ہیں۔

گو بانو اس وقت بہت غصے میں تھیں مگر شوہر نے بیٹی کا جو بر ڈھونڈا تھا اس کے متعلق جاننے کا تجسس بھی دل میں موجود تھا۔

کونسی ارفع و اعلیٰ ہستی تھی؟

قدرے نرم لہجے میں بولیں

بتائیے نا ایسا مقدر والا کون ہو سکتا ہے جس کے مستقبل میں ایسے کسی خطرے کا امکان نہ ہو

ایک مقدر والا

وہ بڑے انداز سے مسکرائے

بانو پھر الجھ پڑیں

ہر کوئی مقدر والا بھی ہو سکتا ہے اور ہر کوئی بے نصیب بھی اور جس کے متعلق علم ہو چکا ہو کہ وہ ہے ہی خوش نصیب

بانو نے پھر شوہر کی مخالفت کی

یہ تو صرف اوپر والا غیب دان ہی جانتا ہے

اور اسی غیب دان نے انسان کو عقل بھی دی ہے اور علم بھی

آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

بانو کی الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی

اپنا مینجر ہے نا؟

وہ جو نیا آیا ہے

دو مہینے ہو گئے اسے آئے ہوئے۔ اب بھی بیگم تم اسے نیا ہی کہتی ہو

سیٹھ امان نے اس کی حمایت میں گلہ کیا

اچھا آپ بات پوری کیجئے

بس اسی کے ساتھ میں اپنی بیٹی کا رشتہ کرنا چاہتا ہوں

وہ آپ کی مل میں مینجر ہے

بانو زیر لب مسکراتے ہوئے طنزیہ بولیں

اور اگر آپ کی مل کو کوئی حادثہ پیش آ جائے۔ اللہ رحم کرے۔ مثال کے طور پر آگ ہی لگ جائے۔ یا کوئی دشمنی کی بناء پر بارود ہی دکھا دے۔ پھر؟ پھر تو گیئی دونوں طرف سے ہی گئی۔ خاوند کی مینجری جائے اور باپ کی مل۔ بہت فائدے کی بات سوچی ہے نا؟

طنز نہ کرو میری پوری بات تو سن لو پہلے

سنائیے فرمائیے

بانو کا انداز وہی تھا۔ مگر سیٹھ امان نظر انداز کر گئے

جانتی ہو نا؟ اسے میں کس طرح گھر لایا تھا؟

ہاں وہ سب جانتی ہوں۔ آپ کی ہر منطق ہی نرالی ہوتی ہے بانو کی جبین پر بے شمار سلوٹیں ابھر آئیں۔

کسی نے اس کا ہاتھ دیکھ کر کہا خوش بخت ہے۔ ہمارا ملازمت کرے گا اس کے

نہ ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو رہے تھے۔

بانو جو ہمیشہ دبی رہیں۔ خوف کے مارے ایک سے دوسری بات نہیں کیا کرتی تھیں۔ شوہر کی نرمی دیکھ کر وہ پچھلی کسریں نکالنے پر تل گئی تھیں۔ شاید پھر کبھی شوہر کی طرف سے ایسی آزادی گفتار نہ ملے۔ شاید پھر موقع نہ ملے۔

نہ یہ جانا کہ وہ کون ہے۔ کوئی شریف انسان تو ہے۔ کہیں کوئی ٹھگ یا اچکا تو نہیں۔ نہ یہ پرکھا کہ اس کی قابلیت کتنی ہے۔ وہ اتنی بڑی مل کا جنرل مینجر بننے کا اہل ہے بھی یا نہیں۔ اور نہ ہی اس کا کوئی حسب نسب معلوم کیا کہ جوان لڑکی والے شریف گھرانے میں رکھنے کے قابل ہے بھی یا نہیں۔

بانو بے تکان لے جا رہی تھیں۔ یا شاید برسوں کے بندھے بند ٹوٹ گئے تھے۔

وہ تو شکر ہے خدا کا کہ میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔ اس نے ادھر انیکسی کی طرف کبھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اس طرف کبھی قدم نہیں دھرا۔ آپ کو صاف بتا دوں کہ اسے انیکسی میں اٹھا لانے والی آپ کی حرکت نہ مجھے اچھی لگی ہے اور نہ ہی آپ کی بیٹی کو۔

تبھی تم دونوں ماں بیٹی نے اس کا بائیکاٹ کرتے کرتے ساتھ میرا بھی کر دیا۔

تو ہم اور کیا کرتیں۔ آپ کے تو وقت کا ہر ہر لمحہ اس کے ساتھ گزرنے لگا ہے۔ آنا جانا اکٹھے۔ کھانا پینا اکٹھے۔ اٹھنا بیٹھنا اکٹھے۔ میں اپنی جوان جہان بیٹی کو ایک بالکل انجان شخص کے سامنے آنے جانے اور اٹھنے بیٹھنے کی اجازت کیسے دے دیتی۔ اس کے خاندان تک کا تو ہمیں علم نہیں۔

تو تم نے مجھ سے اپنی ماں بیٹی کی علیحدگی کی وجہ پہلے کیوں نہیں بتائی۔ تا کہ پھر میں تمہیں حالات سے باخبر تو کر دیتا۔

آپ نے کبھی پوچھا بھی۔ آپ نے کبھی موقع بھی دیا۔ جانے آج آپ نے یہ دو گھنٹے یہاں کس طرح گزار دیئے۔ جایئے جایئے جلدی سے جایئے کہیں وہ آپ کے بغیر اداس نہ ہو جائے۔

سیٹھ امان تو کبھی اتنے ٹھنڈے لہجے میں کسی سے گفتگو نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ شاید مینجر ہی کی ذات کا اعجاز تھا جو بانو کے طعنوں کے تیر بھی مسکرا کر سینے پر لے رہے تھے۔

وہ آخر چیز کیا تھا؟ بانو حیرت بھری نگاہوں سے شوہر کو دیکھ رہی تھیں

تم اپنی کہہ چکیں نا۔ اب ذرا غصہ تھوک کر ٹھنڈی ہو کر میری بھی بات سنو۔

سیٹھ امان نرمی بھری سنجیدگی سے بولے

یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے نا کہ پچھلے ایک سال سے ہماری مل کوئی منافع دینے کی بجائے ہمیں نقصان دے رہی ہے۔ اور اگر ایک دو مہینے اور اسی طرح گزرتے تو ہم دیوالیہ ہو چکے ہوتے۔

اللہ اپنا فضل کرے۔ ایسے بُرے کلمات منہ سے نکالتے ہیں!

اب تو صرف منہ سے نکال رہا ہوں نا۔ تب یہ سب کچھ بیت جانا تھا بیگم! اور جانتی ہو ہمیں اس ذلت، اس رسوائی سے بچانے والا کون ہے؟ یہی شخص اور اس کا مقدر

کیا مطلب؟

مطلب صاف ظاہر ہے۔ میں بے حد پریشان تھا۔ اکلوتی اور جوان بیٹی کا باپ ذمہ داریوں کے علاوہ دل میں یہ آرزو بھی رکھتا تھا کہ میری ذات سے اسے سکھ اور خوشیاں ہی ملیں۔ مگر

ایک لمحہ کے لئے وہ رکے۔ اور ایک لمبا سانس لیا اور پھر دھیمی آواز میں بولے۔

اس وقت کی رسوائی اور ذلت نے گیتی کا مستقبل بن جانا تھا۔ میں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ بہت تدابیر کیں مگر مل نے گھاٹے کے سوا کچھ نہ دیا۔ تب میں حوصلہ ہار بیٹھا۔ اس دن میں نے سوچ لیا تھا کہ اپنی بیٹی کو اگر میں اچھا اور خوشگوار مستقبل نہیں دے سکتا تو میرے جینے کا فائدہ ایسے باپ سے وہ بن باپ کے ہی اچھی

توبہ اللہ، کیا کہے جا رہے ہیں

مگر بانو کی بڑبڑاہٹ اور کپکپاتے لہجے کی طرف انہوں نے توجہ ہی نہیں دی۔

میں نے خودکشی کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ خودکشی کے لئے کونسا طریقہ استعمال کروں۔ میں کیفے میں بیٹھا چائے کم پی رہا تھا اور زیادہ یہ سوچ رہا تھا کہ اچانک ہی عابدی صاحب کی باتیں میرے کان میں پڑیں۔ تب یکلخت مجھے خیال آیا کہ یہ قدم اٹھانے سے پہلے ایک آخری کوشش یہ کیوں نہ کر دیکھوں۔ اس کا مقدر آزماؤں۔ عابدی صاحب نے کہا تھا کہ وہ اپنے محکمے کے لئے بھی بابرکت ثابت ہوگا۔

وہ جس سنجیدگی سے بات کر رہے تھے۔ بانو اسی سنجیدگی سے سن رہی تھیں۔

جس طرح ایک ڈوبتا انسان تنکے کو سہارا بنا بیٹھتا ہے اسی طرح میں اس کے مقدر کو اپنی آخری امید بنا کر گھر لے آیا۔ یوں بھی تم جانتی ہو مجھے اس علم پر پورا یقین ہے

اور پھر؟

وہ بات کرتے کرتے سانس لینے کو لمحہ بھر کے لئے خاموش ہوئے تو بانو بیتابی سے بول پڑیں۔

پھر کیا؟

پھر سیٹھ امان کے چہرے پر یقین کے پورا ہو جانے کی خوشی کا رنگین سا عکس تھا۔

اور آج ماشاءاللہ ہماری مل بہت منافع میں جا رہی ہے۔ یقین کرو بیگم! دو مہینوں کے اندر اتنا کام ہوا، اتنا منافع ہوا کہ پچھلا تقریباً سارا نقصان پورا ہو گیا۔

سچ کہہ رہے ہیں آپ؟

تو میں بھلا جھوٹ کیوں بولوں گا۔ اور وہ بھی تم سے؟

حیرت کی بات ہے نا؟

حیرت کی کیوں؟ پروردگار بے نیاز ہے۔ جس کا چاہے اچھا نصیب بنا دے اور جسے چاہے سیاہ بخت کر دے

ہوں

البتہ یہ اپنا کمال ہے کہ گدڑی میں سے لعل ڈھونڈ نکالا۔

اب لگے اپنی بڑائی جتانے

بانو مسکرائیں۔ اندر ہی اندر خوش بھی ہو رہی تھیں کہ کس طرح چپکے سے اتنے مشکل دن کٹ گئے۔

سچی بات۔ آپ کا اس میں کوئی کمال نہیں ہے۔ اگر وہ ہاتھ دیکھنے والا یہ کہہ دیتا کہ اس کے ہاتھ کی لکیروں میں بدبختیاں لکھی ہوئی ہیں تو پھر دیکھتی آپ اسے لے آتے

پھر بھلا کیوں لے آتا؟

سیٹھ امان بڑے انداز سے ہنسے

چلو وہ کمال میرا نہیں تو میرے یقین کی تو جیت ہوئی۔ تم ماں بیٹی تو سرے اس فن اور اس علم کو مانتی ہی نہیں۔ اب بتاؤ اب اس لڑکے کے خوش بخت ہونے پر اور بتانے والے پر یقین آیا یا نہیں؟

خیر وہ چھوڑیئے

بانو لاجواب سی ہو کر رہ گئیں۔ سوچوں میں کھوئے کھوئے چپکے سے پھر بنائی اٹھا لی

جب سے گیتی سیانی ہوئی ہے میں نے اس کے متعلق بہت کچھ سوچا ہے

سیٹھ امان نے تکیے کا سہارا لیتے ہوئے بانو کے ہاتھ سے بنائی پکڑ کر پرے ڈال دی

میری بات غور سے سنو۔ میں چاہتا تھا اور اب بھی چاہتا ہوں کہ دنیا جہان کی آسائشیں اور خوشیاں اپنی بیٹی کے قدموں میں ڈال دوں۔ اور میری یہ خواہش صرف اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ اس کے ساتھ گیتی کا مستقبل وابستہ کر دوں۔

وہ گویا فیصلہ کن انداز میں بولے۔اب ان کے لہجے میں وہ ہچکچاہٹ وہ گومگو کی کیفیت نہ تھی۔

اس کی ذات سے جس طرح مجھے فائدے پہنچے ہیں وہ اس کے نصیب والا ہونے کی مکمل طور پر سند ہیں میری گیتی اس کی شریک حیات بن کر ساری زندگی سکھ سے گزارے گی انشاء اللہ! بوڑھے باپ کی دعاؤں کے ساتھ میرا یقین بھی اس کی خوشیوں کو دوام بخشے گا۔

یہ تو سوچ لیتے کہ اگر ہم گھر کے سب رشتے چھوڑ کر ایک غیر کو گیتی کا ہاتھ پکڑا دیں گے تو سب رشتہ دار کیا کہیں گے؟

مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے کوئی کچھ کہے۔ ہر کوئی اپنی ہی اولاد کے لئے بہتری سوچتا ہے۔

لیکن بانو کسی گہری سوچ میں کھو گئیں

اب کیا لیکن ویکن؟

وہ لڑکا جانے کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟

اطوار سے تو کسی اچھے خاندان کا ہی لگتا ہے۔ ہاں یاد آیا۔ کسی بہت بڑے زمیندار کا بیٹا ہے۔ باپ مر گیا تو سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائی نے جائیداد سے علیحدہ کر دیا۔ بہت ساری زمینیں تھیں۔اور پڑھا لکھا کتنا ہے؟

بانو جیسے شوہر سے کچھ کچھ متفق ہوتی جا رہی تھیں

ایم اے ہے شاید

اور شکل صورت؟

بیگم! بیٹی کا رشتہ کرتے ہوئے لڑکے کی عادات و اطوار اس کا مستقبل اور مقدر دیکھا کرتے ہیں۔صورت شکل نہیں

پھر بھی؟

اب یہ عورتوں والی باتیں مجھ سے مت پوچھو، تم نے خود اسے نہیں دیکھا؟

نہیں بس پہلے دن گیتی نے ہی اس کا حلیہ بتایا تھا۔ آپ کو ہے کہ کمبخت جوڑوں کے اس درد نے مجھے دنیا سے کاٹ ڈالا ہوا بانو نے دکھ بھرا ایک ٹھنڈا سانس لیا۔

میرا مقدر تو ایک اسی کمرے میں قید ہو کر رہ گیا ہے۔ باہر نکلوں تو کسی سے ملوں جلوں۔ اگر آپ کا ارادہ ایسا تھا تو خود ہی مجھے لا دکھاتے۔ ارادہ تو اب بنا ہے۔ جب کہ پوری طرح میں نے اسے آزمالیا ہے۔

واہ مولی! تو بڑا کارساز ہے۔ میری گیتی جو ساری زندگی عیش کرے گی وہ علیحدہ۔ اس سے بھی زیادہ شکر گزاری کی بات تو یہ ہے کہ وہ ہماری نگاہوں کے سامنے رہے گی۔ ہمیں اس کی جدائی کا غم نہیں سہنا پڑے گا۔

سیٹھ امان تو اپنے اس فیصلے کے ہر ہر پہلو اور اس کی افادیت کا اظہار کرتے کرتے تھک نہیں رہے تھے۔

بیٹی کی جدائی کے مسئلے پر بانو نے اکثر بہت کچھ سوچا تھا۔ شوہر کا آخری فقرہ سنا تو ان کے چہرے پر عجیب سا رنگ دوڑ گیا۔

میرے جی کو سب سے زیادہ یہ بات لگی ہے

مطمئن اور پرسکون سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل گئی۔ گیتی جب سے سیانی ہوئی ہے اندر ہی اندر یہ غم لگا رہتا تھا کہ دوسرے گھر چلی جائے گی تو پھر میں کیا کروں گی۔ صرف ایک اولاد، اور وہ بھی بیٹی والے والدین کی زندگی نہ ویران ہو کر بھی بڑی ویران ہوتی ہے۔

آج بہت دنوں بعد شوہر کے ساتھ دکھ سکھ کرنے کا انہیں موقع ملا تھا۔

سوچتی رہتی تھی کہ آپا سے کہوں انیس مجھے دے دیں۔ بھائی جان سے پرویز مانگ لوں یا فیروزہ سے صادق۔ کہ کسی نہ کسی طرح گیتی گھر میں ہی رہ جائے۔ مگر ان کے دل بھی تو مجھ ایسے ہی ہوں گے۔ کون اپنی اولاد کسی کو دیتا ہے اور وہ بھی بیٹا۔

بانو پہلی بار صاف دلی سے اپنے شوہر کے ساتھ متفق ہوئیں۔ اور یہ آپ کا مینجر رہے گا تو اسی گھر میں اس لحاظ سے تو یہ رشتہ اچھا ہی ہے

نہ صرف اس لحاظ سے بلکہ بیگم! تم دیکھنا ہر لحاظ سے یہ رشتہ اچھا رہے گا البتہ

سیٹھ امان یک دم خاموش ہو کر کسی خیال میں کھو گئے

البتہ کیا؟

بانو گڑبڑا گئیں۔ جیسے ان کے گھر کی رونق پھر ویرانی میں بدلنے لگی تھی۔

اس کے لئے تمہیں کچھ کوشش کرنا ہوگی

مجھے کوشش کرنا ہوگی؟ کیا مطلب؟

دیکھو نا ہم بیٹی والے ہیں۔ اپنی زبان سے تو اسے کہہ نہیں سکتے۔ کہ آؤ ہماری بیٹی سے شادی کر لو

ہاں یہ تو درست ہے

تو تم کوئی ایسا انتظام کرو کہ وہ بیٹی کو دیکھ لے

اس نے اس دن دیکھا تو ہوگا

بانو سادگی سے بولیں

معلوم نہیں

تو چلتی پھرتی کو پھر کسی دن دیکھ لے گا۔ میں اسے بہانے بہانے ادھر انیکسی کی طرف بھیج دوں گی۔

بانو مذہب کی بھی پابند تھیں اور دقیانوسی خیالات بھی نہیں رکھتی تھیں۔ لڑکا لڑکی کو دیکھ لے اور لڑکی لڑکے کو یہ تو عین شرع شریعت کا حکم تھا۔

اوہ بیگم! تو بڑی ناسمجھ ہو

اب سیٹھ امان کچھ الجھ کر بولے

خالی دیکھنے ہونے سے کچھ نہیں بنتا۔ یوں تو دن میں سینکڑوں لڑکیاں چلتی پھرتی

دکھائی دے جاتی ہیں۔

پھر؟ آپ کیا چاہتے ہیں؟

دونوں میں تھوڑی سی جان پہچان

سیٹھ اماں کچھ کہتے کہتے ہچکچا کر خاموش ہو گئے

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

بانو اس کا مطلب پوری طرح سمجھ نہ پائیں۔ جو تھوڑا سا سمجھا اسی نے انہیں متعجب سا کر دیا۔

وہ وہ سیٹھ اماں سٹپٹا گئے

وہ اسے دیکھ لیتا۔ گھبراہٹ میں انہوں نے پھر وہی بات دہرا دی

میں نے کہا نا کہ کوئی ایسا موقع بنا دوں گی

نہیں بیگم نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ

کہہ بھی ڈالئے۔ بات چبائے جاتے ہیں

تم خود ہی کیوں نہیں سمجھ لیتیں

آخر ان کی الجھن ڈھکے چھپے الفاظ میں زبان تک آ گئی

میں بیٹی کا باپ ہوں

اب مجھے کیا پتہ کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟

بانو اب بھی سمجھ نہ سکیں

مجھی سے بات کر رہے ہیں نا۔ کوئی غیر تو موجود نہیں۔ صاف صاف کہہ دیجئے

وہ میں کہہ رہا تھا

وہ بانو کے اور بھی قریب ہو گئے پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولے

نہ صرف ایک دوسرے کو دیکھ لیں بلکہ ان میں تھوڑی بہت علیک سلیک بھی ہو جائے تا کہ تا کہ

ہاں ہاں تا کہ کیا؟

میری بیٹی بڑی خوبیوں کی مالک ہے۔ میں چاہتا ہوں اس کی ساری صفات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ پرکھ کر وہ اپنے آپ ہم سے یہ رشتہ مانگنے پر مجبور ہو جائے۔

ہائے ہائے! یہ کیسی بات آپ نے سوچ لی؟

بانو ہمیشہ زمانے کے ساتھ چلیں مگر مذہب اور شرع کا خیال رکھ کر۔ نئی روشنی کی چکا چوند ان کی مذہبی اقدار کی آنکھوں کو کبھی نہ چندھیا سکیں۔

نہ بیگم! پھر اور کیا ہو سکتا ہے؟ میں نہیں چاہتا کہ اس رشتہ کو ہاتھ سے گنواؤں۔ اس جیسا آبدار گوہر لاکھ سمندروں میں غوطے لگاؤں تو مجھے نہیں ملے گا۔ اور سچی بات خود اپنی زبان سے میں یہ کہہ بھی نہیں سکتا کہ آؤ تمہیں اپنی بیٹی کا رشتہ دوں۔

کسی اور سے تو کہلوایا جا سکتا ہے؟

لیکن یہ پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ اس کی کوئی ماں بہن تو ہے نہیں جو لڑکی کے جو ہر دیکھ کر اور تعریفیں کر کر اکر اسے اس رشتہ پر آمادہ کر لیں گی۔ اور یوں کسی اور کے کہنے سے وہ اندھا سودا کیسے کر لے۔

سیٹھ امان نے کھلے کھلے الفاظ میں بانو کو سمجھایا۔

جب کہ پہلے دن ہی گیتی نے اسے بہت غلط سلط باتیں کہہ ڈالی تھیں۔ اس کے ذہن میں تو یہی ہو گا کہ گیتی مغرور اور خود سر لڑکی ہے۔ اور کسی اور کے کہنے سے وہ یہ رشتہ منظور نہیں کرے گا

حالانکہ میری بیٹی ایسی ہے نہیں جانے اس دن اسے کیا ہو گیا تھا؟

مل کے نقصان سے وہ بھی بیچاری تو پریشان تھی

باپ نے اپنی دانست میں اس کی صفائی پیش کی

ہاں یہ بات تو ہے

پھر اب؟

سیٹھ امان کھوئے کھوئے سے پھر چونکے

سب سے بہتر حل یہی ہے بیگم! خود ہی پرکھ لے گا

اور اگر

بانو کسی انجانے خطرے کے تحت بول پڑیں۔

اس نے ناپسند

نہیں نہیں ہماری گیتی ناپسند کرنے والی لڑکی نہیں ہے۔ وہ یقیناً ایک دو ملاقاتوں میں ہی اس کا دل موہ لے گی۔

ہائے ہائے کچھ ہوش کیجئے

بانو ایک دم طیش میں آگئیں

کیسے نازیبا الفاظ منہ سے نکالے جا رہے ہیں

اوہ! انہوں نے گھبرا کر بانو کو دیکھا

معاف کر دو واقعی مجھے یوں نہیں کہنا چاہیے تھا

پھر گویا پشیمان سے ہو کر بولے

لیکن میں کیا کروں؟ تمہیں کیسے بتاؤں کہ یہ میری دلی تمنا ہے میں یہ رشتہ ضرور کرنا چاہتا ہوں۔ تم نے ابھی اسے دیکھا نہیں نا۔ بڑا پیارا بچہ ہے۔ گیتی کی اور اس کی جوڑی لاکھوں میں ایک ہوگی۔ یوں بھی نصیب والا ہے۔ ہم سب ہی کی بہتری اسی میں ہے بیگم! بانو بڑے غور سے شوہر کے چہرے پر مختلف قسم کے رنگ بکھرتے سمٹتے اور پھیلتے دیکھ رہی تھیں۔

یقیناً وہ اتنا اچھا تھا جو سیٹھ امان اتنی شدت سے اس کی چاہت کر رہے تھے۔ ان کے انداز میں کسی نادر و نایاب چیز کے حصول کی سی بے قراری تھی۔

وہ جوان اور اکلوتی بیٹی کے باپ تھے۔ انہیں اس سے شدید محبت تھی۔ ان سے زیادہ گیتی کی بہتری کے لئے کوئی اور سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔

خود وہ بھی نہیں کہ وہ صرف سوچ سکتی تھیں۔ مگر اپنی مجبوری کے تحت بیٹی کے لئے کر کچھ نہیں سکتی تھیں۔ چنانچہ باپ ہی کی خواہش پوری ہونا چاہیے تھی۔

اگر واقعی اس میں ہی سب کی بہتری ہے اور ساتھ آپ کی دلی تمنا بھی تو میں ضرور اس کے لئے کوئی چارہ کروں گی۔ آپ اتنا فکر کیوں کر رہے ہیں۔

بانو نے شوہر کو تسلی دی

میں کچھ گیتی کو سمجھاؤں گی۔ کوئی اور تدبیر سوچوں گی۔ انشاءاللہ آپ کی خواہش پوری ہو گی۔

بانو نے کچھ اس انداز میں کہا کہ سیٹھ امان کی آنکھوں میں اطمینان کی لہر لہرا گئی۔

تو پھر میں مطمئن رہوں؟

بالکل!

دونوں مسکرا دیئے

☆

ہیلو گیتی!

خدا کے لئے سحر! کبھی سلام جیسا پیارا لفظ بھی منہ سے پھوٹ دیا کرو۔ تم تو بالکل ہی انگریزی ہوئی جا رہی ہو۔

گیتی نے بڑے خوبصورت انداز میں اس کی نقل اتاری

کسی کے پاس جاؤ تو ہیلو! وہاں سے ٹلو تو بائی بائی۔ ہماری زبان میں اپنے بڑے اچھے الفاظ موجود ہیں۔

سحر پرس پلنگ پر پھینکنے کے بعد وہیں کھڑے کھڑے دور پرے جوتا پھینک رہی تھی۔

اور مہربانی کر کے تم ملتے ہی مولانا صاحب! اپنے وعظ و نصیحت نہ شروع کر دیا کرو

تم آتے ہی انسانوں کی طرح اسلام علیکم کہہ دیا کرو تو میں کبھی وعظ نہ شروع کیا کروں۔

پرس، جوتے اور دوپٹہ پھینکنے کے بعد سحر نیچے قالین پر اوندھی لیٹ گئی۔

ہیلو کہنا حیوانی حرکت ہے؟

حیوانی نہیں تو مغربیانی ضرور ہے

گیتی نے سر کے نیچے رکھنے کے لئے تکیہ اٹھا کر سحر کے منہ پر دے مارا۔

ویسے مجھے اتنا تعصب بھی پسند نہیں

جس خلوص سے گیتی نے تکیہ پھینکا تھا۔ اسی خلوص سے سحر نے سر کے نیچے ٹکا لیا۔

[illegible]

گیتی نے اس کی بات قطع کی

اور نہ ہی متعصب ہوں۔ اور نہ ہی کسی زبان کے ساتھ دشمنی رکھتی ہوں۔ سلام کرنے کے لئے تو اس لیے کہتی ہوں کہ یہ حدیث ہے

اوہ گیتی! یکدم سحر چیخ پڑی

تم ایسی خوبصورت، نازک اور کومل سی لڑکی کے منہ سے حدیث اور مسئلے مسائل سن کر مجھے بے حد حیرت ہوتی ہے اور بڑا دکھ بھی

کیوں؟ میں مسلمان نہیں ہوں اور مسلمان لڑکیاں کیا خوبصورت، کومل اور نازک نہیں ہوتیں؟

خوبصورت، کومل اور نازک لڑکیاں نہ مسلمان ہوتی ہیں، نہ ہندو، نہ عیسائی، نہ پارسی، نہ جینی، نہ بدھ اور نہ

گیتی کے قہقہے نے سحر کی بات خود بخود ہی منقطع کر دی

پھر کیا ہوتی ہیں؟

ان کا ایک ہی مذہب ہوتا ہے۔ سوسائٹی کی روح رواں بننا۔ خوبصورت خوبصورت، جوان جوان اور امیر لڑکوں کے دل جیتنا مگر۔ کسی کے ہاتھ نہ آنا اور پھُر کر کے اُڑ جانا

واہ واہ! بھئی واہ واہ!

گیتی نے تالی بجائی

ایک پکے مسلمان، ایک قرآن مجید کے حافظ کی بیٹی ہو کر بہت پاکیزہ اور عمدہ خیالات پائے ہیں تم نے۔

کے بھی کچھ فرائض ہیں جو تم پر عائد ہوتے ہیں

دیکھو گیتی! تم میری دوست ہو، بڑی پیاری، بڑی عزیز کبھی کبھی تو نصیحت در گزر کی جاسکتی ہے مگر یہ ہر وقت کے وعظ بالکل نامنظور تم میری صرف دوست ہی رہو۔ تمہارا بس یہی روپ مجھے پسند ہے۔

اور مجھے بھی تمہاری دوستی بے حد عزیز ہے۔ اسی لیے تو اکثر نصیحت کر بیٹھتی ہوں کہ

شوخی بھری مسکراہٹ گیتی کے ہونٹوں پر پھیلی

ایسا نہ ہو اگلے جہاں جا کر تم مجھ سے بچھڑ جاؤ

وہ کیوں؟

میں اپنی نیک عادات کی وجہ سے بہشت میں چلی جاؤں اور تم جہنم میں پڑی جلتی رہو

یہ تو اب خدا ہی بہتر جانتا ہے

سحر مسکرائی

سنا ہے اس کے بخشنے کے ڈھنگ نرالے ہیں، ذرا سی بات پر بخش دیا کرتا ہے اور

خاموش کیوں ہو گئی ہو، اور کیا؟

اور موڈ میں آئے اللہ تعالیٰ تو تم جیسی پرہیز گاروں کی ذرا سی غلطی پکڑ لے۔ وہ بڑا بے نیاز ہے گیتی! ڈرو اس سے 10 وریوں بڑے بول نہ بولو۔ کیا پتہ اگلی دنیا میں میں جنت الفردوس کے پر بہار باغوں میں مٹر گشت کرتی پھروں اور تم

آگے کچھ مت بولنا

گیتی نے دوسرا تکیہ اٹھا کر اس کے منہ پر پھینک دیا

شکریہ!

سحر زور سے ہنسی

مجھے اس تکیے کی بھی ضرورت محسوس ہو رہی تھی

سحر نے وہ بھی سر کے نیچے دھر لیا

ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ ہر وقت نصیحتیں نہ کیا کرو۔ میری طبیعت عجیب سی ہے۔ اس طرح میں اور بھی چڑ جاتی ہوں۔

سحر یکدم سنجیدہ ہو گئی

اور پھر اور بھی خراب ہو جاتی ہوں

اوہ!

ہاں میرے ڈیڈی ہی مجھے اتنی نصیحتیں کرتے رہتے ہیں کہ پھر کسی اور کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پیمانہ لبالب بھر کر چھلکنے لگ جاتا ہے۔

تبھی تم مذہب سے اتنی بیگانہ ہوئی جا رہی ہو؟

خیر چھوڑو اس قصے کو

سحر نے جیسے اس موضوع سے اکتا کر ہاتھ ہوا میں لہرایا اور میرے ساتھ کچھ ہلکی پھلکی سی باتیں کرو۔ میں تمہارے پاس اسی لیے آتی ہوں۔

سناؤ پھر یونیورسٹی کیسی چل رہی ہے؟

گیتی نے مہمان نوازی کے طور پر اس کا پسندیدہ موضوع چھیڑ دیا۔

بہت خوب، بہت اچھی

اور پھر سحر مزے مزے سے اسے پچھلے دنوں گزرنے والے پر لطف واقعات سنانے لگی۔ کہ کس کس لڑکے نے اور کس کس طرح اس سے اظہار محبت کیا۔

کس کس نے کرنے کی کوشش کی مگر فطری بزدلی کی وجہ سے کر نہ سکے اور ہکلا ہکلا کر صرف نوٹس مانگ کر ہی رفو چکر ہو گئے۔

پھر سحر نے ان کی کس کس طرح پذیرائی کی۔ وہ ہنس ہنس کر سناتی رہی۔ کون اس سے اظہار محبت کے جواب میں ڈانٹ کھا کر دم دبا بھاگا اور کون بڑا بہادر نکلا جو

ڈانٹ کھا کر بھی اس کے اردگرد دم ہلاتا پھرا۔

گیتی سنتی رہی، ہنستی رہی، محظوظ ہوتی رہی

اسی لیے تمہارے ڈیڈی تمہیں یونیورسٹی نہیں بھیجنا چاہتے تھے مگر ہماری ہمت اور بہادری دیکھو، یونیورسٹی گئے، نہ صرف اپنی مرضی سے ہی بلکہ ان کی رضامندی سے

سحر نے بڑے فاتحانہ انداز میں اپنی بڑائی جتائی

اگر کسی والدین کی ساری اولاد میں سے ایک دو بچے اتفاق سے زندہ رہ جائیں تو وہ اکلوتی اولاد کی طرح عذاب ہوتے ہیں

گیتی زیرلب مسکراتے ہوئے شوخی بھرے لہجے میں بولی

کیوں؟

تم دونوں بہنوں کی طرح لاڈلے ہو جاتے ہیں

پھر تم ہم سے بھی بڑا عذاب ہو

سحر نے فوراً سے اس کی حیثیت کا احساس دلایا کہ وہ تو بالکل ہی اکلوتی تھی۔ اور خود اس کی تو پھر بھی ایک بہن موجود تھی۔

میرا مطلب نافرمان اولاد سے تھا

گیتی جھٹ سے بولی

اور میں اکلوتی ہونے کے باوجود لاڈلی بالکل نہیں بلکہ والدین کی بڑی فرمانبردار اولاد ہوں۔

جب وقت پڑا تو تمہاری فرمانبرداری بھی دیکھ لیں گے۔ تمہاری مرضی اور تمہارے والدین کی مرضی کا ابھی کسی معاملے میں ٹکراؤ نہیں ہوا۔ ہونا ہوتا تو کب کا ہو چکا ہوتا

گیتی نے گویا اپنی فرمانبرداری کی شیخی ماری سحر ہنس دی

نہیں میری جان! یہ بات نہیں۔ دراصل تمہاری ماں اور باپ کے عقائد کے

درمیان مغرب اور مشرق کا سا فاصلہ نہیں تھا۔ دونوں مذہب کی عائد کردہ پابندیوں کے اندر رہ کر زمانے کے ساتھ چلے۔ ان کی آپس میں رسہ کشی نہیں ہوئی کہ ایک تمہیں ادھر کھینچتا اور دوسرا دوسری طرف سحر ہمیشہ صاف بات کرنے کی عادی تھی۔

تمہیں آٹے دال کا بھاؤ تب معلوم ہوتا جو کہیں میرے باپ کی طرح تمہارا باپ بھی حافظ قرآن ہوتا اور ماں بہت زیادہ نئی تازہ روشنی کی دلدادہ سحر یکدم بڑی سنجیدہ ہو گئی۔

پھر ماں کے اصرار پر باپ تمہیں چپ چاپ انگریزی کے سکول میں داخل کرا دیتا۔ اور قرآن مجید کی بجائے آج کی عیسائیت کی اپنی تخلیق کردہ بائبل پڑھتے پڑھتے اور مخلوط تعلیم حاصل کرتے کرتے جب تم جوان ہوتیں۔

گیتی ہاتھوں کی رحل میں چہرہ سجائے چپ چاپ بیٹھی بڑے غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

تو اچانک تمہارے باپ کو احساس ہوتا کہ میں تو حافظ قرآن ہوں میری بیٹی کو تو سفید شٹل کاک جیسا برقع اوڑھنا چاہیے تھا۔ اسے بائبل نہیں قرآن پڑھنا چاہیے تھا۔ تو تو تم بتاؤ آزاد فضاؤں میں پرواز کرنے والے پرندے کو کبھی قفس میں بند کیا بھی جا سکا ہے؟ اور اگر کر بھی لیا جائے تو وہ ہر ممکن کوشش سے تیلیاں توڑ پھوڑ کر پھر کر کے اڑ نہیں جائے گا؟

گیتی اسی خلوص اور توجہ سے سن رہی تھی مگر سحر بات کرتے کرتے خود ہی اس موضوع سے اکتا گئی۔

چھوڑ اس معاملے کو۔ تو صحیح فیصلہ نہیں کر سکے گی۔ ہاں یہ بتا تیرے منیجر کا کیا حال ہے؟

میرا کیوں ہونے لگا؟

گیتی تنک کر بولی

اب بھی اس کے لئے شامی کباب بناتی ہے؟

ہاں

گیتی جیسے بسوری، سحر زور سے ہنس پڑی

تو خواہ مخواہ ہی اندھا دھند اس سے نفرت کئے جا رہی ہے میں تو کہتی ہوں ایک بار پھر اسے ایک نظر دیکھو

بھئی کہا نا کہ دیکھا تھا اور پھر

دوبارہ دیکھنے کی حسرت نہ رہی سحر نے قہقہہ لگایا

ہاں

مگر اب مینجر بننے سے شاید اس کا حلیہ بہتر ہو گیا ہو۔ دیکھ کر تو دیکھو

حلیے کی بات نہیں سحر! بس دل کی بات ہے۔ وہی جیسے تم کہتی ہو کہ چڑ ہو جاتی ہے۔ یہی معاملہ میرا ہے۔

گیتی! چڑ وڑ کوئی نہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ گھر میں بند رہ رہ کر بس تمہارا دل مردہ ہو گیا ہے

نہیں دل بالکل مردہ نہیں ہوا

گیتی نے کمال فراخدلی سے اعتراف کر لیا۔ یوں بھی وہ سحر سے مخاطب تھی۔ جس سے اس نے کبھی دل کی کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔

باوا جان نے اس کی خوش بختی کا کچھ اس طرح ڈھنڈورا پیٹا ہے اور بغیر سوچے سمجھے ایسا قدم اٹھایا ہے کہ جو میرے جی کو کچھ اچھا نہیں لگا۔ اور باوا جان چونکہ میرے باپ ہیں انہیں کچھ کہہ نہیں سکی سارا کا سارا غصہ

عضو بر نحیف گر گیا

سحر نے اس کی بات مکمل کر دی

ہاں بس یہی سمجھو

بڑی ناانصاف ہو

نہیں نہیں یہ بات بھی نہیں

پھر؟

پھر؟ گیتی کھوئی سی بولی

پتہ نہیں کیا بات ہے۔بس جانے کیوں وہ مجھے اچھا نہیں لگا۔

لیکن لیکن

اچانک گیتی کو کچھ سوجھا

سحر! ایک بات میں نے نوٹ کی ہے

کیا؟

سحر متجسس سی اٹھ کر بیٹھ گئی

کچھ دنوں سے پتہ نہیں کیا ہوا ہے۔امی میرے سامنے اکثر اس کی تعریفیں کرتی رہتی ہیں۔حالانکہ وہ نہ کبھی اسے ملی ہیں نہ کچھ کہیں باواجان اس کی خوش بختی

وہ مارا

سحر نے تالی بجاتے ہوئے زوردار قہقہہ لگایا۔پھر یکدم اٹھ کر اپنی بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔

میں ابھی خالہ جان کے پاس جا کر سن گن لیتی ہوں

جاسوسی کرنے کے فن میں خود سحر کو اپنی دانست میں اسے کمال حاصل تھا۔

دوپٹہ اوڑھا،جوتا پہنا،پرس بازو میں لٹکایا۔

گیتی پکارتی رہ گئی سحر رکی ہی نہیں۔تیز تیز چلتی سیدھی بانو کے کمرے میں جا پہنچی

اسلام علیکم خالہ جان!

وعلیکم!

بانو نے اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے نگاہ اٹھائی

سحر آئی ہے

جی خالہ جان! سنایئے طبیعت کیسی ہے؟

جی رہی ہوں بیٹی! شکر ہے پروردگار کا۔ تم سناؤ امی کیسی ہیں؟

سب ٹھیک ٹھاک ہیں

گیتی کہاں گئی؟ اپنے کمرے میں ہی گھسی ہو گی گیتی! گیتی!! اس سے میں مل آئی ہوں خالہ جان!

کوئی چائے وائے بھی پوچھی تمہیں؟

کوئی بھی نہیں

سحر شوخی سے مسکراتے ہوئے ان کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گئی۔

کیا کر رہی تھی؟

بانو نے بیٹی کے متعلق استفسار کیا

شامی کباب بنانے لگی تھی

شامی کباب؟

بانو متحیر سے اسے دیکھنے لگیں

وہ تو ابھی کل ہی بنے تھے

آج پھر بنانے لگی ہے کہتی تھی روز بنانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ جس دن نہ بناؤں جمائیاں سی آنے لگتی ہیں اور جسم ٹوٹتا رہتا ہے

سحر کی مسکراہٹ نے اس کی شرارت کی نشاندہی کر دی

ٹھہر جا تو شریر!

بانو مسکراتے ہوئے بڑے پیار سے سحر کو گھورنے لگیں

تو مجھ سے بھی شوخیاں کرنے سے باز نہیں آتی نا

اوہ خالہ جان!

سحر نے لاڈ سے ان کے کندھے کے ساتھ سر ٹکا لیا۔ بانو کے ساتھ بھی اس نے بزرگانہ کی بجائے دوستانہ رشتہ جوڑ رکھا تھا۔ وہ بڑی محبت سے اس کی پشت تھپکنے لگیں

پڑھائی کا کیا حال چال ہے بیٹی؟

بس خالہ جان! چل ہی رہی ہے ویسے امتحان میں پاس نہیں ہونگی

خدا نہ کرے اتنا خرچ ہوا ہے کامیابی کی صورت میں پھل ملنا ہی چاہیے

وہ مقدر والوں کو ملا کرتا ہے خالہ جان!

تو بھی بڑی مقدر والی ہے۔ بس ذرا محنت کر لے۔

لیجئے بھلا یہ کیا بات ہوئی۔ اگر مقدر والی ہوں تو محنت کی کیا ضرورت ہے؟ مقدر خود بخود بغیر پڑھے یا محنت کیے ہی پاس کرا دے گا۔

نہیں بیٹی نہیں۔ ایسی بات کبھی بھی دل میں نہ بٹھانا۔ محنت بہت ضروری ہوتی ہے۔ اسی سے مقدر بنتا ہے

اور ہم نے دیکھا ہے بغیر محنت سے بھی مقدر بن جاتا ہے

سحر کے اس فقرے سے بانو کچھ چپ سی ہو گئیں

خالہ جان! یہ جو آپ کا نیا منیجر آیا ہے یہ آخر ہے کیا چیز؟

انسان ہے بیٹی اور کیا ہونا ہے؟

نہیں میرا مطلب ہے ہمارے نصیب میں اس کا دیدار ہی نہیں ہوا۔ سنا ہے لمبی سی داڑھی والا بڑا وضع والا بزرگ ہے۔ انتہائی ایمانداری سے کام کرتا ہے اور اس کے علاوہ حدیث وفقہ پر بھی کافی عبور حاصل ہے۔ ہمارا تعارف ہو جاتا تو کچھ فیض ہم بھی حاصل کر لیتے۔

سحر بے حد سنجیدہ تھی۔ بانو بے اختیار ہنس دیں

جانے کیوں گیتی اس کی دشمن بن گئی ہے۔ اچھا بھلا لڑکا ہے۔ اس کے متعلق یہ سب کچھ اس نے محض دشمنی میں بتایا ہے

داڑھی واڑھی کوئی نہیں؟

سحر اسی طرح سنجیدہ تھی

نہیں بیٹی! بہت پڑھا لکھا اور قابل شخص ہے

سچ مچ؟

ہاں

پھر بانو کسی سوچ میں کھو گئیں۔ سحر چپ چاپ ان کی اس کھوئی کھوئی کیفیت کو دیکھتی رہی۔ سمجھ گئی تھی کہ ان کے دل کے اندر کچھ تھا جو وہ اسے بتانا بھی چاہ رہی تھیں اور کچھ کہہ بھی نہیں پا رہی تھیں۔

کیا سوچ رہی ہیں خالہ جان؟

سحر کا تجسس بے قرار ہو اٹھا

وہ وہ

بانو پھر چپ ہو گئیں

ہاں خالہ جان! کیا کہنے لگی تھیں؟ کوئی راز کی بات ہے کیا؟

تم سے راز کیا ہونا ہے بیٹی! جیسی گیتی ویسی تم اور پھر اس معاملے میں! تم تو گیتی کی دوست ہو شاید تمہیں کچھ

تب بانو نے اپنا ہی فقرہ ادھورا چھوڑ کر کچھ ہچکچاتے اور کچھ جھجکتے ہوئے شوہر کی خواہش سحر کے گوش گزار کر دی۔

اور گیتی تو کسی طرح پلّے پر ہاتھ دھرنے ہی نہیں دے رہی۔ اس کے ساتھ تو اسے خدا واسطے کا بیر ہو گیا ہے۔ اس کے متعلق کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں۔

بانو تقریباً دکھی سی ہو کر جی کی ہر بات بتا گئیں۔ ہر پریشانی کھول کر اس کے سامنے رکھ دی۔ آخر میں بڑے منت بھرے لہجے میں بولیں

اب بتاؤ کیا تم اس سلسلے میں ہماری کچھ مدد کرو گی۔ تم سے اسے بڑا پیار ہے

تمہاری ہر بات مانتی ہے۔ یقیناً تمہاری بات سن لے گی۔ یوں بھی تم اس سے زیادہ عقل رکھتی ہو

کب خالہ جان؟

سحر کسر نفسی سے بولی

میں صحیح کہہ رہی ہوں۔ تم ہمارا مدعا اسے بڑی اچھی طرح سمجھا لوگی۔ مجھے پورا یقین ہے

بانو نے کچھ اس انداز میں بات کی تھی کہ ان کی ساری سوچیں سحر اپنے ذہن میں محسوس کرنے لگی۔ اس معاملے کی ساری کی ساری ذمہ داری کا بوجھ اسے اپنے کندھوں پر پڑا ہوا محسوس ہونے لگا

اور اب وہ سوچوں میں کھو گئی۔

پھر؟

بانو اس کے کھوئے کھوئے انداز کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں کیا ہمارا یہ کام کرو گی؟

کیوں نہیں خالہ جان!

بانو کی نگاہوں میں کچھ ایسی التجا تھی کہ سحر نے بلا سوچے سمجھے حامی بھرلی

ضرور کروں گی لیکن

لیکن کیا؟

میں اسے یہ نہیں بتاؤں گی کہ آپ نے اور خالو جان نے یہ سوچ لیا ہے۔ ورنہ وہ مزید چڑ جائے گی

میں نے کہا تھا نا کہ تم بہتر طریقے سے اس سے بات کرسکو گی

بانو نے تعریفی انداز میں اسے دیکھا

یہ تم نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا

میں اس کی طبیعت کو اچھی طرح جانتی ہوں۔اس کی ہم عمر ہوں نا۔اسی طرح میں بھی بلا سوچے سمجھے کسی نہ کسی معاملے سے چڑ جایا کرتی ہوں۔پھر وہ بے شک میرے فائدے کا بھی ہو مگر

سحر ہنس دی

ہر عمر کی فطرت علیحدہ ہوتی ہے خالہ جان! جہاں عمر کا فرق پڑا سوچ کا بھی پڑ جاتا ہے

میں نے کہا تھا نا کہ تم بڑی عقل والی ہو

بانو متعجب اور ستائشی نگاہوں سے سحر کی ننھی سی کھوپڑی کو دیکھ رہی تھیں۔بظاہر یہ لڑکی کیسی کھلنڈری اور شوخ سی تھی۔مگر باتیں کتنی عقل والی کرتی تھی۔گیتی تو اس کے مقابلے میں خاصی احمق سی تھی۔ایک دم انہیں احساس ہوا۔

سحر اٹھ کھڑی ہوئی

پھر؟ کیا کرو گی؟

بانو نے گویا ایک بار پھر اپنی تسلی کر لینا چاہی

اب خالہ جان! یہ میرا مسئلہ ہے

سحر پورے اعتماد سے بولی

جانے ان چند منٹوں میں اس نے کیا سوچ لیا تھا۔

خدا تمہیں خوش رکھے

سحر کی تسلی اور پر یقین لہجے نے بانو کے چہرے پر سے فکر و تردد کی پرچھائیاں مٹا ڈالیں۔بڑے پیار سے سحر کو دیکھتے ہوئے انہوں نے پھر اپنی بنائی اٹھا لی۔

پھر خالہ جان! اجازت ہے؟ چلوں اب شام ہو رہی ہے لو ابھی تو آئی ہو۔کچھ دیر بیٹھو۔چائے وائے پی کر جانا

گیتی نے شامی کباب بنا لئے ہوں گے۔کھا کر ہی جاؤں گی

سحر ہنستے ہوئے اور پرس ہوا میں اچھالتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی

شریر!

بانو کے لبوں پر محبت بھری بڑبڑاہٹ تھی۔

☆

''جانے تمہیں وہ کیوں اتنا بُرا لگنے لگا ہے؟''

بہت دن گول مول انداز میں سمجھانے بجھانے اور سر کھپانے کے بعد آخر سحر زچ سی ہو کر رہ گئی

پتہ نہیں کیوں؟

گیتی نے پھر جھجکے سے اعتراف کر لیا۔ مرغے کی وہی ایک ٹانگ! سحر کو غصہ بہت آیا۔ لیکن پی گئی۔ زندگی میں پہلی ذمہ داری سر لی تھی۔ وہ بھی بانو کے کندھوں کو سہارا دیا تھا۔ جو اسے بہت اچھی لگتی تھیں۔ کچھ گیتی کی ماں کے ناطے اور کچھ ان کے تقدس اور مجبوریوں کی وجہ سے

ہر وقت کی تکلیف کے باعث وہ ایک کمرے میں ہی مقید ہو کر رہ گئی تھیں۔ مگر پھر بھی ہر وقت کلمہ شکر ان کی زبان پر رہتا۔ خدا کی لگن کا ایسا سچا جذبہ اس نے اپنے گھر میں کبھی نہ پایا۔

انہیں چند وجوہات نے جو اس کے دل میں بانو کے لئے انس و محبت بسا رکھا تھا۔ وہ اسے مجبور کر رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح گیتی کو رضامند کر لے۔

تبھی وہ غصے کو پی گئی۔ گرم ہو جاتی تو بات بننے کی بجائے بگڑنے کا اندیشہ تھا۔

خالہ جان تو کہہ رہی تھیں کہ بڑا اچھا بچہ ہے

اسی نرمی سے بڑبڑائی

ہو گا

گیتی نے پھر لاتعلقی کا اظہار کیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ جیسے وہ اب اس موضوع پر مزید گفتگو کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اور گیتی! اگر تمہارے والدین اسے اپنا داماد بنانے کا ارادہ کر چکے ہوں

الجھن میں سحر کو پتہ ہی نہ چلا اچانک ہی اس کے منہ سے یہ بات نکل گئی

کیا؟

گیتی نے چونک کر سحر کو گھورا۔ سحر نے چاہنے کے باوجود فوراً اپنے فقرے کی تردید نہیں کی۔ تیر تو چھٹ ہی چکا تھا۔ کہاں جا کر لگتا ہے اور کیسے لگتا ہے۔ اب یہ اندازہ کرنے کو وہ چپکی ہو رہی۔

لمحہ بھر کے لئے گیتی نے کچھ سوچا۔ پھر قدرے توقف بعد مسکرائی۔ کیا ہمارے اپنے خاندان میں کوئی رشتہ نہ تھا۔ امی پہلے پھوپھی اماں، خالہ امی اور ماموں جان کو تو کوئی جواب دے لیں۔

کیا ان میں سے کسی سے دل لگا بیٹھی ہو؟

یکدم سحر پریشان ہو گئی۔ منیجر سے گیتی کی بیزاری کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی۔ گو سحر سے آج تک اس نے کبھی کچھ نہیں چھپایا تھا۔ مگر ایسی بات! شاید شرما گئی تھی!

تم اتنا کیوں پریشان ہو گئی ہو؟

گیتی کھلکھلا کر ہنس پڑی

سحر میری جان! کیا یہ ضروری ہوتا ہے کہ جوان ہوتے ہی ایک لڑکی لڑکے سے اور لڑکا لڑکی سے ضرور دل لگائے؟

سحر نے اندر ہی اندر اطمینان کا سانس لیا

تو پھر تمہارے لیے پرویز، زاہد، انیس وغیرہ اور منیجر کا مسئلہ تو ایک سا ہوا۔ کسی سے بھی کر دیں۔

منیجر کا معاملہ علیحدہ رکھو

وہ کیوں؟

وہ ایک انجام اجنبی انسان۔ اور یہ سب تو دیکھے بھالے ہیں۔ ان کی عادات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ طور و اطوار کو جانتے ہیں۔ اپنا ہی خاندان ہے۔

وہ بھی اچھا لڑکا ہے

غیر ارادی طور پر ہی ایک بار پھر ان میں بحث چھڑ گئی۔

بُرا ان میں سے بھی کوئی نہیں

گیتی کیسے پٹر پٹر ہر بات کا جواب دیئے جا رہی تھی۔ سحر جھنجلا سی گئی۔ تیز ہو کر بولی

یہی تو پوچھتی ہوں آخر تمہیں اس کے ساتھ اتنی زبردست دشمنی کیوں ہو گئی ہے؟

دشمنی کوئی نہیں سحر! بس یہ سمجھ لو اصول بھی کچھ ہوتے ہیں

گیتی بڑی نرمی سے اسے سمجھانے لگی

میں زندگی میں ایسا اندھا جوا کھیلنا کبھی بھی نہ پسند کروں گی۔

جوا کیوں؟ سحر جھٹ سے درمیان میں ہی بول پڑی

خالو جان تو اس کی خوش بختی کے یقین کے ساتھ کر رہے ہیں

یہ یقین ان کا ہے نا۔ اور میں جو سرے سے ان باتوں کا ماننتی ہی نہیں۔ میرے لیے یہ جوا ہی ہے۔ کہ وہ لوگ جنہیں بچپن سے جانتے ہیں۔ جن کی عادات سے واقف ہیں۔ جن کی قابلیت اور لیاقت مستند ہے۔ ان سب پر صرف ایک ایسے شخص کو ترجیح دے دی جائے کہ کسی نے اس کے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر اسے خوش نصیب انسان کہہ دیا۔ نہ یہ جانا کہ خاندان کیسا ہے؟ قابلیت کیسی ہے؟ تعلیم کتنی ہے؟ یہ تو سراسر زیادتی ہو گی کہ پکڑ کے

اسے تیرے بچوں کا باپ بنا دیا جائے

سحر نے اس کا فقرہ مکمل کر دیا

تیری ایسی کی تیسی سحر تو بڑی بے حیا ہو گئی ہے۔ جب سے تو نے یونیورسٹی میں

سحر ہنسے جا رہی تھی۔ گیتی کا سرخ چہرہ دیکھ کر کھلکھلا رہی تھی۔

تم خواہ مخواہ ہی ناراض ہوئی جا رہی ہو

ہماری زبان میں بے شمار الفاظ ہیں۔ اور بہتر ہے کہ گفتگو میں اچھے الفاظ استعمال کر لیا کرو

تیری شادی ہو گی تو کیا تیرے بچے نہیں ہوں گے

سحر اسی طرح کھی کھی کیے جا رہی تھی

اور بچے ہوں گے تو کیا وہ ان کا باپ نہیں کہلائے گا

خدا کے لئے بس کر سحر!

گیتی نے اس کے آگے سچ مچ ہاتھ جوڑ دیئے

تو پھر قائل ہو جانا میری صاف گوئی کے

ہو گئی بابا! ہو گئی نہ صرف تیری صاف گوئی کے بلکہ تیری بھی ہو گئی کہ انتہائی واہیات قسم کی لڑکی ہو

اچھا یہ بات چھوڑو۔ وہ بتاؤ جو ابھی میں پوچھ رہی تھی۔ اگر سچ مچ ہی تمہارے والدین یہ فیصلہ کر چکے ہوں

میں نے کہا نا کہ خواہ مخواہ ہی مجھے وہ بالکل اچھا نہیں لگتا

بفرض محال اگر کر ہی دیں پھر؟ تم کیا کرو گی؟

بغیر مجھ سے پوچھے ہی کر دیں؟

پھر بھی

میں نہیں کراؤں گی

ان سے لڑ پڑو گی؟ گھر سے بھاگ جاؤ گی؟ کیا کرو گی آخر؟

جو کچھ بھی ہو سکا

گیتی مسکرائی

کیا؟ گھر سے بھ بھاگ جاؤ گی؟

سحر تقریباً چیخ پڑی

بھئی تم مجھے ایسی لڑکی سمجھتی ہو؟

پھر؟

پھر؟ پھر؟

گیتی سوچنے لگی، پھر یکدم الجھ کر بولی

ویسے باوا جان سے مجھے یہ امید قطعی نہیں تھی کہ وہ بالکل ہی مجھے کٹھ پتلی سمجھ لیں گے

سحر نے اس کا غصے سے سرخ چہرہ دیکھ کر قہقہہ لگایا

تو پھر ہو گیا نا والدین کے ساتھ ٹکراؤ، اب بتاؤ تم ہمیشہ میری ہی مخالفت کیا کرتی تھیں کہ میرا اپنی ممی ڈیڈی کے ساتھ سلوک درست نہیں ہوتا۔ ان کی حکم عدولی کیا کرتی ہوں اور گھر میں بھی دلچسپی نہیں لیتی

وہ تو اب بھی کہوں گی؟

اور خود کو اگر کوئی ایسا موقع آ گیا کیا کہو گی؟

وہ وہ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا میں میں

ہاں تم کیا؟

کچھ نہیں کچھ نہیں

گیتی آنکھوں میں یہ موٹے موٹے آنسو لے کر بیٹھ گئی۔ اور بڑے خلوص سے بڑبڑانے لگی۔

جانے باوا جان کو یہ کیا سوجھی ہے؟ بھلا والدین اولاد کے ساتھ یوں کیا کرتے ہیں؟

گیتی! میں تو یہ ضرور کہوں گی کہ یہ جو ہم لوگوں کو یعنی نئی نسل کو ہر معاملے میں بدنام

کیا جاتا تو یہ سراسر نئی نسل کا بھی قصور نہیں

گیتی کے آنسو دیکھ کر گیتی کی بڑبڑاہٹ سن کر سحر ہمیشہ کی طرح اصل موضوع چھوڑ چھاڑ اس کا دل بہلانے اور موڈ درست کرنے کے لئے اور ہی بحث میں الجھا لے گئی

مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے ہماری تربیت میں کوئی نقص رہ جاتا ہے گیتی! ورنہ پہلے بھی تو زمانے گزرے ہیں اب ہی ایسے واقعات کیوں رونما ہونے لگے ہیں؟

کیسے واقعات؟

گیتی سچ مچ اپنی بھول اس کی بات میں الجھ گئی

مثلاً فلاں جگہ سڑک پر کھڑی لڑکی کو دن دہاڑے اغوا کر لیا گیا

مثلاً فلاں جگہ اس طرح چند آوارہ لڑکوں نے لڑکیوں کو چھیڑا

مثلاً ہاکس بے جیسے!

توبہ توبہ!

گیتی نے کانپ کر کانوں کو ہاتھ لگایا

مجھے تو اب کہیں جاتے ہوئے خوف آنے لگا ہے

اگر ہمارے معاشرتی حالات ایسے ہی رہے تو ایسے واقعات اور بھی بہت رونما ہوں گے

سحر پر فکر انداز میں کہنے لگی

خدا رحم کرے

اگر ہم ہی اپنے حال پر رحم نہ کریں گے تو خدا کیوں کرنے لگا اس نے ہمیں بہتر زندگی گزارنے کا ایک بڑا خوبصورت نظریہ دیا ہے۔ یہ نظریہ صرف ہمارا دین اسلام ہی پیش کرتا ہے۔

یہ سحر! یہ تم ایسی گفتگو کر رہی ہو تم؟ جو مذہب کو کچھ سمجھتی ہی نہیں

ہاں اور میرا وہ روپ بھی میرا اپنا نہیں ہے۔ زمانے نے بدلا ہے۔ ہمارے

معاشرے نے بدلا ہے۔ میں جانے کیا تھی۔ کیا بننا چاہتی تھی۔ مگر کیا بن کر رہ گئی ہوں۔ یہ مجھے بھی علم نہیں

سحر کھوئی کھوئی سی بولے گئی

یوں ہمارے بڑے ہمیں اپنے مذہب کو مضبوطی سے پکڑے رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس پر چلنے کی ہدایات دیتے ہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں سوچتے کہ غیر ارادی طور پر ہماری بے راہ رویوں کے بھی وہی ذمہ دار ہیں۔ ہمیں مذہب سے بیگانہ بنانے والے بھی وہی ہیں۔

اب ہر بات میں ہی تو انہیں قصوروار نہ ٹھہرانے لگ جاؤ دلائل دوں گی۔ سحر بڑے جوش سے بولی۔

ہمارے مذہب میں شراب جائز نہیں ہے نا۔ پھر ہمارے ملک میں شراب کی دکانیں کیوں ہیں۔ ہمارے ہاں کے ہر ہوٹل ہر کلب میں شراب کیوں دستیاب ہو سکتی ہے۔ ہمارا مذہب بے حیائی سے منع کرتا ہے پھر ہمارے ملک میں غیر ممالک کی وہ فلمیں کیوں دکھائی جاتی ہیں جن میں سر عام بوسہ بازی ہوتی ہے۔

سحر پوری طرح اس بحث میں ڈوب چکی تھی۔

جن میں نیم عریاں رقص ہوتے ہیں۔ جن میں ساحل سمندر پر دکھائے گئے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی فحش حرکات ہوتی ہیں۔ جن میں جذبات کو برانگیختہ کرنے والے سین ہوتے ہیں۔

سحر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور بڑے جذبے سے بولے جا رہی تھی۔ اور اب تو یہ دبا گھر گھر عام ہو گئی ہے۔ ہر گھر میں ٹی وی چلتا ہے۔ بے شک اس میں سنسر بورڈ ایک دو بوسہ بازی کے سین کاٹ کر اپنی دانست میں سرخرو ہو جاتا ہے۔ مگر یہ اشتہارات، یہ انگریزی فلمیں ان میں معاشرت تو انہیں ملکوں کی دکھائی جاتی ہے۔ جو ہم سے بہت مختلف ہے۔ ان میں سب کچھ جائز ہے اور ہم میں ناجائز

سحر زیادہ سے زیادہ جوش میں آئے جا رہی تھی اور گیتی چپ چاپ بیٹھی سن رہی تھی۔

ہونٹوں سے ہٹ کر نامحرم کے رخسار، پیشانی، ہاتھ چوم لینا بے شک مارے عقیدت کے ہی اس کی بھی تو ہمارا مذہب اجازت نہیں دیتا۔ یہ سب کیوں ہمیں دکھایا جاتا ہے۔ پہلے زمانے کی طرح ہمارے بڑے ہم پر پابندیاں کیوں نہیں لگاتے۔ ہمیں چست اور فیشن زدہ لباس پہن کر میک اپ کر کے کھلے منہ کیوں باہر نکلنے دیتے ہیں۔ ہم پر کوئی روک ٹوک کیوں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں ریسیں کیوں ہوتی ہیں۔ ہمارے کلبوں اور ریستورانوں میں راتیں رقصوں سے کیوں سجائی جاتی ہیں۔

سحر ان تھک بولے جا رہی تھی اور گیتی آنکھوں میں تحیر لیے اسے دیکھ رہی تھی یہ جانتے سمجھتے ہوئے بھی کہ گناہ میں بڑی کشش ہوتی ہے اور خصوصاً اس وقت جب جوانی کی عمر ہو۔ جو دیوانی ہوتی ہے۔ انسانی فطرت اس عمر میں سب سے زیادہ آزادی چاہتی ہے اور بہت جلد ہر گناہ کی بات قبول کرتی ہے کہ اس میں لذت بھی بہت ہوتی ہے۔

گیتی دم بخود بیٹھی تھی۔ سحر کا یہ روپ تو اس نے آج ہی دیکھا تھا۔ ہمیشہ سے انوکھا، ہمیشہ سے نرالا، بڑا دانا اور فلسفیانہ سا!

شباب کے جوار بھاٹے انسان کی عقل وخرد اور سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں اپنے ساتھ بہالے جاتے ہیں اور تب شیطان ننگا ہو کر ناچ اٹھتا ہے۔ پھر انہیں نظاروں کا عملی تجربہ کیا جاتا ہے جو فلموں میں دیکھے جاتے ہیں۔ جو ٹی وی پر دیکھے ہوتے ہیں۔ تب اس وقت گناہ و ثواب میں کون تمیز کر سکتا ہے؟

سحر نے پاس پڑی تپائی پر زور سے مکہ مارا

لہٰذا میں تو بس یہی کہوں گی کہ نئی نسل کو گناہ کی ترغیب ہمارا معاشرہ خود ہی دیتا

ہے۔ ہمارے بڑے خود دیتے ہیں۔ ہمارے دینی پیشوا دیتے ہیں۔ یہ مولانا لوگ

لو اب علمائے دین بیچاروں کو تو بخش دو

نہیں ان کا قصور سب سے زیادہ

سحر بڑے جوش اور جذبے سے بولی

تمہیں شاید یاد نہیں ٹی وی پر ایک پروگرام ہوا کرتا تھا جس میں کوئی عالم، کوئی مولانا قرآن و حدیث کی روشنی میں مختلف مسائل پر نوجوان نسل کے سوالوں کے جواب دیا کرتے تھے۔

ہاں یاد ہے ہوا کرتا تھا

وہ جس دن رقص اور ہمارا مذہب اسلام کے متعلق سوال و جواب تھے وہ تمہیں یاد ہوگا

اس وقت تو نہیں یاد آ رہا

میں نے بڑے غور سے دیکھا تھا اور ایک ایک بات بڑے دھیان سے سنی تھی۔ میں ایسے پروگرام بڑے شوق سے دیکھا کرتی ہوں

سچ؟

یہ فیشن ایبل سحر اور یہ صوفیانہ قسم کے پروگرام

حیران مت ہو۔ میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہوں۔ بہت کچھ سمجھنا چاہتی ہوں۔ مگر مجھے صحیح رہنما نہیں مل رہا۔ چنانچہ اب میں ایک بھٹکی ہوئی روح ہوں

اچھا؟

ہاں سحر مسکرائی

پھر وہ بات پوری کروں؟

ضرور ضرور گیتی دلچسپی سے بولی

تمہارا باطن تمہارے ظاہر سے بہت زیادہ خوبصورت ہے سحر! اس کی تعریف نظر

انداز کرتے ہوئے سحر کی زبان پر قینچی کی طرح چل پڑی

وہ کوئی عالم تھے یا مولانا جو کچھ بھی تھے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ سکولوں کالجوں میں لڑکیوں کر رقص کی جو تربیت دی جاتی ہے وہ ہمارے مذہب میں جائز ہے یا نہیں۔ جواب ملا کہ رقص مسرت وانبساط کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔ انسان جب خوش ہوتا ہے تو مختلف طریقوں سے اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہے یہ فطرت ہے انسان کی

ہاں مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے

تو سکولوں کالجوں میں اگر رقص کی تربیت دے دی جائے تو کیا برا ہے۔ یوں خوشی کا اظہار ذرا منظم طریقے سے ہو سکتا ہے۔ فنکارانہ ہو سکتا ہے۔ اس سب کا مطلب یہ کہ ہمارا مذہب چونکہ دین فطرت ہے۔ اس لئے رقص کرنا ناجائز نہیں ہے۔ اور یوں رقص کی تربیت بھی ناجائز نہیں

سحر سانس لینے کو صرف لمحہ بھر کے لئے رکی اور پھر

چلو مانا۔ جائز ہے مگر ان عالم صاحب نے ساتھ ہی ان راہبری چاہنے والوں کے لئے اور حدود اور پابندیوں کی نشاندہی کیوں نہ کی جو ہمارا مذہب عائد بھی کرتا ہے۔ انہوں نے رقص اور اس کی تربیت کو جائز کر دیا اور یہ نہ بتایا کہ اس تربیت سے جو کام لیا جاتا ہے وہ ناجائز ہے

سحر اسی تیزی سے بول رہی تھی جانے آج اسے کیا ہو گیا تھا تھک ہی نہیں رہی تھی

بچیاں رقص کی تربیت لیتی ہیں تو بے شک لیں مگر اسے دولت سمیٹنے کا ذریعہ نہ بنائیں۔ ٹی وی پر اس کا مظاہرہ نہ کریں۔ فلموں میں عریاں لباس پہن کر اور تھرک تھرک کر جسموں کی نمائش نہ کریں۔ کلبوں اور رقص گاہوں میں جا کر شراب میں مدہوش ہو کر مردوں کی باہوں میں باہیں ڈال کر، نامحرموں سے لپٹ لپٹ کر اس فن کا اس خوشی وانبساط کا اظہار نہ کریں۔ کہ جسم کی ذرا سی بھی نمائش اور بیہودہ طریقے

سے جنبش کسی غیر محرم کے سامنے قطعاً ناجائز ہے یہ سب کچھ یوں اس عالم دین نے نہ بتایا؟

اب مجھے اچھی طرح یاد آ گیا ہے

گیتی تقریباً اچھل کر بولی

یہ پروگرام میں نے بھی دیکھا تھا۔ پھر امی سے میری لمبی چوڑی بحث بھی ہوئی تھی۔

ہاں تو تم خود ہی انصاف کرو یہ نئی نسل کو بے راہ روکرنا ہی ہوا نا۔ جب ہم پوچھ رہے ہیں۔ جب ہم کچھ جاننا چاہتے ہیں تو ہمیں پہلے نہ مانوں کی طرح ہمارے بڑے بالکل سیدھی راہ کیوں نہیں دکھاتے۔ اب تو ہمارے علمائے دین بھی نئی روشنی میں ہی سب کچھ دیکھنے لگے ہیں۔ اور اسی کے زیر اثر سوچنے بھی لگے ہیں۔ پھر؟ پھر ہمیں جانے کیوں موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے؟

سحر! تم تو بڑی سمجھدار ہو۔ مذہب کے متعلق تمہاری معلومات اتنی وسیع ہیں۔ پھر کیوں تم خود کو نہیں بدلتیں؟

اس لئے میری جان! میں جوان ہوں۔ اپنے سامنے سب کچھ ہوتا دیکھتی ہوں۔ اور سچی بات اس سب میں بڑی لذت ہے۔ بڑا چارم ہے۔

سحر ہولے سے مسکرائی

جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ اور میں ایک عام سی لڑکی ہوں مجھ میں برداشت کی قوت اتنی نہیں ہے کہ اردگرد یہ سب کچھ ہوتا رہے اور میں مصلے بچھا کر بیٹھی رہوں۔ میں جلد شیطان کے بہکائے میں آ جاتی ہوں

تو تم

گیتی جانے کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ سحر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کرا دیا۔

بس گیتی! چھوڑو اس موضوع کو تھک گئی ہوں

خود ہی تم نے چھیڑا تھا

میری طبیعت کو جانتی ہی ہو۔ جلد اکتا جاتی ہوں۔ ہاں تم سناؤ

مینجر کی قسمت کا تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟

دیکھو سحر! تم مینجر کو میری چھیڑ نہ بنالو۔ اور سچ سچ بتاؤ کیا واقعی باوا جان کا کوئی ایسا ارادہ ہے؟

نہیں وہ سب تو میں محض مذاق کر رہی تھی

سحر صاف جھوٹ بول گئی۔ ضرورت پڑنے پر وہ اکثر بول لیا کرتی تھی۔ اور اس وقت اس نے اسی میں مصلحت سمجھی۔ ورنہ معاملہ سلجھنے کی بجائے مزید الجھ جانا تھا۔

اس کے علاوہ سحر نے مناسب یہی جانا کہ سرے سے گیتی کا خیال ادھر سے ہٹا ہی دینا چاہیے۔

میرا تو خیال ہے کہ خالہ جان خاندان کے ہی کسی لڑکے کو اپنا داماد بنائیں گی۔ بہر کیف جب وقت آ گئے دیکھا جائے گا۔ تم یہ بتاؤ اب شامی کباب کب بنا رہی ہو؟

مقدر میں تو تقریباً ہر دوسرے تیسرے دن بنانا لکھے گئے ہیں تو پھر تو شامی کباب کھانے والا بھی تمہارے مقدر میں لکھا ہی جانا چاہیے

بلا ارادہ ہی سحر کی زبان پھر غوطہ کھا گئی۔

اللہ نہ کرے

گیتی جھٹ سے بولی

پھر بتاؤ مجھے کس دن کھلا رہی ہو؟

تم خود نہیں بنا سکتیں؟

تمہارے جیسے نازک، ملائم ملائم، نرم نرم اور پیارے پیارے ہاتھوں سے بنے ہوئے زیادہ لذت دیتے ہیں

یہ نہ سمجھو تمہاری خوشامد پر بنا ہی دوں گی

اور اس کے لئے چاہے روز بنانا پڑیں۔ گیتی! شرم کرو۔ اپنی اتنی پیاری اور خوبصورت سہیلی پر ایک بگڑے حلیے والے گندے مندے سے احمق مینجر کو ترجیح دے رہی ہو۔ بڑے افسوس کی بات ہے

توبہ بابا! کل ہی آ کر کھا لینا

شکریہ اچھا تو پھر کل ملیں گے

ساتھ ہی سحر مسکرائی، پھر اٹھ کھڑی ہوئی

تم سے نہیں شامی کبابوں سے

سحر نے پف نکال کر جلد جلد چہرے کو دوبارہ تروتازہ کرتے ہوئے واپس رکھ دیا۔ پھر کوئی انگلش دھن گنگناتے ہوئے اور پرس کو بازو میں ڈال کر جھلاتے ہوئے بائی بائی کہہ کر رخصت ہوگئی۔

☆

ہیلو گیتی! میرے شامی کباب تیار ہیں؟

دور سے ہی سحر نے پرس پلنگ پر اچھال دیا

توبہ توبہ! بھئی بڑے بڑے ندیدے لوگ دیکھے تھے

مگر مینجر جتنا

میں تمہاری بات کر رہی ہوں

گیتی نے سحر کی بات کاٹ دی

تم بے حد ندیدی ہو

اور اس کی کیوں نہیں کرتیں جس کے لئے روز بناتی ہو میرے لیے ایک دو بار بنا

کر باتیں بنانے لگیں

معمول کے مطابق سر کے نیچے تکیہ رکھے بغیر ہی سحر قالین پر لیٹ گئی

تمہیں ہر وقت اس کا خیال کیوں بے چین کیے رکھتا ہے؟

آخر وہ مہمان تھی بات کرتے کرتے گیتی نے پلنگ پر تے تکیہ اٹھایا اور میزبانی

کے فرائض پورے کرنے کی خاطر دور سے ہی اس کے منہ پر دے مارا

شکریہ سحر نے تکیہ سر کے نیچے دھر لیا

کیا کہہ رہی تھیں کہ مجھے ہر وقت اس کا فکر کیوں رہتا ہے۔۔۔۔۔۔؟

تمہاری خاطر گیتی اماں! مجھے تمہارا فکر رہتا ہے۔۔۔۔۔۔

میرا فکر۔۔۔۔۔۔؟

گیتی خود بھی اس کے پاس ہی آ بیٹھی

''یہی۔۔۔۔۔۔کہ میں تو وہاں یونیورسٹی میں اپنا دل لگا لیتی ہوں مگر تمہارا کیا

بنے گا۔۔۔۔۔۔؟ نہ کہیں آتی جاتی ہو نہ گھر سے باہر نکلتی ہو۔۔۔۔۔۔

تمہارے دل بہلاوے کا بھی تو کوئی سامان ہونا چاہیے۔۔۔۔۔۔''

''سحر کنکھیوں سے گیتی کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھ رہی تھی اور زیر لب مسکرائے جا رہی تھی

''اور جبکہ خدا نے گھر بیٹھے ہی دل لگی کا سامان بھیج دیا ہے تو موقع سے فائدہ ضرور اٹھانا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔''

''سحر! تجھے خدا سمجھے۔۔۔۔۔۔۔کیسی باتیں کیے جا رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔؟

تمہارے خیالات تو دن ''بدن مغربیت کا رنگ پکڑتے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔

حالانکہ تم اپنی مذہبی اقدار سے اچھی طرح واقف ہو۔۔۔۔۔۔''

''ہاں۔۔۔۔۔۔''

بڑے افسوس کی بات ہے۔۔۔۔۔۔۔

''بس! بس! ہر وقت ناصح مشفق مت بنی رہا کرو کبھی میری دوست بن کر۔۔۔۔۔۔''

دوست۔۔۔۔۔۔۔دوست۔۔۔۔۔۔۔

اچھا اچھا۔۔۔۔۔۔۔یہ بحث آگے نہیں چلے گی۔۔۔۔۔۔۔بس یہیں ختم

میں بحث کر رہی ہوں یا تم۔۔۔۔۔۔۔

چلو میں ہی کر رہی ہوں۔۔۔۔۔۔۔اور لو ختم بھی کر دی۔۔۔۔۔۔۔''

سحر نے بات کا موضوع ہی بدل دیا

''یہ بتاؤ اس وقت منیجر انیکسی میں موجود ہے یا نہیں۔۔۔۔۔۔۔''

مجھے کیا پتہ۔۔۔۔۔۔۔؟

گیتی لاتعلقی اور بےزاری سے بولی

''میں اس کی چوکیداری تو نہیں کرتی رہتی۔۔۔۔۔۔۔''

''کیا کرو نا جان من! کیا کرو۔۔۔۔۔۔۔''

''لو تم یہ کباب تو کھاؤ۔۔۔۔۔۔جن کے لئے یہاں آن مری ہو

۔۔۔۔۔۔''

گیتی نے اٹھ کر میز پر سے پلیٹ اٹھائی اور سحر کے پاس نیچے قالین پر ہی پٹخنے کے انداز میں رکھ دی

خالی کباب۔۔۔۔۔۔؟

سحر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور جھپٹ کر پلیٹ اپنے آگے گھسیٹ لی

ساتھ چائے وائے کوئی نہیں۔۔۔۔۔۔''

پورے کا پورا کباب اس کے منہ میں تھا

وہ بھی آجاتی ہے۔۔۔۔۔۔

جلدی سے منگواؤ نا۔۔۔۔۔۔

پھنسی پھنسی آواز میں سحر نے آرڈر دیا

کیوں۔۔۔۔۔۔؟تمہیں کسی دفتر جانا ہے؟

گیتی جلی بیٹھی تھی۔۔۔۔۔۔چند دنوں سے سحر کو گفتگو کے لئے مینجر کے علاوہ کوئی اور۔۔۔۔۔۔موضوع ہی نہیں ملتا تھا جانے اسے کیا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔

؟

دفتر تو نہیں جانا۔۔۔۔۔۔البتہ آج مینجر کے کمرے کی تلاشی لینے کا ارادہ ہے

۔۔۔۔۔۔''

کیا مطلب؟

کسی کے رہنے سہنے کے طریقے سے انسان کے ذوق اور قابلیت وغیرہ کا پتہ چل جاتا ہے

لیکن تمہیں اسے جاننے کی اتنی فکر کیوں لگی رہتی ہے؟

کہا نا۔۔۔۔۔۔تیری خاطر۔۔۔۔۔۔صرف تیری خاطر۔۔۔۔۔۔

دل بہلاوا بھی کسی اچھے انسان سے ہونا چاہیے۔۔۔۔۔۔

چل بے حیا۔۔۔۔۔۔

سحر کے چہرے کی سنجیدگی نے گیتی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی

مینجر کے لئے تمہاری یہ بے قراری۔۔۔۔۔۔ مجھے تو کچھ دال میں کالا ہی لگتا ہے۔۔۔۔۔۔کہیں۔۔۔۔۔۔کہیں

گیتی نے جان بوجھ کر اپنا فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔۔۔۔۔۔سحر سر جھکائے کباب کھائے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔اسی انداز میں دھیمے لہجے میں بولی۔۔۔۔۔۔

شکر ہے۔۔۔۔۔۔تمہاری عقل میں کچھ تو آیا۔۔۔۔۔۔

ایمان سے۔۔۔۔۔۔؟

مارے تعجب کے گیتی کی چیخ سی نکل گئی۔۔۔۔۔۔

اوئے رفیقے! جلدی سے چائے لے آ۔۔۔۔۔۔

سحر نے گیتی کو کوئی جواب دینے کی بجائے حلق میں پھنسے نوالے کو جلدی سے نیچے اتارتے ہوئے ہانک لگائی۔۔۔۔۔۔

آیا بی بی جی۔۔۔۔۔۔!

دور سے رفیقے کی آواز سن کر سحر بڑبڑائی

اس گھر کے ملازمین مالکن سے زیادہ مہمان نواز ہیں۔۔۔۔۔۔

پھر تم یہاں آنے کی بجائے رفیقے کے کوارٹر میں ہی جایا کرو۔۔۔۔۔۔

گیتی نے بظاہر جل کر مگر زیر لب مسکراتے ہوئے کہا

وہاں تمہاری خاطر تواضع اور بھی اچھی طرح ہوا کرے گی۔۔۔۔۔۔

اور اب گیتی کھل کر ہنس رہی تھی

ہمارے باورچی خانے سے سب اچھی اچھی چیزیں چرا کر وہ تمہیں کھلا دیا کرے گا۔۔۔۔۔۔کافی رومانٹک ہے۔۔۔۔۔۔

کیوں ۔۔۔۔۔۔؟ پہلے کسی کو کھلائیں؟

پرسوں جمعدارنی شکایت کر رہی تھی کہ اس کی لڑکی جب کام کرنے آتی ہے تو رفیقا اسے دیکھ دیکھ کر ہنستا ہے اور پھر جاتے ہوئے چپاتی پر سالن بھی ڈھیر سارا دھر دیتا ہے ۔۔۔۔۔۔

سچ مچ ۔۔۔۔۔۔؟

ہاں اور تین چار دن سے تو سالن کے علاوہ وہ کیا ہوتی ہیں موئی ماری وہ قیمے کی جو گول گول چھوٹی ۔۔۔۔۔۔

گیتی جمعدارنی کی نقل اتار رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ سحر نے لقمہ دے دیا

شامی کبابوں کو کہہ رہی ہو گی ۔۔۔۔۔۔؟

ہاں ۔۔۔۔۔۔

گیتی ہنسی سے دوہری ہوئی جا رہی تھی

وہ بھی ساتھ دے دیتا ہے ۔۔۔۔۔۔

گیتی کی ہنسی کے ساتھ ساتھ سحر کے قہقہے بھی بلند ہونے لگے ۔۔۔۔۔۔

پاگل ہے ۔۔۔۔۔۔ شکایت یوں لگانے بیٹھی ۔۔۔۔۔۔ مزے سے مزے کرتی رہتی ۔۔۔۔۔۔

کچھ دیر بعد ذرا قہقہے تھمے تو ہنسی کی زیادتی کی وجہ سے آنکھوں میں آئے ڈھیر سا پانی کو دوپٹے کے پلو سے خشک کرتے ہوئے سحر بولی ۔۔۔۔۔۔

ویسے تمہارے ہاتھوں کے بنے شامی کباب کھلائے گا خواہ چوری ہی کر کے ۔۔۔۔۔۔ تو پھر ضرور اس کے کوارٹر میں جایا کروں گی ۔۔۔۔۔۔

تیرا ستیاناس سحر ۔۔۔۔۔۔!

بھئی سچی بات ۔۔۔۔۔۔! شامی کباب میری کمزوری ہیں ۔۔۔۔۔۔

اور ساتھ ہی سحر نے ہاتھ بڑھا کر پلیٹ میں سے آخری شامی کباب اٹھا کر کھانا

شروع کر دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آج دوپہر کو کھانا نہیں کھایا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

گیتی نے کبابوں کی خالی پلیٹ کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کھایا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سحر مسکرائی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی نگاہوں کی حیرت کو سمجھ گئی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہنستے ہوئے بولی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ان کا خانہ علیحدہ ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کافی بڑا ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ذائقے کے مطابق اس کا طول و عرض بڑھا گھٹا لیتی ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تمہارے ہاتھوں سے بنے ہوں تو پھر اس کے طول و عرض کا کچھ پوچھو ہی نہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یک نہ شد دو شد اور پھر اب سہ شد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

گیتی بڑبڑائی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اللہ میری خیر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

اور سہ شد کی بھی خیر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس کو تم آج نظر لگانے جا رہی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سحر جھٹ بولی

چشم بد دور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھ سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آخری نوالہ حلق سے نیچے اتارتے ہوئے پھر رفیقے کو چائے کے لئے پکارا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لے آیا بی بی جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

اور دو منٹ بعد ہی وہ چائے ٹرالی میں لگائے سحر کے سر پر ہی موجود تھا ۔

میری طرف لاؤ نا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ادھر کیا گھسے جا رہے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

اس نے ٹرالی گیتی کی طرف کھینچ دی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گیتی جلد جلد چائے بنانے لگی

جتنی دیر وہ چائے بناتی رہی، سحر جانے کن خیالوں میں کھوئی رہی ------

بالکل خاموش تھی وہ ------! بڑی سنجیدہ ------!

تھوڑی تھوڑی دیر بعد گیتی نگاہ اٹھا کر دیکھ بھی لیتی ------ حیران بہت ہو رہی تھی کہ سحر تو زندگی میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی سنجیدہ اور خاموش نہیں ہوئی ------ اور یہ اتنے سارے بیت گئے ------

آخر نہ رہ سکی تو پوچھ ہی بیٹھی ------

یہ سحر متین! آج کیا سوچ رہی ہے ------!

ہوں ------؟

میں پوچھ رہی تھی ------ کہ آج خلاف معمول سوچوں میں کیوں کھوئی ہو ------؟

چائے پی کر انیکسی کی طرف جانا ہے ------ یہی سوچ رہی تھی ------

پھر گیتی کے ہاتھ سے چائے کی پیالی تھامتے ہوئے جلد جلد گھونٹ بھرنے لگی ------

سچ مچ تم اس کے معاملے میں سنجیدہ ہو چکی ہو ------؟

مذاق کو مذاق ہی سمجھا کرو گیتی اماں! تم خاصی بیوقوف ہو ------

تو پھر تم اس کا کمرہ وغیرہ دیکھنے کی اتنی مشتاق کیوں ہو ------؟

محض ایڈونچر کی خاطر ------

یہ تمہارے ایڈونچر کہیں تمہیں لے ہی نہ ڈوبیں سحر ------!

میرے ایڈونچر تو شاید مجھے لے ہی ڈوبیں ------ مگر یہ ایڈونچر تمہاری خاطر ------

مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ------

کیوں۔۔۔۔۔؟

اس لیے کہ مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا۔۔۔۔۔۔

پاگل لڑکی! تم خواہ مخواہ ہی سنجیدہ ہوئی جا رہی ہو۔۔۔۔۔۔ادھر تو دونوں نے صرف شرارت کے لئے جانا تھا۔۔۔۔۔۔

اور پاگل لڑکی! تم بھی سن لو۔۔۔۔۔۔شرارت بھی کسی اپنی پسند کے انسان کے ساتھ کرنے میں مزہ آتا ہے۔۔۔۔۔۔

یعنی کہ چھیڑ خوباں سے۔۔۔۔۔۔

ہاں یہی سمجھ لو۔۔۔۔۔۔

اور وہ پھر تمہارے نصیب میں نہیں ہوئی۔۔۔۔۔۔کسی کو خوباں بناؤ گی تو نا۔۔۔۔۔۔اور تم تو ہو ہی۔۔۔۔۔۔

کیا۔۔۔۔۔۔؟ گیتی ہنس پڑی۔۔۔۔۔۔

مردہ دل انسان۔۔۔۔۔۔مر چکی ہو بالکل۔۔۔۔۔۔! برف کا تودہ۔۔۔۔۔۔!

سحر دانت پیس پیس کر بڑبڑانے لگی۔۔۔۔۔۔

سٹھیائی ہوئی بڑھیا۔۔۔۔۔۔!

اسے اس لیے اس پر غصہ آئے جا رہا تھا کہ کسی طرح وہ قابو میں ہی نہیں آ رہی تھی۔۔۔۔۔۔اتنا سر مارا تھا اس نے۔۔۔۔۔۔اتنے دن اپنے ضائع کیے تھے اتنی مغزماری کی تھی۔۔۔۔۔۔

کر۔۔۔۔۔۔سب کچھ بے سود۔۔۔۔۔۔!

گیتی وہیں کی وہیں تھی۔۔۔۔۔۔اور اس نے جو بانو کا بوجھ اپنے کندھوں پر لے لیا تھا وہ اب اور بھی زیادہ بھاری محسوس ہونے لگا تھا۔۔۔۔۔۔

چائے کی پیالی خالی کر کے ٹرالی میں رکھتے ہوئے سحر اٹھ کھڑی ہوئی

-----کہاں-----؟

جہنم میں------

مزے کرو گی------یہاں تو بہت سردی ہے آج کل------

سحر اس کی نقل اتارتے ہوئے بڑبڑائی------ساتھ ساتھ، جلد جلد اپنی چیزیں بھی تلاش کر رہی تھی------جوتا نجانے کہاں پھینک بیٹھی تھی وہ مل ہی نہیں رہا تھا------

یہ جوتا کم بخت------مر جائے اللہ کرے------

ہائیں، ہائیں------!

گیتی قہقہہ لگا اٹھی------

یہ کیا کیا کہے جا رہی ہو------؟

تمہیں کیا------؟ تمہیں تو کچھ نہیں نا کہہ رہی------

سارا دن محنت کر کے شامی کباب بنائے------اور مس سحر صاحبہ نے کھا پی کر احسان کا اچھا بدلہ چکایا ہے------

گیتی مسکراتے ہوئے بولی------

طوطے کی طرح آنکھیں ہی پھیر لیں------

جو مرضی ہے کہو------

مگر تم احسان فراموشی ہی کرو گی------؟

تمہارا میں نے احسان ہی تسلیم نہیں کیا تو احسان فراموشی کیسی------؟

احسان نہیں تو پھر اور کیا ہے------؟

گیتی چیخ پڑی------

تمہارا فرض------ارے!

ٹرالی کے نیچے سے اس کا جوتا مل گیا------

شکر ہے مل گیا۔۔۔۔۔۔۔میں سمجھی تھی گیتی کبابوں کے بدلے میں کھا گئی

۔۔۔۔۔۔۔

سحر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔۔۔۔۔۔۔

شکر ہے تمہارا موڈ تو درست ہوا۔۔۔۔۔۔۔بے شک مجھے جوتے کھلا کر ہی

۔۔۔۔۔۔۔

نہیں میری جان! وہ تو مذاق تھا۔۔۔۔۔۔۔

سحر نے اس کی خوشامد کی۔۔۔۔۔۔۔وہ اس سے بگاڑ پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی

۔۔۔۔۔۔۔

تو پھر بیٹھو۔۔۔۔۔۔۔

دیر ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔ابھی خالہ جان سے بھی ملنا ہے۔۔۔۔۔۔۔

اور وہ تمہارا مینجر کے کمرے کی تلاشی کا پروگرام۔۔۔۔۔۔۔؟

گیتی نے اپنے دانست میں اب اس کا مذاق اڑایا۔۔۔۔۔۔۔

تم ساتھ دو تو پکا۔۔۔۔۔۔۔

سحر نے اس کے کندھے پر ہاتھ دھر کر دبایا۔۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔۔؟

امید کی ننھی سی کرن سحر کی آنکھوں میں جگمگائی۔۔۔۔۔۔۔

نہ۔۔۔۔۔۔۔

گیتی کے دوٹوک جواب پر وہ یکدم بجھ گئی۔۔۔۔۔۔۔

تو پھر۔۔۔۔۔۔۔بائی۔۔۔۔۔۔۔بائی

لیکن سنو تو سحر۔۔۔۔۔۔۔!

بائی۔۔۔۔۔۔۔بائی

سحر کی بجائے دور سے اس کی صرف آواز ہی آئی۔۔۔۔۔۔۔

بالکل پاگل ہے۔۔۔۔۔۔۔

گیتی بڑبڑا کر چائے پینے لگی۔۔۔۔۔۔۔

☆

دیکھئے خالہ جان! یہ جو آپ کی بیٹی ہے نا۔۔۔۔۔۔۔ پتہ نہیں کس مٹی کی بنی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔؟

سحر شکست خوردہ انداز میں بولی۔۔۔۔۔۔۔

میں تو ہار گئی۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔؟

بانو کے چہرے پر فکر و تردد کی لہریں بکھر اٹھیں۔۔۔۔۔۔۔

معاملہ تمہارے سپرد کر کے میں تو مطمئن سی ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔

مجھے بڑا افسوس ہے۔۔۔۔۔۔۔

سحر نے پورے طور پر جیسے ہتھیار پھینک دیے۔۔۔۔۔۔۔

اور ادھر اس کے باوا جان اپنی ضد پر اڑے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ پہلے سے بھی ارادہ کچھ زیادہ ہی مضبوط ہے۔۔۔۔۔۔۔

بانو بے طرح گھبرا گئی تھیں۔۔۔۔۔۔ اور اسی گھبراہٹ کی وجہ سے آواز کپکپائی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

میں نے گیتی کے خیالات سے انہیں اچھی طرح مطلع بھی کر دیا ہے مگر وہ یہی کہے جاتے ہیں کہ وہ بچی ہے۔۔۔۔۔۔ اس کا بھلا برا ہم بہتر سمجھ سکتے ہیں

۔۔۔۔۔۔۔

ویسے انیس اور زاہد وغیرہ بھی تو اچھے لڑکے ہیں۔۔۔۔۔۔۔

وہ کوئی اور بات، کوئی اور دلیل ماننے کو تیار ہی نہیں۔۔۔۔۔۔ ان کے ذہن میں تو بس اس کے ہاتھ کی لکیروں کی خوش قسمتی بیٹھ گئی ہے۔۔۔۔۔۔ وہ تو اسے اپنا ایمان بنا بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔؟

بانو کی روہانسی شکل دیکھ کر سحر بھی متفکر ہو گئی۔۔۔۔۔۔

اب تم ہی کوئی مشورہ دو۔۔۔۔۔۔میری تو عقل کام نہیں کرتی۔۔۔۔۔۔

عجیب سی مشکل ہے۔۔۔۔۔۔

گیتی بالکل کسی طرح بھی نہیں مانتی۔۔۔۔۔۔؟

نہیں۔۔۔۔۔۔کسی طرح بھی نہیں۔۔۔۔۔۔اس کی تعریفیں کیں۔۔۔۔۔۔بقول خالو جان اس کی خوش قسمتی کے قصے سنائے۔۔۔۔۔۔ہر طرح سمجھایا۔۔۔۔۔۔کئی حیلوں بہانوں سے گیتی کو اس کے کمرے میں لے جانے کی کوشش بھی کی۔۔۔۔۔۔مگر سب بے سود۔۔۔۔۔۔سب بے کار۔۔۔۔۔۔سب بے اثر۔۔۔۔۔۔اسے تو اس سے کوئی خدا واسطے کا بیر ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔

ہائے۔۔۔۔۔۔! بے اختیار بانو کے حلق سے ٹھنڈا سانس نکل گیا۔۔۔۔۔۔

اور اتنی ہی دن بدن تمہارے خالو کی ضد پکی ہوتی جا رہی ہے۔۔۔۔۔۔ہر طرح اسے آزما بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔۔اب تو وہ علی الاعلان کہتے ہیں کہ اس کی خوش بختی میں کوئی کلام نہیں۔۔۔۔۔۔گیتی کی زندگی کا ساتھی اس سے بہتر یا اس جیسا بھی کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔۔۔۔۔۔

دونوں ہی کی ضد عجیب ہے۔۔۔۔۔۔

دیکھو تو۔۔۔۔۔۔کس طرح دونوں باپ بیٹی نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔۔۔۔۔۔میری بھی کوئی زندگی ہے۔۔۔۔۔۔

بے بسی کے مارے بانو کی آنکھوں میں بہت سارے آنسو آ گئے۔۔۔۔۔۔

نہ انہیں ان کے ارادے سے ادھر ادھر کر سکتی ہوں اور نہ ہی گیتی کو مجبور کرنے کو جی چاہتا ہے۔۔۔۔۔۔درمیان میں لٹکی ہوئی ہوں۔۔۔۔۔۔

ان کے آنسو پوری روانی سے بہنے لگے۔۔۔۔۔۔

کبھی ان کی بات درست لگتی ہے اور کبھی گیتی کا خیال آ جاتا ہے کہ وہ بھی ٹھیک کہتی ہے۔۔۔۔۔۔یا اللہ! میں کیا کروں گی۔۔۔۔۔۔؟

ارے خالہ جان! آپ تو رونے لگیں۔۔۔۔۔۔

سحر ان کے سپید رخساروں پر پھسلتے موتیوں کے قطرے دیکھ کر مزید پریشان ہو گئی۔۔۔۔۔۔اس نے اپنی ممی کو کبھی روتے نہیں دیکھا تھا۔۔۔۔۔۔شاید اس لیے۔۔۔۔۔۔کہ ان کی اس نے ہمیشہ ہر خواہش پوری ہوتے دیکھا۔۔۔۔۔۔جو بات منہ سے نکالتیں اس کے ڈیڈی کی ہمت کیا تھی کہ پوری نہ ہوتی۔۔۔۔۔۔

اور یہ بے چاری۔۔۔۔۔۔چکی کے دو پاٹوں میں پس رہی تھیں۔۔۔۔۔۔

ایک طرف شوہر۔۔۔۔۔۔وہ بھی زبردست۔۔۔۔۔۔دوسری طرف اولاد۔۔۔۔۔۔اس کے لیے یوں جی میں تڑپ موجود۔۔۔۔۔۔کہ اگر مرضی کے خلاف کچھ ہو گیا تو دل ٹوٹ بکھر جائے گا۔۔۔۔۔۔

ہائے مجبوری۔۔۔۔۔۔!

وہ روئے جا رہی تھیں۔۔۔۔۔۔اور سحر پریشان ہوئی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔ان کے آنسو اسے اپنے دل پر ٹپکتے محسوس ہو رہے تھے۔۔۔۔۔۔

آپ فکر نہ کریں۔۔۔۔۔۔میں کوئی نہ کوئی حل ضرور ڈھونڈ لوں گی۔۔۔۔۔۔

یہی عمر ہے اس کا رشتہ ہونے کی۔۔۔۔۔۔یہی ضدوں میں نکل گئی تو پھر کیا ہو گا۔۔۔۔۔۔؟

نہیں ضدوں میں نکلتی۔۔۔۔۔۔کہہ جو رہی ہوں کہ میرا ذمہ۔۔۔۔۔۔

بس! اب آپ چپ ہو جائیے۔۔۔۔۔۔

سحر گھبرا گھبرا کر انہیں تسلیاں دے رہی تھی۔۔۔۔۔۔

میں بیمار سیمار رہتی ہوں ۔۔۔۔۔۔ کیا پتہ کب سانس ساتھ چھوڑ جائے ۔۔۔۔۔۔ ایک اولاد نصیب میں ہوئی ۔۔۔۔۔۔ اس کی بھی خوشیاں نہ دیکھیں تو پھر زندگی میں کیا پایا ۔۔۔۔۔۔؟

نہیں خالہ جان! انشاء اللہ آپ کے نصیب میں اپنی گیتی کی خوشیاں ضرور ہوں گی ۔۔۔۔۔۔ آپ بھلا ایسی مایوسی کی باتیں کیوں سوچتی ہیں

ڈھلتی کے پہرے ہیں بیٹی! کیسے نہ مایوس ہوں ۔۔۔۔۔۔

نہیں خالہ جان! ایسا مشکل مسئلہ بھی نہیں ۔۔۔۔۔۔

پھر بتاؤ آخر میں کیا کروں ۔۔۔۔۔۔!

وہ تو جیسے بالکل بے بس ہوگئی تھیں

میرا خیال ہے میں نہ خالو جان سے بات کروں ۔۔۔۔۔۔؟

اس بھول میں نہ رہنا بیٹی! تمیں سال ان کے ساتھ گزارے ہیں ۔۔۔۔۔۔ جس ضد پر ایک بار اڑ جائیں پھر میں نے تو اس سے ٹلتے انہیں دیکھا نہیں اور پھر خصوصاً یہ ضد ۔۔۔۔۔۔ وہ تو ہمیشہ ہاتھ کی لکیروں پر اپنے فیصلے کیا کرتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ بیحد اٹل فیصلے ۔۔۔۔۔۔

پھر کوئی اور چارہ کرنا پڑے گا ۔۔۔۔۔۔ کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے ۔۔۔۔۔۔

سحر سوچوں میں کھوگئی ۔۔۔۔۔۔ بانو دوپٹے کے پلو سے اپنے آنسو خشک کرنے لگیں

یکدم سحر کو نہ جانے کیا خیال آیا ۔۔۔۔۔۔ چونک کر بولی ۔۔۔۔۔۔

خالو جان کے مل میں جانے کے اوقات کیا ہیں ۔۔۔۔۔۔؟

پہلے تو سارا سارا دن وہیں گزارا کرتے تھے ۔۔۔۔۔۔ اب اس پر بڑا اعتماد اور بھروسہ ہو گیا ہے ۔۔۔۔۔۔ اس لیے کوئی پابندی نہیں رہی ۔۔۔۔۔۔ جب

جی چاہا چلے گئے ------ اور کسی دن تو بالکل ہی نہیں جاتے ------

کیا وہ دن کل نہیں ہو سکتا ------؟

کیا ------؟

کچھ نہیں ------ کچھ نہیں ------ سحر گڑ بڑا گئی

آپ کیا کہہ رہی تھیں ------؟

بس یہی ------ کہ کسی دن ناغہ ہی کر لیتے ہیں ------ پھر سارا دن گھر میں ہی آرام کرتے رہتے ہیں ------ کہتے ہیں اپنا بیٹا ہوتا تو شاید وہ بھی اتنی محبت اور لگن سے سارے کام کو نہ سنبھال لیتا ------ جس طرح اس نے سنبھال لیا ہے ------

تب تو پھر وہ اچھا انسان ہی ہو گا ------ خالو جان کی باتوں سے تو محسوس ہوتا ہے ------ سحر پر خیال انداز میں بولی

اس پر ان کے مر مٹنے سے تو مجھے بھی یہی خیال آتا ہے ------ تبھی تو میں بھی یہ سب سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوئی ہوں ------

اچھا ------ پھر گیتی کی بچی کو میں ٹھیک کروں گی ------

سحر اٹھ کھڑی ہوئی ------ جاتے جاتے جانے پھر کیا سوجھا ------ ؟وہیں رک گئی ------

مینجر کا نام کیا ہے خالہ جان ------؟

نام ------؟ بانو سٹپٹا گئیں، بڑی معصومیت سے بولیں

وہ تو میں نے کبھی پوچھا ہی نہیں ------ اور نہ ہی انہوں نے خود ہی بتایا ------ بس مینجر کہہ کر وہ بات کر دیتے ہیں اور مینجر کہہ کر میں کر لیتی ہوں ------

یہ خوب رہی ------ سحر زور سے ہنس پڑی

بیچارے کا نام ہی مینجر بن گیا۔۔۔۔۔۔

بانو کو اپنی لگی تھی ۔۔۔۔۔۔ اس کی ہنسی کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی

۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔؟

بانو نے ملتجی انداز میں اس کی جانب دیکھا۔۔۔۔۔۔ جیسے کہہ رہی تھیں

۔۔۔۔۔۔بیٹی میری پریشانیوں کا ضرور کوئی حل ڈھونڈنا۔۔۔۔۔۔

آپ بالکل فکر نہ کریں ۔۔۔۔۔۔ اب وہی ہوگا جو خالو جان چاہتے ہیں

۔۔۔۔۔۔

لیکن گیتی کے ساتھ بھی کوئی زبردستی۔۔۔۔۔۔

نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔اس کی خوشی سے سب کچھ ہوگا۔۔۔۔۔۔بس! آپ

دیکھتی جایئے۔۔۔۔۔۔

جانے اس نے کیا سوچ لیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ بڑی مطمئن سی مسکراہٹ اس کے

ہونٹوں پر تھی۔۔۔۔۔۔

☆

چار مہینے یوں گزر گئے تھے، جیسے چند لمحات بیتے تھے۔ اتنا عرصہ پریشانیاں اٹھانے کے بعد یکدم یہ خوشگوار دن اللہ میاں نے جیسے چپکے سے چھت پھاڑ کر بھیج دیئے تھے۔۔۔۔۔۔۔

تبھی اسے یہ چار ماہ کی مدت اتنی مختصر لگ رہی تھی۔۔۔۔۔۔ کچھ سوچنے کا وقت ہی نہ ملا۔۔۔۔۔۔ کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔۔۔۔۔۔۔

جانے کیسے یہ سب کچھ ہو گیا۔۔۔۔۔۔ کوئی سپنا ہی محسوس ہو رہا تھا جس میں سے وہ گزر رہا تھا۔۔۔۔۔۔

چند دن پہلے یہ سب تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ ایسی پریشانی، مفلسی، تنگ دستی اور فاقوں کے عالم میں سے یکدم ہی اسے ایسی خوشحالی نصیب ہو جائے گی۔۔۔۔۔۔

سیٹھ امان کا گھر اس کے لئے مثل جنت تھا۔۔۔۔۔۔ ہر آسائش، ہر سہولت اسے مہیا تھی۔۔۔۔۔۔

خود سیٹھ امان اس کی یوں خاطر داریاں اور خوشامدیں کرتے رہتے جیسے یہ سب کچھ اس کا تھا۔۔۔۔۔۔ اور انہیں بھی جو کچھ حاصل تھا اس کی ہی وجہ سے تھا۔۔۔۔۔۔ کچھ ایسا ہی ان کا انداز تھا۔۔۔۔۔۔

ویسے۔۔۔۔۔۔ ویسے۔۔۔۔۔۔ جب سے وہ ان کی مل میں آیا تھا۔۔۔۔۔۔ وہاں ترقی بھی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔

وہیں کے ملازمین سے اسے معلوم ہوا تھا کہ پچھلے کئی مہینوں سے مل بہت گھاٹے میں جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

گھاٹا کیوں نہ پڑتا۔۔۔۔۔۔ وہاں کا سارا نظام تو درہم برہم تھا۔۔۔۔۔۔ ہر شعبے میں بے ایمانی کا راج تھا۔۔۔۔۔۔ سیٹھ امان بے

چارے اکیلے کس کس طرف ہوتے ------ ہر کسی نے تو انہیں لوٹ لینا چاہا------ بد دیانتی ہی بد دیانتی ------!

مزدوروں کو کم سے کم اجرت دی جاتی تھی اور افسر خود خوب کھاتے رہے ------عیش اڑاتے رہے ------اپنا معیار زندگی بلند سے بلند تر کرتے رہے ------

یہی کھاتے ٹھیک ٹھاک تھے ------ مکمل تھے ------ بہت عرصہ سیٹھ امان کو بھی پتہ نہ چل سکا ------ اور جب چلا ------ تو وہ دیوالیہ ہونے والے تھے

مزدور کمیٹی کے ایک رہنما نے ایزد کو یہ سب کچھ بتایا تھا ------ انہیں اجرت جو کم ملتی تھی وہ علیحدہ ------ اور جو ملتی تھی وہ بھی وقت پر نہیں ------

چنانچہ مزدور آئے دن ہڑتالیں کرتے رہتے تھے ------ توڑ پھوڑ کرتے رہتے تھے ------ جی لگا کر کام نہیں کرتے تھے ------

اس مل سے، جہاں سے انہیں روٹی ملتی تھی ------ انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی ------ صرف اسی لیے کہ ان کی محنت کے حساب سے ان کی زندگی کی ضروریات نہیں پوری ہو رہی تھیں ------

ان حالات نے سیٹھ امان کو پریشان کر رکھا تھا ------ دو تین مینجر بدلے ------ ہر نیا آنے والا پہلے کی ڈگر پر ہی چلا ------ اور پھر ------

جانے کس خیال کے تحت انہوں نے اسے مینجر بنا دیا ------ شاید پریشانیوں نے ان کے دماغ پر بھی اثر ڈالا ہوا تھا ------ جو انہوں نے اسے ایسا نہ دیکھا ------ نہ جانا ------ نہ اس کی قابلیت پرکھی ------

نہ اس کے لٹے پٹے حلیے کے متعلق کچھ سوچا ۔۔۔۔۔۔

اسے اتنی بڑی ملازمت انہوں نے پیش کر دی ۔۔۔۔۔۔ اس پر اتنا بڑا اعتماد کر کے اتنی بڑی ذمہ داری اس کے کندھوں پر دھر دی ۔۔۔۔۔۔ شاید ان کی پریشانی دماغ نے ہی ان سے یہ سب کچھ کرا ڈالا تھا ۔۔۔۔۔۔

سیٹھ امان کے گھر نے اسے پناہ دی تھی ۔۔۔۔۔۔ سیٹھ امان کی مل نے اسے فاقوں سے بچایا تھا ۔۔۔۔۔۔ سیٹھ امان کے اس بلا سوچ کے اقدام نے اسے در در بھٹکنے سے نجات دلائی تھی ۔۔۔۔۔۔

چنانچہ ۔۔۔۔۔۔ چنانچہ ۔۔۔۔۔۔ ان کے اعتماد کو اس نے ان کی بھول بننے سے بچانا ضروری سمجھا۔ اس نے پورے خلوص سے، بڑی دیانت سے اور انتہائی اعتماد سے مل کی مینجری سنبھال لی ۔۔۔۔۔۔

سیٹھ امان نے بھی تو ساری باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے دی تھی

۔۔۔۔۔۔ بڑھاپا پریشانیوں سے جلد تھک جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔ اور جوانی کے کندھے بڑے مضبوط ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ بھاری سے بھاری بوجھ اٹھانے کی اپنے اندر ہمت رکھتے ہیں ۔۔۔۔۔۔

ایزد نے چپکے سے ہر بوجھ سہار لیا ۔۔۔۔۔۔ اپنی فہم کے مطابق، خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق، کہ دادی کی سات سالہ رفاقت نے اسے مذہب کے ایک ایک اصول، ایک ایک حکم اور ایک ایک لفظ کے متعلق بہت اچھی طرح روشناس کرایا تھا اس نے سارا نظم و نسق سنبھال لیا ۔۔۔۔۔۔

اس نے بد دیانت عناصر کو مل سے نکال دیا ۔۔۔ اس نے مزدوروں کی

محنت کی پوری اجرت دی۔۔۔۔۔۔

سیٹھ امان اس کے کسی کام میں کوئی دخل نہ دیتے تھے۔۔۔۔۔۔۔

ایز د نے جو سوچا، جو بہتر جانا۔۔۔۔۔۔وہ کیا۔۔۔۔۔۔۔

اور یوں جب مزدوروں اور محنت کرنے والوں کو پورا حق ملا تو وہ دل لگا کر کام کرنے لگے۔۔۔۔۔۔دوسرے بھی ہر شعبے میں دیانت داری سے کام ہوا تو مل کی گری ہوئی ساکھ سنبھلنے لگی۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔دو تین مہینے کے اندر اندر پچھلا نقصان پورا کر کے اگلے ایک ڈیڑھ مہینے نے بہت سارا منافع دیا۔۔۔۔۔۔

سیٹھ امان اس پر بہت خوش تھے۔۔۔۔۔۔اور خود وہ۔۔۔۔۔۔وہ تو جیسے کسی اور ہی دنیا میں چلا آیا تھا۔۔۔۔۔۔وہ دنیا جو کوئی صرف خوابوں میں ہی دیکھ سکتا ہے۔۔۔۔۔۔اس نے حقیقتاً دیکھ لی تھی۔۔۔۔۔۔

اور دنیا تھی۔۔۔۔۔۔سیٹھ امان کے مکمل اعتماد کی دنیا۔۔۔۔۔۔ان کے بھروسے اور یقین کی دنیا۔۔۔۔۔۔اور وہ خود۔۔۔۔۔۔اس پوری کی پوری دنیا کا مالک تھا۔۔۔۔۔۔

کتنا دل خوش کن، تسکین دہ اور لذت بخش تھا یہ سب۔۔۔۔۔۔! اس نے اس میں بڑی خود اعتمادی پیدا کر دی تھی۔۔۔۔۔۔وہ اب پہلے سے بہت مختلف انسان تھا۔۔۔۔۔۔کئی قسم کی دولتوں سے مالا مال۔۔۔۔۔۔! خوشحال اور خود اعتماد۔۔۔۔۔۔!!

اور اب۔۔۔۔۔۔ اور اب۔۔۔۔۔۔ ان سب معجزات کے بعد۔۔۔۔۔۔اب نجانے کیا ہونے والا تھا۔۔۔۔۔۔؟

پچھلے تین چار دن سے جانے وہ کون تھی جس کا اسے فون آ رہا تھا۔۔۔۔۔۔دو دن تو وہ صرف اس کا حال چال پوچھنے کے بعد فون بند کر دیا کرتی رہی تھی

تیسرے دن ایزد نے ہی اپنی حیرت اور تجسس کو اطمینان دلانے کے لئے اس کے متعلق پوچھ لیا کہ آخر وہ کون تھی اور کیا چاہتی تھی ------؟؟

وہ کون تھی ------؟ اس کا جواب اس نے مختصراً یہی دیا تھا کہ اس کی ایک بہن ------! اور اس سے چاہتی کیا تھی ------! ایک بھائی کی پرخلوص محبت ------! ایک بھائی کا تحفظ ------! اور ایک بھائی کا مان ------!!! یہ جواب ملا ------

وہ بھی حیران ہو رہا تھا ------ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا کہ ادھر سے پھر فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا ------

اگلے دن پھر فون ہوا اور اس نے اپنے مطلب کی تھوڑی سی وضاحت کی ------ اس کے والدین اس کے اور اس کی چھوٹی سی بہن کے لئے کوئی زندگی والا بھائی پیدا نہیں کر سکے تھے ------

چنانچہ اسے ایک مخلص بھائی کی ضرورت تھی ------ جو سگی بہنوں کی طرح ان کی عزت و توقیر کا محافظ بن سکے ------ ان کے والدین کے بعد جسے وہ صحیح معنوں میں اپنا میکہ کہہ سکیں ------ دنیا والوں کے سامنے وہ بڑے فخر سے اور بڑے مان سے اپنے بھائی کا ذکر کر سکیں کہ زمانہ بڑا نازک اور خراب ہے ------ جوان مرد کا مضبوط سہارا، زبانی زبانی ہی بڑا بھرم رکھ لیتا ہے ------ تو وہ تو پھر حقیقتاً سر بلند کر کے کسی کو بتا سکیں گی کہ وہ جوان اور بہادر بھائی کی بہنیں تھیں ------ یوں وہ ہر نگاہ سے اپنی عزت کرا سکیں گی

اور پھر کھٹ سے فون بند ------

ایزد پوچھنا چاہتا تھا کہ اس اتنی بڑی ذمہ داری اور عزت کے لیے اس نے اسی کا

انتخاب کیوں کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔؟ وہ تو اسے جانتا نہیں تھا۔۔۔۔۔۔۔؟ وہ تو اسے ملی نہیں تھی کبھی۔۔۔۔۔۔؟ پھر کس طرح اس نے اسے اس اعتماد کے قابل سمجھ لیا ۔۔۔۔۔۔؟

مگر یہ سب پوچھنے سے پہلے ہی ادھر سے فون بند کر دیا گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔ البتہ بہت سارے سوال اس کے ذہن میں ہی الجھے رہ گئے۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ پھر وہ ساری رات ایزد سو نہ سکا۔۔۔۔۔۔۔ عجیب سی بے چینی اور بے کلی اس کے سینے میں اس اجنبی لڑکی نے بھر دی تھی۔۔۔۔۔۔۔ بہت سارے دکھ بھرے تار چھیڑ دیئے تھے۔۔۔۔۔۔۔

پہلے اس موضوع پر اس نے کبھی کچھ نہ سوچا تھا۔۔۔۔۔۔۔ اور اب۔۔۔۔۔۔ وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔

اسے سیٹھ امان کی وساطت سے سب کچھ میسر تھا۔۔۔۔۔۔۔ ایک باعزت ملازمت۔۔۔۔۔۔۔ ایک آسائشوں بھرا گھر۔۔۔۔۔۔۔ اچھی سے اچھی اور عمدہ سے عمدہ خوراک۔۔۔۔۔۔ بہترین لباس۔۔۔۔۔۔ جو خود ہی سیٹھ صاحب اس کے لیے بنواتے رہتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ سیر و تفریح کے لیے ان کی گاڑی موجود ۔۔۔۔۔۔

غرض کسی بھی چیز کی اسے کمی نہ تھی۔۔۔۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔۔ آج رات اسے شدت سے اس کا احساس ہوا کہ وہاں ۔۔۔۔۔۔ اس کے اردگرد۔۔۔۔۔۔ اس کے اندر۔۔۔۔۔۔۔ پھر بھی ویرانی ہی ویرانی تھی۔۔۔۔۔۔۔

وہاں کوئی رنگین آنچل نہیں لہراتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ کبھی چوڑیوں کی جھنکار وہاں نہ گونجی تھی۔۔۔۔۔۔ کوئی میٹھی اور سریلی گنگناہٹ فضاؤں میں نہیں ابھری تھی ۔۔۔۔۔۔

کائنات کی رونق، ایک مرد کے دل کی رونق، جس وجود سے تھی وہ اردگرد کہیں دکھائی نہ دیتا تھا۔۔۔۔۔۔

اس کے پاس تو سب کچھ موجود ہو کر بھی کچھ نہ تھا۔۔۔۔۔۔ وہ تو تہی دامن تھا۔۔۔۔۔۔ وہ تو ویران تھا۔۔۔۔۔۔

اس رات اسے اپنی مرحومہ ماں بہت یاد آئی۔۔۔۔۔۔ اسے اپنی ہمیشہ کے لیے بچھڑی ہوئی مشفق و محبوب دادی اماں بہت یاد آئیں۔۔۔۔۔۔

اور پھر۔۔۔۔۔۔ اس دنیا میں جو اس کی ماں موجود تھی۔۔۔۔۔۔ بے شک سوتیلی ہی تھی۔۔۔۔۔۔ وہ بھی بہت یاد آئی۔۔۔۔۔۔ اور سب سے زیادہ اسے اپنی بہن فوزیہ یاد آئی۔۔۔۔۔۔

عمر کا زیادہ حصہ گھر سے باہر گزارنے کے بعد جب تعلیم مکمل کر کے وہ گھر آیا تھا تو سب سے زیادہ خوشی اسے اسی بات کی تھی کہ ماں اور بہن کی محبت بھری دنیا میں سانس لے گا۔۔۔۔۔۔

اسے تو یہ احساس ہی نہ تھا کہ دونوں اس کی حقیقی نہیں تھیں بلکہ سوتیلی تھیں۔۔۔۔۔۔

پھر جانے کیا ہوا۔۔۔۔۔۔؟ اس نے اتنا بڑا کونسا جرم کیا تھا کہ جس کی پاداش میں اسے گھر سے نکال دیا گیا۔۔۔۔۔۔

سوتیلی ماں کی نگاہوں میں کچھ تلاش کرنے پر جب اسے وہاں مہر و محبت کی بجائے نفرت و حقارت ملی تو وہ اپنی فوزیہ باجی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔۔۔۔۔۔

شاید اپنے دل کے جذبے کے حساب سے اسے یہ کامل یقین تھا کہ فوزیہ اس کی طرفداری کرے گی۔۔۔۔۔۔ کہ ان دونوں کا باپ تو ایک تھا۔۔۔۔۔۔ بے شک وہ اس سے لڑا جھگڑا بھی کرتی تھی۔۔۔۔۔۔ مگر یہ سب تو بہن بھائیوں میں ہوتا ہی رہتا ہے۔۔۔۔۔۔

درحقیقت وہ اس کا بھائی تو تھا۔۔۔۔۔۔اس کا خون تو تھا۔۔۔۔۔۔اور خون گرم ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔سرخ ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔اس کی حدت اور اس کی سرخی پر اسے پورا اعتماد تھا۔۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔اس لمحے اسے احساس ہوا کہ فوزیہ تو صولت کی سگی بہن تھی ۔۔۔۔۔۔ اور اس کی ماں ۔۔۔۔۔۔ اور اس کی ۔۔۔۔۔۔سوتیلی ۔۔۔۔۔۔

اور سوتیلا رشتہ کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔جب سوتیلا پن درمیان میں آ جائے تو خون میں وہ گرمی نہیں رہتی، اور خون میں وہ سرخی نہیں رہتی۔۔۔۔۔۔

خلوص و محبت کی بجائے دلوں میں صرف عداوت ہی عداوت ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔

تب۔۔۔۔۔۔اس گھر سے اس کا دانہ پانی اٹھ گیا۔۔۔۔۔۔اس کے قدم اٹھ گئے۔۔۔۔۔۔

اور پھر۔۔۔۔۔۔نہ صرف خالی ہاتھ بلکہ خالی دل بھی لیے وہ در در بھٹکتا رہا ۔۔۔۔۔۔

اور اب ۔۔۔۔۔۔ یہ آج ۔۔۔۔۔۔پھر کسی نے اس کے دل کے دروازے پر دستک دی تھی۔اس کے زخموں سے چور سوئے جذبوں کو بیدار کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔

اسے فوزیہ یاد آ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔اس کے سینے سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔

فوزیہ باجی! آ کر دیکھو تو سہی تمہارا منا سا ایزد اب ایک جوان و مضبوط مرد ہے ۔۔۔۔۔۔ وہ ویران ہے ۔۔۔۔۔۔وہ بے سہارا ہے۔۔۔۔۔۔اسے تمہاری ضرورت ہے۔۔۔۔۔۔تم اس کی ویران زندگی میں بہت ساری بہاریں لا

سکتی ہو۔۔۔۔۔۔

وہ کراہ اٹھا۔۔۔۔۔۔وہ بے چین ہوا تھا۔۔۔۔۔۔

اس کی بہن، اس کی ماں اس گھر میں ہوتیں تو ان لہراتے آنچلوں میں ایک اور کا اضافہ ہو جاتا۔۔۔۔۔۔جس طرح وہ کامیاب و کامران زندگی کا مالک بن گیا تھا ۔۔۔۔۔۔اس کی حیات میں کچھ اور بھی خوشیاں در آتیں۔۔۔۔۔۔

ایک حسین اور محبت بھری آغوش کی پناہ گاہ پا کر خود اس کے وجود کی تکمیل ہو جاتی پھر۔۔۔۔۔۔پھر۔۔۔۔۔۔اس کے گھر کو اور بہت ساری چھوٹی چھوٹی خوشیاں نصیب ہوتیں ہلچل۔۔۔۔۔۔ !ہنگامے۔۔۔۔۔۔ !رونقیں۔۔۔۔۔۔!!

اور اب۔۔۔۔۔۔یہاں کچھ بھی نہ تھا۔۔۔۔۔۔بجز، ویرانوں کے، بجز خیابانوں کے۔۔۔۔۔۔!

آج اسے بہت شدت سے فوزیہ یاد آئی۔۔۔۔۔۔وہ بہت دیر سوچوں میں کھویا رہا۔۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔ان یادوں کو سینے میں سمیٹ سمیٹ کر لپٹا لپٹا کر آہیں بھرنے اور کراہنے سے بھلا فائدہ کیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ ایک نئی سوچ نے نہ صرف اس کے ذہن کو بلکہ دل کو بھی روشن و منور کر دیا۔۔۔۔۔۔

اگر فوزیہ باجی اس کی بہن نہ بن سکی تھیں تو جو پھیلا آنچل اس کی طرف بڑھ رہا تھا وہ پورے خلوص اور اپنے تمام تر برادرانہ جذبوں کو لے کر اس میں سمٹ جائے گا ۔۔۔۔۔۔

وہ اسے بھائی کی محبت، بھائی کا تحفظ اور بھائی کا مان دے گا اور اس سے بہن کا پیار لے گا۔۔۔۔۔۔گھر کی اور دل کی رونقیں سجائے گا۔۔۔۔۔۔

اس نے دل میں تہیہ کر لیا۔۔۔۔۔۔

اور آج ۔۔۔۔۔۔ وہ شعوری اور لاشعوری طور پر اس فون کا منتظر تھا۔۔۔۔۔۔ بڑی بے چینی سے ۔۔۔۔۔۔ انتہائی بے قراری سے ۔۔۔۔۔۔اور وقت تھا کہ گزر ہی نہیں رہا تھا۔۔۔۔۔۔

کوئی کام کرنے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔۔۔۔۔۔بار بار گھڑی کی طرف نگاہ اُٹھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

پچھلے تین چار دن تو پورے دس بجے فون کی گھنٹی بج اٹھتی تھی۔۔۔۔۔۔اور آج ۔۔۔۔۔۔سامنے کلاک پر دس بج رہے تھے۔۔۔۔۔۔آپ ہی آپ اس کا ہاتھ ریسور تک پہنچ گیا۔۔۔۔۔۔ آٹھ۔۔۔۔۔۔ نو۔۔۔۔۔۔ دس۔۔۔۔۔۔

اور عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔۔۔۔۔۔ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر اس نے ریسور کو جھپٹ لیا۔۔۔۔۔۔

ہیلو۔۔۔۔۔۔! کیا میرے بھیا بول رہے ہیں۔۔۔۔۔۔؟

کتنا خلوص اور اپناہت بھرا لہجہ تھا۔۔۔۔۔۔ پچھلے دنوں سے بھی زیادہ ۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔ایزد بے تابی سے بڑبڑا اٹھا۔۔۔۔۔۔

یہ میں ہی ہوں فوزیہ باجی۔۔۔۔۔۔! آپ کا ایزد

جی۔۔۔۔۔۔کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔؟

اوہ۔۔۔۔۔۔!

ایزد کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔۔۔۔۔۔

بھول گیا۔۔۔۔۔۔آپ کا نام۔۔۔۔۔۔؟

جی میرا نام سحر ہے۔۔۔۔۔۔

اور پھر سحر سچ مچ اس کی زندگی میں ایک سحر بن کر در آئی۔۔۔۔۔۔امیدوں اور

روشنیوں بھری سحر۔۔۔۔۔۔!

اسی شام دونوں نے ایک دوسرے سے ملنے کا پروگرام بنالیا۔۔۔۔۔۔عجیب سی بات تھی۔۔۔۔۔۔دونوں ایک دوسرے کو پہچانتے نہیں تھے۔۔۔۔۔۔

مگر پھر بھی نہ کوئی اپنی نشانی نہ کوئی اور پہچان۔۔۔۔۔۔بس جذبات میں آکر صرف وقت مقرر کرلیا اور جگہ کا تعین۔۔۔۔۔۔!

اور وہ جگہ تھی۔۔۔۔۔۔وہ کیفے۔۔۔۔۔۔جہاں ایزد نے زندگی کی بے شمار شامیں گزاری تھیں۔۔۔۔۔۔جگہ کا انتخاب سحر نے اس کی مرضی پر ڈال دیا تھا۔۔۔۔۔۔چنانچہ نیک فال کے طور پر ایزد نے بہن بھائی کی ملاقات کے لیے وہی مناسب جانا۔۔۔۔۔۔

ایزد کچھ زیادہ ہی بے تاب تھا۔۔۔۔۔۔وقت مقررہ سے آدھ گھنٹہ پیشتر ہی وہاں پہنچ گیا۔۔۔۔۔۔کچھ دیر باہر ٹہل ٹہل کر انتظار کرتا رہا۔۔۔۔۔۔پھر اندر جا کر اپنی وہی میز ریزرو کرائی

پھر واپس آیا۔۔۔۔۔۔پھر ٹہلنے لگا۔۔۔۔۔۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنی اس نادیدہ، انجان اور عزیز ترین بہن کا کس طرح استقبال کرے ۔۔۔۔۔۔

اس نے اس پر اعتماد کیا تھا۔۔۔۔۔۔لاکھوں انسانوں میں سے اسے اس قابل سمجھا تھا کہ بھائی بنانے کی سعادت بخشی۔۔۔۔۔۔ایزد کو اس پر بڑا پیار آئے جارہا تھا۔۔۔۔۔۔

بچپن سے جوانی تک پہنچتے پہنچتے دو سگے بہن بھائی محبت و یگانگت، اعتماد و بھروسے کی جن منازل سے گزرتے ہیں۔۔۔۔۔۔وہ ایزد ان تین چار مہینوں میں ہی طے کر چکا تھا۔۔۔۔۔۔

وہ اسے اسی طرح اچھی لگی جارہی تھی۔۔۔۔۔۔دل میں اس کے لیے کچھ

ایسے ہی جذبات ابھر رہے تھے ۔۔۔۔۔۔ جیسے ایک عرصہ دراز بچھڑے رہنے کے بعد اچانک اس کی گم شدہ بہن اسے مل گئی تھی ۔۔۔۔۔۔۔

اس کے قریب ہی ایک رکشا آ کر رکا ۔۔۔۔۔۔ ایزد چونک کر ادھر دیکھنے لگا ۔۔۔۔۔ ایک اکیلی لڑکی اس میں سے نکلی تھی ۔۔۔۔۔۔ ایزد نے جلدی سے گھڑی دیکھی ۔۔۔۔۔۔ پانچ بج رہے تھے ۔۔۔۔۔۔۔

کہیں سحر ہی نہ ہو ۔۔۔۔۔۔

یکلخت اسے خیال آیا ۔۔۔۔۔ وقت کی شاید وہ بہت پابند تھی ۔۔۔۔۔۔ فون بھی تو ہمیشہ ایک ہی وقت پر کیا کرتی تھی ۔۔۔۔۔ ایک لمحہ پہلے یا دیر سے نہیں ۔۔۔۔۔۔

اس کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا کہ یقیناً وہ سحر ہی تھی ۔۔۔۔۔۔

اور دل کی بات ایزد نے جھٹ تسلیم کر لی ۔۔۔۔۔۔ یہ جذبے کبھی جھوٹ نہیں بولتے ان دونوں کے دلوں کی لگن یقیناً سچی تھی ۔۔۔۔۔۔ تبھی تو دونوں اتنی جلد ایک دوسرے کے بن گئے تھے ۔۔۔۔۔۔

ایزد انتہائی اعتماد اور پورے وثوق سے دو قدم آگے بڑھ گیا ۔۔۔۔۔۔

السلام علیکم ۔۔۔۔۔۔!

لڑکی اس کی آواز سن کر چونکی ۔۔۔۔۔۔ پھر رکشے والے کو کرایہ ادا کرتے کرتے رک کر پیچھے گھومی ۔۔۔۔۔۔

میں ایزد ہوں ۔۔۔۔۔۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ سحر ہیں ۔۔۔۔۔۔

ایزد جیب سے بٹوہ نکالتے ہوئے بولا ۔۔۔۔۔۔ اس کے پر اعتماد لہجے اور پر یقین انداز کو لڑکی نے قدرے حیرت سے دیکھا ۔۔۔۔۔۔ پھر مسکرا دی ۔۔۔۔۔۔

آپ نے ٹھیک پہچانا بھیا! میں سحر ہی ہوں ۔۔۔۔۔۔

رکشے والا کرایہ لینے کے لیے ہاتھ پھیلائے منتظر کھڑا تھا۔۔۔۔۔۔سحر سر جھکا کر جلد جلد سکے گننے لگی۔۔۔۔۔۔ایزد نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔۔۔۔۔۔

یہ میرا فرض ہے۔۔۔۔۔۔

اور پھر اپنے بٹوے میں سے رکشے والے کا کرایہ ادا کر دیا۔۔۔۔۔۔

سحر بڑے غور سے اسے سر سے پاؤں تک گھور رہی تھی۔۔۔۔۔۔

ہوں۔۔۔۔۔۔رکشا گھوم کر سڑک پر نکل گیا تو ایزد اس کی طرف متوجہ ہوا۔۔۔۔۔۔

تم تو منی سی ہو۔۔۔۔۔۔

پھر وہ بڑی اپنایت سے مسکرا دیا۔۔۔۔۔۔

میں سمجھا تھا مجھے باجی ملی ہے۔۔۔۔۔۔

بھائی جان بننے کا افسوس ہوا۔۔۔۔۔۔؟

نہیں۔۔۔۔۔۔بلکہ زیادہ خوشی۔۔۔۔۔۔!

ایزد اسی بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کیفے کے ہال کی طرف بڑھا جیسے وہ اس کی حقیقی بہن ہی تھی۔۔۔۔۔۔

بتاؤ چائے کے ساتھ کیا کھانا پسند کرو گی۔۔۔۔۔۔؟

شامی کباب۔۔۔۔۔۔!

سحر بظاہر سادگی سے بولی۔۔۔۔۔۔مگر دزدیدہ نگاہی سے ایزد کو دیکھے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

شامی کباب سن کر وہ چونکا۔۔۔۔۔۔پھر مسکرایا۔۔۔۔۔۔

تب تو بہن بھائی کی پسند ایک ہی ہے۔۔۔۔۔۔

ہوئے جو بہن بھائی۔۔۔۔۔۔

ہاں ۔۔۔۔۔۔

ایزد نے بے حد پیار سے اسے دیکھا ۔۔۔۔۔۔ کتنی پرخلوص بات کہی تھی اس نے ۔۔۔۔۔۔

ایزد نے بہت ڈھیر سارے کبابوں کا آرڈر دے دیا ۔۔۔۔۔۔ بہت سارے سموسے اور اچھے شگون کے طور پر میٹھے میٹھے شیرے میں لت پت گلاب جامن بھی منگوا لیے ۔۔۔۔۔۔

تب دونوں نے بہت ساری باتیں کیں ۔۔۔۔۔۔ بہت سارے شامی کباب کھائے ڈھیر سارے گلاب جامنوں سے ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرایا ۔۔۔۔۔۔ سموسے کھائے ۔۔۔۔۔۔ کئی کئی چائے کی پیالیاں پی ڈالیں وقت گزرنے کا دونوں میں سے کسی کو بھی احساس نہ ہوا ۔۔۔۔۔۔ اتنی باتیں تو دونوں نے شاید اپنی گزری ہوئی پوری زندگی میں بھی نہ کی تھیں ۔۔۔۔۔۔

اپنے بچپن کے قصے، سکول کالج کے واقعات ۔۔۔۔۔۔ اپنے اپنے گھریلو حالات ۔۔۔۔۔ سب کچھ دونوں نے ایک دوسرے کے گوش گزار کر دیا ۔۔۔۔۔۔ ہر بات کھول کر ایک دوسرے کے سامنے رکھ دی ۔۔۔۔۔۔

ایک دوسرے کے لیے دونوں کی آنکھوں سے آنسو بھی ٹپکے ۔۔۔۔۔۔ ہونٹوں پر ہنسیاں بھی بکھریں ۔۔۔۔۔ حلقوں سے قہقہے بھی پھوٹے ۔۔۔۔۔۔

اور پھر تین گھنٹے کے بعد جب وہ وہاں سے اٹھے تو دونوں ہی کو یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے ایک ہی ماں کے بطن سے دونوں نے جنم لیا تھا ۔۔۔۔۔۔

ایزد تو پہلے ہی سنجیدہ تھا ۔۔۔۔۔۔ اس کی تو فوزیہ والی می نہ صرف پوری طرح بلکہ کچھ زیادہ احسن طریقے سے پوری ہو گئی تھی ۔۔۔۔۔۔

اور اب سحر بھی اپنے دل میں ایسے ہی جذبات محسوس کر رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ اس

نے اس کھیل کا آغاز گیتی کی ماں بانو کی خاطر کیا تھا۔۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔ ایزد کو دیکھ کر۔۔۔۔۔۔ اس کی عادات و اطوار، اس کے خلوص اور اس کی پرکشش شخصیت سے متاثر ہو کر وہ خود اسے اپنا بالکل اور بالکل حقیقی بھائی سمجھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔ گویا وہ اب اس کی اور اس کے جذبوں کی ضرورت بن گیا تھا۔

اس کا کوئی بھائی نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ اکثر اس کے دل میں یہ حسرت پیدا ہوئی تھی کہ دوسری لڑکیوں کی طرح اس کا بھی کوئی جوان بھائی ہوتا۔۔۔۔۔۔ وہ بھی فخر سے سر بلند کر کے اپنی ہم جولیوں کے سامنے اس کی بہادری، اس کی قابلیت اور اس کی زندہ دل حرکات و عادات کے گن گاتی۔۔۔۔۔۔

اور اس کے کھیل نے کیسے چپکے سے اس کی یہ تمنا پوری کر دی تھی۔۔۔۔۔۔ جیسے حضرت موسیٰ کوہ طور پر آگ لینے گئے تو انہیں پیغمبری مل گئی۔۔۔۔۔۔

کچھ ایسا ہی حال سحر کا ہو رہا تھا۔۔۔۔۔۔ کچھ اسی انداز میں وہ خوش ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔

اس کے تو وہم و گمان، خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ ایزد اتنا اچھا اور اتنا پیارا انسان تھا اور یوں خود وہ اتنے خلوص اور اتنی چاہت سے اسے بھائی کا پیار اور تحفظ دے دے گا۔۔۔۔۔۔

تب اس نے سوچا کہ سیٹھ امان جو اس کے ہاتھ کی لکیروں کی خوش بختی پر فریفتہ ہوئے تھے تو یہ ان کی زیادتی تھی۔۔۔۔۔۔

ایزد تو بذات خود ہی اس قابل تھا کہ اس پر بڑے سے بڑا اعتماد کر لیا جاتا۔۔۔۔۔۔ اسے اپنا بنا لیا جاتا۔۔۔۔۔۔ اس میں ایسے جوہر تھے کہ جس کے ساتھ بھی خواہ کسی قسم کا بھی تعلق قائم کر لیتا۔۔۔۔۔۔ اپنا سر، اپنی جان دے کر بھی وہ نبھاتا۔۔۔۔۔۔

وہ ایسا ہی تھا۔۔۔۔۔۔اس کی باتوں میں، اس کے ارادوں میں اعتماد تھا چٹانوں ایسی سختی تھی۔۔۔۔۔۔وہ تو خود اپنے ہاتھ کی لکیریں بنانے والا تھا ۔۔۔۔۔۔

سحر نے سوچا۔۔۔۔۔۔وہ خوش قسمت تھی۔۔۔۔۔۔جسے ایسا قابل فخر بھائی مل گیا تھا۔۔۔۔۔۔

اور گیتی خاصی بے وقوف۔۔۔۔۔۔جو دیکھے، پرکھے بنا اسے ٹھکرائے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔جو خوامخواہ ہی ضد پر اڑ گئی تھی۔۔۔۔۔۔

اگر پہلی نگاہ میں اپنے لٹے پٹے حلیے کی وجہ سے وہ اسے اچھا نہیں لگا تھا تو دوسری بار دیکھتی تو سہی۔۔۔۔۔۔

اس کا بھائی تو لاکھوں میں ایک تھا۔۔۔۔۔۔!

عادات رہیں ایک طرف، گیتی نے تو اس کی وجاہت، اس کے بانکپن اور اس کی پرکشش شخصیت پر ہی لٹو ہو جانا تھا۔۔۔۔۔۔

احمق تو گیتی خود تھی۔۔۔۔۔۔

☆

آج بہت دنوں بعد شکل دکھائی ۔۔۔۔۔۔۔

گیتی نے سحر کو کمرے کے اندر قدم رکھتے دیکھ کر فوراً گلہ کیا۔۔۔۔۔۔۔

نہ سلام۔۔۔۔۔۔۔نہ دعا۔۔۔۔۔۔۔آتے ہی گلے شکوے شروع کر دیئے ۔۔۔۔۔۔۔

سحر نے عادت کے مطابق دور سے ہی پرس پلنگ کی طرف اچھالا ۔۔۔۔۔۔۔ پرلی دیوار کی طرف چپل پھینکے اور خود مسکراتے ہوئے جا کر قالین پر اوندھی لیٹ گئی ۔۔۔۔۔۔۔

تجھے سلام دعا سے کیا سروکار۔۔۔۔۔۔۔؟

میں حافظ قرآن کی دختر نیک اختر ہوں۔۔۔۔۔۔۔

ہائیں۔۔۔۔۔۔۔ہائیں! یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔۔۔۔۔۔۔؟

کیا اس میں کوئی شک ہے۔۔۔۔۔۔۔؟

لیکن تمہاری زبان نے اس قسم کا اعتراف آج کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔

صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے گا۔۔۔۔۔۔۔

ہائے سحر! یہ کیسی باتیں کیے جا رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔؟ کس کا سایہ تم پر پڑ گیا۔۔۔۔۔۔۔؟

تمہارا۔۔۔۔۔۔۔

میرا پڑنا ہوتا تو کئی سال پہلے کا پڑ چکا ہوتا۔۔۔۔۔۔۔

اچھا سائے وائے کو چھوڑو۔۔۔۔۔۔۔ یہ سناؤ آج کل کیا کر رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔؟

بس وہی۔۔۔۔۔۔۔جو کرتی رہتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔

یعنی کہ میگزین، اخبار، ناول، کشیدہ، ٹنٹنگ اور مینجر کے لیے۔۔۔۔۔۔۔

پھر سحر بڑے انداز سے مسکرائی ۔۔۔۔۔۔

شامی کباب ۔۔۔۔۔۔

باقی سب کچھ وہی ۔۔۔۔۔۔ البتہ شامی کبابوں سے آج کل چھٹی ہے ۔۔۔۔۔۔

گیتی کے لہجے میں خوشی کی آمیزش تھی ۔۔۔۔۔۔

کیوں ۔۔۔۔۔۔؟ یہ منیجر بھی گیا ۔۔۔۔۔۔؟

توبہ کرو ۔۔۔۔۔۔ یہ تو باوا جان کی جند جان ہے ۔۔۔۔۔۔ ہم چلے جائیں گے ۔۔۔۔۔۔ مگر یہ نہیں جائے گا ۔۔۔۔۔۔

پھر ۔۔۔۔۔۔؟

باہر کوئی مصروفیت اسے مل گئی ہے ۔۔۔۔۔۔ رات گئے گھر لوٹتا ہے ۔۔۔۔۔۔ پھر کھانا بھی کبھی کبھار ہی کھاتا ہے ۔۔۔۔۔۔

گیتی مسکرائے جا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

باوا جان جانے کیوں بڑے پریشان ہیں ۔۔۔۔۔۔ مگر میں تو بہت خوش ہوں ۔۔۔۔۔۔

کیوں ۔۔۔۔۔۔؟

اللہ کرے کوئی ایسی ہی مصروفیت ہو ۔۔۔۔۔۔ اگر امی اور باوا جان کے دل میں کچھ ہے تو میری تو جان چھوٹ جائے گی نا ۔۔۔۔۔۔

تیری جان تو اب میں نہیں چھوڑوں گی گیتی کی بچی ۔۔۔۔۔۔ ! سحر نے دل ہی دل میں کہا ۔۔۔۔۔۔ اسی منیجر کی بیوی بننے کے لیے تو تڑپے گی ۔۔۔۔۔۔ میری منتیں کرے گی ۔۔۔۔۔۔ ہاتھ جوڑے گی ۔۔۔۔۔۔ بس! چند دن ٹھہر جا ۔۔۔۔۔۔

کیا سوچنے لگیں ۔۔۔۔۔۔؟

گیتی نے اس کے سوچوں میں گم چہرے کو غور سے دیکھا۔۔۔۔۔۔

آں۔۔۔۔۔۔کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔

پھر سحر اٹھ کر بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔

گیتی کی بچی! تیرے گھر آئیں تو تو کبھی چائے وغیرہ کے متعلق نہیں پوچھتی ؟۔۔۔۔۔۔

وہ تیرا چہیتا رفیقا تجھے آتے دیکھ کر خود ہی تو بنانے بیٹھ جاتا ہے۔۔۔۔۔۔

پھر میرے پوچھنے نہ پوچھنے کی ضرورت کب رہ جاتی ہے۔۔۔۔۔۔دیکھ لینا ابھی بنا کر لیے آرہا ہوگا۔۔۔۔۔۔

ارے سچ مچ گیتی! یہ تمہارا رفیقا کہیں مجھ سے محبت تو نہیں کرنے لگ گیا۔۔۔۔۔۔ خدا کی مار تجھ پر سحر! تیری اوقات یہ رہ گئی ہے۔۔۔۔۔۔اب ایسے جنگلیوں کی محبت کی تو محتاج ہوگئی ہے۔۔۔۔۔۔؟

میں اپنی تو نہیں رفیقے کی بات کر رہی ہوں۔۔۔۔۔۔بھلا دل پر کبھی کسی کو اختیار ہوا ہے۔۔۔۔۔۔یہ کم بخت درجے درجے نہیں دیکھتا۔۔۔۔۔۔بس جہاں چاہا آگیا۔۔۔۔۔۔

سحر اتنی سنجیدگی سے بات کر رہی تھی کہ گیتی متحیر سی بولی۔۔۔۔۔۔

اس بھول میں نہ رہنا سحر! وہ جمعدارنی کی لڑکی کو چوری چوری شامی کباب دیا کرتا ہے۔۔۔۔۔۔پھر بھلا

گیتی کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ سحر کے بلند ہوتے قہقہے نے اسے وہیں قطع کر دیا۔۔۔۔۔۔

گیتی! تو سچ مچ احمق ہے۔۔۔۔۔۔میری ایسی مذاق کی باتوں پر تو ہمیشہ سنجیدہ ہو جایا کرتی ہے۔۔۔۔۔۔ میری جان! سنجیدہ باتوں پر سنجیدہ ہوا کرو۔۔۔۔۔۔

کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔۔۔۔؟ رفیقا سچ مچ تو مجھ سے محبت کرنے سے رہا۔۔۔۔۔۔۔

چپ چاپ۔۔۔۔۔۔۔

گیتی کی نگاہ دروازے سے باہر جا پڑی تھی۔۔۔۔۔۔۔اس نے یکدم ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔۔۔۔۔۔۔پھر مسکرائی۔۔۔۔۔۔۔

وہ سچ مچ چائے بنا کے لیے آ رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔

تو پھر تو میں ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔

سحر ہولے سے بولی۔۔۔۔۔۔۔

چل پھر میں تیرا معاملہ سیدھا کرا دوں گی۔۔۔۔۔۔۔

گیتی ہنسی۔۔۔۔۔۔۔

ٹیڑھا اب بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔

جمعدارنی کی لڑکی سے ڈوئیل لڑنا پڑے گا۔۔۔۔۔۔۔

اتنے میں رفیقا ٹرالی لئے اندر آ گیا۔۔۔۔۔۔۔

رفیقے۔۔۔۔۔۔۔!

اونہوں۔۔۔۔۔۔۔!سحر نجانے کیا کہنے لگی تھی۔۔۔۔۔۔۔گیتی نے گھبرا کر ٹوک دیا۔۔۔۔۔۔۔اس کی زبان کے آگے تو پھندا ہی نہیں تھا۔۔۔۔۔۔۔

آج شامی کباب نہیں بنائے۔۔۔۔۔۔۔؟

سحر نے پوچھا۔۔۔۔۔۔۔گیتی نے اطمینان کا سانس لیا۔۔۔۔۔۔۔ورنہ سحر سے کچھ بعید نہ تھا۔۔۔۔۔۔۔الٹی سیدھی منہ سے نکالتی ہی رہتی تھی۔۔۔۔۔۔۔ رفیقے سے بھی جو جی میں آتا کہہ بیٹھتی

جی نہیں بی بی جی! اب تو کتنے ہی دنوں سے بنے ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔

پھر تو جمعدارنی کی لڑکی کو کیا دیتے تھے۔۔۔۔۔۔۔؟

جی ۔۔۔۔۔۔جی ۔۔۔۔۔۔

رفیقا پہلے تو چند لمحے ہکلا ہکلا کر اور گھبرا گھبرا کر دونوں کو دیکھتا رہا پھر وہیں ان سے بہت دور ہی ٹرالی چھوڑ چھاڑ خفیف سا ہو کر بھاگ نکلا ۔۔۔۔۔۔

سحر ہنس ہنس کر دوہری ہونے لگی ۔۔۔۔۔۔

تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا ۔۔۔۔۔۔یوں وہ اور بھی دلیر ہو جائے گا ۔۔۔۔۔۔گیتی اسے سمجھانے لگی

نہیں ۔۔۔۔۔۔اسے معلوم ہو گیا ہے کہ ہم جانتی ہیں ۔۔۔۔۔۔اب وہ اپنی ان حرکات سے باز آجائے گا ۔۔۔۔۔۔

اب کیا پتہ وہ کیا اثر لے ۔۔۔۔۔۔

اگر غلط اثر لیا تو مجھے بتانا ۔۔۔۔۔۔میں اسے ٹھیک کروں گی ۔۔۔۔۔۔

جیسی عزت ہماری تمہاری ویسی ہی جمعدارنی کی لڑکی کی ۔۔۔۔۔۔اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا ۔۔۔۔۔۔

یہ تو ٹھیک ہے ۔۔۔۔۔۔

تم ذرا ان نوکروں ووکروں پر کڑی نظر رکھا کرو ۔۔۔۔۔۔ایسے نئی نئی جوانی چڑھے جاہل قسم کے لڑکے معاشرے کو خراب کرتے ہیں ۔۔۔۔۔۔

سحر یکدم سنجیدہ ہو گئی تھی ۔۔۔۔۔۔

آج جمعدارنی کی لڑکی کو چھیڑتا ہے ۔۔۔۔۔۔کل مالی کی لڑکی ہو گی ۔۔۔۔۔۔پرسوں محلے میں کسی اور پر نگاہ اٹھے گی ۔۔۔۔۔۔تمہارا ہی گھر بدنام ہو گا نام ۔۔۔۔۔۔

بات تو درست ہے ۔۔۔۔۔۔

ہم تو ہمیشہ درست بات ہی کرتے ہیں ۔۔۔۔۔۔

سحر اکڑ کر بولی ۔۔۔۔۔۔

اب شیخی مارنے لگ جاؤ۔۔۔۔۔۔۔

گیتی نے اٹھ کر ٹرالی اپنے قریب کرلی۔۔۔۔۔۔۔

اچھا نہیں مارتی۔۔۔۔۔۔۔تم جلدی جلدی چائے پلاؤ۔۔۔۔۔۔۔

کیوں۔۔۔۔۔۔۔؟ جلد بھاگنے کا ارادہ ہے۔۔۔۔۔۔۔؟

شاید۔۔۔۔۔۔۔سحر مسکرائی۔۔۔۔۔۔۔

اتنے دنوں بعد آئی ہو۔۔۔۔۔۔۔ اب تو ابھی نہیں جانے دوں گی۔۔۔۔۔۔۔

کل اتوار ہے اور ہم پکنک پر جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ تیاری کرنا ہے۔۔۔۔۔۔۔

پوری کلاس۔۔۔۔۔۔۔؟

نہیں۔۔۔۔۔۔۔

پھر کون کون۔۔۔۔۔۔۔؟

میرا ایک کزن فارن سے آیا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔۔صرف وہ اور میں۔۔۔۔۔۔۔

کوئی ایسا ویسا کزن تو نہیں۔۔۔۔۔۔۔ جو صرف دونوں کی پکنک ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔؟

گیتی نے معنی خیز انداز میں سحر کو گھورا۔۔۔۔۔۔۔

نہیں تو بہ توبہ! وہ تو میرا حقیقی بھائی سمجھو۔۔۔۔۔۔۔

ایسے ہی کہتے کہتے کہیں دل۔۔۔۔۔۔۔

گیتی پلیز! سحر نے اس کی بات کاٹ دی۔۔۔۔۔۔۔

اس کے متعلق کوئی ایسا مذاق نہ کرنا۔۔۔۔۔۔۔تم نہیں جانتیں مجھے وہ کتنا عزیز ہے اور میں بھائی سے محروم ہوں۔۔۔۔۔۔۔وہ سچ مچ میرا مان ہے۔۔۔۔۔۔۔

سحر کے چہرے پر ایسی سنجیدگی گیتی نے زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی ------

چپ ہو گئی ------ یہ لڑکی عجیب ہی چیز تھی ------- بے حد اچھی بھی

------اور کبھی خاصی غلط قسم کی بھی ------

دو رن کی تربیت نے اسے اچھائی اور برائی کا ایک ملغوبہ سا بنا رکھا تھا------

اور گیتی یہ کبھی خود میں فیصلہ نہ کر سکی کہ اسے اس کا کونسا روپ پسند تھا------

اس کی اچھی باتیں بھی اسے پسند تھیں اور اس کی برائیاں بھی اسے بڑی پیاری تھیں------

لو بھئی! ------

سحر نے چائے کی پیالی ختم کر کے اپنا پرس اٹھالیا------

سچ مچ چل دیں ------؟

گیتی نے بڑی حسرت سے اس کی طرف دیکھا------ آتی تھی تو کیسی رونق سی لگ جاتی تھی ------ ہنستی ------ مسکراتی ------ شوخیاں کرتی ------ دلوں کو گدگداتی ------

اک یہی گیتی کی سہیلی تھی ------ اکلوتی اور انمول ------ وہ خود کہیں آتی جاتی کم تھی ------ بس یہی اور اس کی زندہ دل طبیعت اس کا دل بہلاوا تھی ------

جب آجاتی تو جیسے بہاریں دامن میں لیے آتی ------

ارے ہاں! ایک بات یاد آئی ------

چپل پہنتے پہنتے سحر گیتی کی طرف مڑی ------

منگل کو میری سالگرہ ہے ------

تمہاری۔۔۔۔۔۔؟

یہ تم اتنی حیران کیوں ہوئی ہو۔۔۔۔۔۔؟ میں کسی درخت سے تو نہیں اتری ہوئی۔۔۔۔۔۔ایک خاص دن اور خاص وقت میں نے بھی اس دنیا میں باقاعدہ جنم لیا تھا۔۔۔۔۔۔

میں اس لیے حیران ہوئی ہوں کہ پہلے تو تم نے کبھی اپنی سالگرہ نہیں منائی ۔۔۔۔۔۔

بس! وقت وقت کی بات ہے ۔۔۔۔۔۔موڈ بن گیا۔۔۔۔۔۔ بنا لی ۔۔۔۔۔۔

تمہارا موڈ بھی نرالا ہے۔۔۔۔۔۔

ایسا ہی سمجھ لو۔۔۔۔۔۔پھر۔۔۔۔۔۔؟

تمہارا کوئی کام ہو۔۔۔۔۔۔یعنی تمہارے نام کی تقریب۔۔۔۔۔۔تو میں غیر حاضر رہ سکتی ہوں؟

ذرہ نوازی ہے۔۔۔۔۔۔سحر نے سر جھکایا۔۔۔۔۔۔

کتنے بجے۔۔۔۔۔۔!

تمہارے لیے وقت کی کوئی قید نہیں۔۔۔۔۔۔

پھر بھی۔۔۔۔۔۔؟

چار بجے۔۔۔۔۔۔وہ کچھ سوچ کر بولی۔۔۔۔۔۔

اس دن یونیورسٹی نہیں جاؤ گی۔۔۔۔۔۔؟

جاؤنگی۔۔۔۔۔۔

تو واپسی پہ مجھے ساتھ لیتی جانا۔۔۔۔۔۔

تم خود نہیں آسکتیں۔۔۔۔۔۔؟

نہ بابا!! اکیلے جاتے مجھے ڈر لگتا ہے۔۔۔۔۔۔

تم جیسی بزدل لڑکیاں مجھے ذرا اچھی نہیں لگتیں۔۔۔۔۔۔

تو پھر جاؤ۔۔۔۔۔۔ میں تمہاری سالگرہ میں شامل بھی نہیں ہو سکتی ۔۔۔۔۔۔

ایک تو مصیبت یہ ہے کہ تمہارے بغیر میں کوئی تقریب کر بھی نہیں سکتی ۔۔۔۔۔۔

کوئی پابندی نہیں ہے۔۔۔۔۔۔کوئی مجبوری نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

دل ناتواں کی مجبوری سب سے بڑی مجبوری ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔

سحر نے ٹھنڈی آہ بھری۔۔۔۔۔۔

اگر دل ناتواں ہی کو خوش کرنا ہے تو۔۔۔۔۔۔گیتی دلربایانہ انداز میں مسکرائی ۔۔۔۔۔۔

پھر وہی شرط ہے۔۔۔۔۔۔

اچھا بھئی اچھا۔۔۔۔۔۔آکر تمہارے ڈولے کو خود ہی لے جاؤں گی ۔۔۔۔۔۔

یہ لڑکی بھی نری مصیبت ہی ہے۔۔۔۔۔۔اب بیگم صاحبہ کو لینے بھی خود آؤں۔۔۔۔۔۔ہم خادم ہیں نا اس کے۔۔۔۔۔۔

سحر بڑبڑاتی رہی اور گیتی مسکراتی رہی۔۔۔۔۔۔

☆

ارے سحر! لگتا ہی نہیں کہ آج یہاں کوئی تقریب ہے ------

سحر نے گیتی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا ------

مہر کہاں ہے ------؟

ابھی سکول سے ہی نہیں آئی ہو گی ------

سحر نے لاعلمی کا اظہار کیا ------

لیکن اب تو چار بج گئے ------

گیتی نے کلائی کی گھڑی دیکھی ------

وہیں سے کسی سہیلی وہیلی کے گھر چلی گئی ہو گی ------

سحر نے اسی لاپرواہیانہ انداز میں کہا ------

آنٹی کدھر ہیں ------؟

اب گیتی نے سحر کی ممی کے متعلق پوچھا ------ گھر میں ایسی خاموشی تھی کہ گیتی حیران ہوئی جا رہی تھی ------ اور ابھی یہاں سالگرہ کی تقریب ہونے والی تھی ------ جس کے کوئی آثار نہیں تھے ------

تمہاری آنٹی ادھر اپنے کمرے میں ہونگی ------

سحر اپنی عادت کے مطابق کتابیں اور پرس پھینکنے کے بعد جوتا پھینک رہی تھی

پھر پہلے انہیں سلام کر آؤں ------

گیتی بیٹھتے بیٹھتے اٹھ کھڑی ہوئی ------

گیتی آئی ہے ------

سحر کی ممی نے شاید اس کی آواز سن لی تھی، خود ہی کمرے میں آ گئیں ------

آداب آنٹی ------!

جیتی رہو۔۔۔۔۔۔نیک نصیب۔۔۔۔۔!

اسے سر سے پاؤں تک بغور دیکھتے ہوئے وہ اس کے قریب آ گئیں ۔۔۔۔۔۔

بہت عرصہ بعد آئیں بیٹی۔۔۔۔۔؟

یہ سحر لاتی ہی نہیں۔۔۔۔۔۔

ممی! اب بھلا اس کی ٹانگیں تو ٹوٹی نہیں ہوئیں کہ اٹھا کر لاؤں گی۔۔۔۔۔۔

آئے ہائے۔۔۔۔۔! کیسی فضول باتیں کر رہی ہو۔۔۔۔۔؟

تو اور نہیں کیا۔۔۔۔۔یہ خود سے نہیں آ سکتی۔۔۔۔۔؟

تم موقع بھی تو دو۔۔۔۔۔۔

گیتی مسکرائی۔۔۔۔۔۔

ہر وقت خود ہی سر پر سوار رہتی ہو۔۔۔۔۔۔

چلو اب جھگڑا ختم کرو۔۔۔۔۔۔

ممی ولارے مسکرائیں۔۔۔۔۔۔

آؤ کھانا کھالو۔۔۔۔۔۔

میں تو کھا آئی۔۔۔۔۔البتہ سحر یونیورسٹی سے آ رہی ہے۔۔۔۔۔۔اس نے ضرور کھانا ہو گا۔۔۔۔۔۔

تم بھی بیٹی! یہیں آ کر کھا تیں۔۔۔۔۔۔

مجھے تو امید ہی نہیں رہی تھی اس کے آنے کی۔۔۔۔۔اتنی اس نے دیر لگا دی ۔۔۔۔۔۔

گیتی نے اردگرد نگاہ دوڑائی۔۔۔۔۔۔

اور آنٹی لگتا ہی نہیں کہ آج یہاں کوئی تقریب ہے۔۔۔۔۔؟

تقریب کونسی۔۔۔۔۔؟

ممی کے تعجب نے گیتی کو بھی حیرت زدہ کر دیا

سحر کی سالگرہ نہیں ہے آج ------؟

ہو گی ------ مجھے تو اس نے بتایا نہیں ------

ممی لاپرواہی سے کہتے کہتے اپنے کمرے میں چلی گئیں ------

عجیب ہو سحر تم بھی ------

لو بھلا ------ میں اتنی بڑی لوٹھا کی لوٹھا سالگرہ مناتی اچھی لگوں گی ------؟

سحر مسکرائی ------ گیتی کو غصہ آ گیا ------

تو پھر مجھے کیوں یہ چکمہ دیا تھا ------؟

اس لیے کہ تم کبھی میرے گھر آتی جو نہیں ------ جب بھی آنے کا کہوں کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتی ہو ------

سحر! تجھے تو اللہ میاں نے قیامت کے روز دھر کے لینا ہے ------

گیتی نے دانت پیسے ------ ساتھ ہی خفیف سی ہو کر اپنی سج دھج کو دیکھنے لگی ------ سحر کی سالگرہ کے لیے کس خلوص سے اس نے سفید ستاروں والا غرارہ سوٹ پہنا تھا۔ جوڑے میں سفید بیلے کی کلیاں سجائی تھیں ------ کانوں اور گلے میں سفید موتیوں کے بندے اور ہار پہنا تھا ------ سفید اتنی خوبصورت اور نازک سی سلیم شاہی جوتی پاؤں میں پہنی تھی۔

سحر اس کی اتنی پیاری سہیلی تھی ------ پہلی پہلی بار اس نے اپنی سالگرہ کی تھی ------ وہ تو اس نے بڑے جوش و خروش سے منانا تھی

اچھی لگ رہی ہو ------

سحر نے اس کی نگاہوں کے انداز کو دیکھتے ہوئے ہولے سے کہا ------

خاک ------!

نہیں سچ ۔۔۔۔۔۔!

جاؤ میں تم سے بالکل نہیں بولتی ۔۔۔۔۔۔۔

ناراض کیوں ہوتی ہو ۔۔۔۔۔۔؟ میرے ہی لیے یہ ساری سج دھج نکال کر آئی ہونا ۔۔۔۔۔۔؟ سو وہ میں دیکھ رہی ہوں ۔۔۔۔۔۔۔ اور یقین کرو خوشامد نہیں کر رہی ۔۔۔۔۔۔۔ تم بے حد پیاری لگ رہی ہو ۔۔۔۔۔۔۔

پھر سحر بڑے انداز سے مسکرانے لگی ۔۔۔۔۔۔۔

کبھی کبھی اپنے آپ ہی ایسی خوبصورت بن کر دکھا دیا کرو تو مجھے کاہے کو ایسے ڈھونگ رچانا پڑیں میری جان ۔۔۔۔۔۔!

چل بے ایمان ۔۔۔۔۔۔!

گیتی شرما سی دی ۔۔۔۔۔۔

لڑکوں کے ساتھ پڑھ پڑھ کر کہیں تمہاری بھی جنس تو نہیں بدل رہی ۔۔۔۔۔۔؟

ہاں مجھ سے پردہ کیا کرو دیوی جی ۔۔۔۔۔۔!

ساتھ ہی سحر نے گیتی کے قریب ہوتے ہوئے اس کی ٹھوڑی اونچی کر کے ایک آنکھ دبا دی لاحول ولا قوۃ ۔۔۔۔۔۔۔ بدتمیز ۔۔۔۔۔۔۔!!

گیتی شرما شرما کر بڑبڑانے لگی اور سحر ہنستے ہوئے باورچی خانے میں بھاگ گئی ممی ! آج کیا پکایا ہے ۔۔۔۔۔۔؟ چائے کے لیے بھی کچھ ہے یا نہیں ۔۔۔۔۔۔؟ سحر کی آواز گیتی کو سنا دی ۔۔۔۔۔۔

ممی ۔۔۔۔۔۔ ڈیڈی ۔۔۔۔۔۔ زیر لب ان الفاظ کو دہرانے کے بعد بے اختیار گیتی کے ہونٹ متبسم ہو اٹھے ۔۔۔۔۔۔ اسی دو رنگی چال نے سحر کی اصل شخصیت کو مسخ کر ڈالا ہوا تھا ۔۔۔۔۔۔ وہ عجیب طرح گڈمڈ سی ہو کر رہ گئی ہوئی تھی ۔۔۔۔۔۔

جانے سحر کے ڈیڈی حافظ متین کا سحر کی ممی کے ساتھ رشتہ کس طرح طے پا گیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ دونوں کی طبیعتوں میں اتنا ہی فرق تھا جتنا مشرق اور مغرب میں ۔۔۔۔۔۔!

حافظ متین خالص مذہبی آدمی۔۔۔۔۔۔نماز روزہ کے پابند۔۔۔۔۔۔قرآن مجید کے حافظ بات بے بات آعوذ باللہ اور سبحان اللہ کہنے والے۔۔۔۔۔۔بڑی خوبصورت سی ڈاڑھی کے مالک۔۔۔۔۔۔

اور ممی۔۔۔۔۔۔تراشیدہ بال۔۔۔۔۔۔چست لباس۔۔۔۔۔۔میک اپ زدہ چہرہ۔۔۔۔۔۔ ایک ایک فقرے میں دس دس انگریزی کے الفاظ بولنے والیں۔۔۔۔۔۔پاپ سانگز سننے کی شوقین۔۔۔۔۔۔اولاد سے خود کو ممی اور باپ کو ڈیڈی کہلانے کی مشتاق۔۔۔۔۔۔سب بھانجیوں بھانجوں اور بھتیجوں بھتیجیوں اور دوسرے عزیز و اقارب کے بچوں سے صرف آنٹی کے لفظ سے مخاطب ہونے کی دلدادہ۔۔۔۔۔۔!

ایسی متضاد طبیعتیں دونوں کی تھیں۔۔۔۔۔۔ پھر بھی یہ رشتہ طے پا گیا۔۔۔۔۔۔اور حافظ متین کے گھر آ کر اندازے کے مطابق بجائے اس کے کہ ممی پر حافظ صاحب کا اثر غالب آتا۔۔۔۔۔۔ خود وہ ان پر چھا گئیں۔۔۔۔۔۔

حافظ متین کے گھر میں جو انہوں نے چاہا وہ کبھی نہ ہوا بلکہ البتہ جو ممی نے چاہا وہ ضرور ہوا۔۔۔۔۔۔

اولاد میں سے لڑکا کوئی زندگی پا کر بھی زندہ نہ رہ سکا۔۔۔۔۔۔صرف سحر اور مہر دو لڑکیاں تھیں جو ماں باپ دونوں کی آنکھوں کا تارا بن گئیں۔۔۔۔۔۔

باپ نے انہیں اپنی تعلیمات پر چلانا چاہا مگر ماں نے اپنی خواہشات کے مطابق ان کی تربیت کی۔۔۔۔۔۔ جب کہیں باپ اور ماں کا اختلاف رائے ہوا تو

جانے کیوں حافظ متین ہی ہارے۔۔۔۔۔۔!

ان کے سکول کا انتخاب۔۔۔۔۔۔کالج کا انتخاب۔۔۔۔۔۔لباس کا انتخاب۔۔۔۔۔۔ سب کچھ ماں کی مرضی کے مطابق ہوا۔۔۔۔۔۔حافظ صاحب فیشن ایبل بیوی کے سامنے بول ہی نہ سکے۔۔۔۔۔۔

جانے کیوں مشرقیت مغربیت کے سامنے دبتی ہی رہی۔۔۔۔۔۔خود کو کم تر ہی سمجھتی رہی۔۔۔۔۔۔شاید اس صد سالہ غلامی کا اثر تھا۔۔۔۔۔۔

وہ کچھ کہہ ہی نہ سکے۔۔۔۔۔۔کچھ بول ہی نہ سکے۔۔۔۔۔۔البتہ کبھی کبھار جب موقع ملتا تو بیٹیوں کو مذہب کے متعلق، اس کی اقدار اور احکامات کے مطابق تھوڑا سا لیکچر ضرور دے ڈالتے۔۔۔۔۔۔

شاید مذہب نے جو فرائض عائد کئے تھے ان کی طرف سے سرخرو ہونے کی خاطر۔۔۔۔۔۔یا اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی خاطر۔۔۔۔۔۔!

اور یوں سحر اور مہر عجیب و غریب سی چیزیں بن کر رہ گئیں۔۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔بہر کیف سحر جو کچھ بھی تھی۔۔۔۔۔۔اچھی یا بری۔۔۔۔۔۔گیتی کو اس کی دوستی بڑی عزیز تھی اور خود وہ بڑی پیاری۔۔۔۔۔۔!

لو بھئی! میں کھانا کھا آئی۔۔۔۔۔۔اور اب چائے دونوں مل کر پئیں گی۔۔۔۔۔۔سحر کی آواز نے گیتی کے خیالات کا تانا بانا بکھیر کر رکھ دیا۔

اچھا گیتی! تم میرے لیے یقیناً کوئی تحفہ بھی لائی ہو گی۔۔۔۔۔۔

وہ کرسی پر بیٹھی تھی۔۔۔۔۔۔سحر نے اس کے عین سامنے نیچے قالین پر بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔جیسے دیوی کے قدموں میں پجاری۔۔۔۔۔۔!

شرم تو نہیں آتی تحفے کی بات کرتے ہوئے۔۔۔۔۔۔

گیتی کو اس کے جھوٹ پر پھر غصہ آ گیا۔۔۔۔۔۔

بتاؤ تو سہی ------

ہاں لائی تو ہوں ------

کدھر ہے ------؟

کہیں بھی ہو ------؟ تم کیوں پوچھتی ہو ------؟

میری امانت میرے حوالے کرو ------

خواہ مخواہ ہی ------

گیتی کو اس کے مطالبے پر ہنسی آ گئی ------

وہ چیز تم میرے لیے لائی تھیں ------ لہٰذا اب وہ میری ہو گئی

سحر بے حد سنجیدہ تھی ------

اگر واپس گھر لے گئیں تو تمہارا جی بھی استعمال کرنے کو نہیں چاہے گا

چاہے گا کیوں نہیں ------؟ ضرور چاہے گا ------

تو استعمال کر کے دیکھ لو ------

استعمال کرنے کو دل بھی ضرور چاہے گا اور کر بھی لوں گی مگر ------

گیتی مسکرائی ------

تم مجھے ہضم نہیں ہونے دو گی ------

یہ تو ہے مال غیر کبھی ہضم نہیں ہوتا ------

خیر ------ تم مجھے ایسی ویسی دھمکیاں تو نہ دو ------

پھر ------؟

منت کرو ------

منت تو میں کبھی حافظ متین صاحب کی بھی نہ کروں ------

شرم کرو سحر! کیسے بے تکلفی سے باپ کا نام لے رہی ہو۔۔۔۔۔۔

تو باپ کا نام رکھا کس لیے گیا تھا۔۔۔۔۔۔؟

تمہارے پکارنے کے لیے نہیں۔۔۔۔۔۔

میں اپنے ڈیڈی کو اپنا دوست ہی سمجھتی ہوں۔۔۔۔۔۔اس لیے نام لے لیتی ہوں۔۔۔۔۔۔

بھئی تم سے کوئی جیت نہیں سکتا۔۔۔۔۔۔

گیتی زچ سی ہو کر بولی۔۔۔۔۔۔پھر غور سے سحر کے پر خلوص اور متبسم چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے اپنا پرس کھولا۔۔۔۔۔۔

سفید سچے موتیوں کے ننھے ننھے آویزے خوبصورت سی سرخ ڈبیا میں چمک رہے تھے۔۔۔۔۔۔

یہ لو اپنی امانت۔۔۔۔۔۔

گیتی نے ڈبیا سحر کی طرف بڑھا دی۔۔۔۔۔۔

جزاک اللہ۔۔۔۔۔۔!

ڈبیا پکڑتے ہوئے سحر اپنے باپ کے سے انداز میں بولی تو گیتی کی ہنسی چھوٹ گئی۔۔۔۔۔۔سحر بھی ہنسنے لگی۔۔۔۔۔۔

بھئی باپ کی بیٹی ہوں۔۔۔۔۔۔

اور صرف اسی معاملے میں باپ پر جانا ہے۔۔۔۔۔۔میں تو کہتی ہوں سحر! ایم اے کی پڑھائی کرنے سے بہتر ہے تو بھی قرآن حفظ کر ڈال۔۔۔۔۔۔

توبہ! توبہ۔۔۔۔۔۔!!

سحر نے ہنستے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے۔۔۔۔۔۔

ممی گھر سے نکال دیں گی۔۔۔۔۔۔

خالو جان کو کیا انہوں نے گھر سے نکال رکھا ہے۔۔۔۔۔۔؟

اقلیت نقصان دہ نہیں ہوتی ۔۔۔۔۔۔ اور جب اقلیت اکثریت میں بدلنے لگے تو معاملہ خطرناک ہو جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔

تو پھر ۔۔۔۔۔ گیتی کی بات ادھوری ہی رہ گئی ۔۔۔۔۔۔

جانے کون تھا وہ ۔۔۔۔۔۔؟ وجیہہ اور پرکشش سا ۔۔۔۔۔۔ خوبصورت گہرے نیلے سوٹ میں بے حد جاذب نظر لگ رہا تھا ۔۔۔۔۔۔

گیتی کا رخ سامنے دروازے کی طرف ہی تھا ۔۔۔۔۔۔ بے خیالی میں کچھ گنگناتا ہوا پہلے تو وہ بڑھا آیا پھر نگاہ گیتی پر پڑی تو وہیں ٹھٹک گیا ۔۔۔۔۔۔

چند لمحے تو گیتی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ۔۔۔۔۔۔ متحیر و مبہوت اسے دیکھتی رہی ۔۔۔۔۔۔ پھر وہ چونکی ۔۔۔۔۔۔ شاید سحر کا کوئی کلاس فیلو تھا ۔۔۔۔۔۔ جلدی سے سحر کی طرف دیکھنے لگی

مگر وہ تو اپنے مخصوص انداز میں نیچے قالین پر دراز تھی اور ارد گرد سے بے خبر بڑی پسندیدہ نگاہوں سے آن آویزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

سحر! کوئی آیا ہے ۔۔۔۔۔۔؟

گیتی ہولے ہولے آواز دبا کر سحر کو ادھر متوجہ کرنے لگی ۔۔۔۔۔۔

آنے والا دروازے میں ہی کھڑا رہ گیا تھا ۔۔۔۔۔۔ اور ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ گیتی کے رخسار آپ ہی آپ کانوں کی لوؤں تک تپ اٹھے ۔۔۔۔۔۔

کون ۔۔۔۔۔۔؟

سحر، گیتی کی گھبراہٹ اور یکدم سرخ ہو جانے والے رخساروں کو دیکھتے ہوئے جلدی سے اٹھ بیٹھی ۔۔۔۔۔۔ اور ۔۔۔۔۔۔ جب گردن موڑ کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا تو بے اختیار ہنس پڑی ۔۔۔۔۔۔

پھر جلدی سے پاس ہی قالین پر پھیلے دوپٹے کو اٹھایا ۔۔۔۔۔۔ بے حد عجلت

میں اوڑھا اور بھاگ کر اس کے پاس جا پہنچی ۔۔۔۔۔۔

آپ یہیں کیوں کھڑے ہیں ۔۔۔۔۔۔؟ اندر آ جایئے نا ۔۔۔۔۔۔۔

انتہائی بے تکلفی سے سحر نے اس کا بازو تھام لیا ۔۔۔۔۔۔

آیئے بھی ۔۔۔۔۔۔ کیا ہو گیا ۔۔۔۔۔۔؟ یہیں کیوں بت بن گئے ہیں ؟۔۔۔۔۔

وہ ۔۔۔۔۔ وہ ۔۔۔۔۔۔

آنے والا پریشان ہو کر گیتی کی ہچکچاہٹ کو دیکھ رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ کیونکہ اس کے انداز سے ہی ظاہر ہو گیا تھا کہ اس کی آمد گیتی کے لیے گھبراہٹ کا باعث بن گئی تھی ۔

مگر ۔۔۔۔۔۔ تمہاری مہمان ۔۔۔۔۔۔

ہمت کر کے آخر اس نے سحر کو اس کا احساس دلایا ۔۔۔۔۔۔

ہاں ہاں ۔۔۔۔۔ میری مہمان کو آپ کھا نہیں جائیں گے ۔۔۔۔۔۔ اور نہ وہ اتنی ندیدی ہے کہ آپ کو کھا جائے گی ۔۔۔۔۔۔

سحر اسے گیتی کے قریب ہی گھسیٹ لے آئی ۔۔۔۔۔ گیتی گھبرائی ۔۔۔۔۔ سٹپٹائی پھر جلدی سے اٹھ کھڑی ہو گئی ۔۔۔۔۔۔

بے شک وہ پردہ نہیں کیا کرتی تھی مگر اس کے باوجود اس نے تعلیم بھی زمانہ سکول اور کالج میں پائی ۔۔۔۔۔ اور تعلیم کے بعد زیادہ تر گھر کی چار دیواری میں ہی رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

نہ اس نے کبھی کسی مخلوط پارٹی میں شرکت کی نہ خود ان کے گھر میں ہی ایسی کبھی کوئی دعوت وغیرہ ہوئی ۔۔۔۔۔ اس کی امی صوم وصلوۃ اور شرع شریعت کی پابند تھیں ۔۔۔۔۔ اس لیے گھر میں ایسا ہی ماحول رہا ۔۔۔۔۔۔

تبھی وہ اس وقت بے حد گھبرا گئی تھی ۔

یہ میری بے حد پیاری اور اکلوتی سہیلی گیتی ہے ۔۔۔۔۔۔

سحر گیتی کی مرضی کے بغیر ہی ان کا تعارف کرانے لگی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اور گیتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ! یہ میرے عزیز ترین بھیا ایزد ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تسلیم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

ایزد بڑے مہذب انداز میں جھکا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر گیتی نہ سلام کر سکی نہ کچھ اور کہہ سکی البتہ گھبرا کر، پریشان ہو کر، سٹپٹا کر رہ گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چہرہ تو پہلے ہی گلنار ہوا جا رہا تھا مزید کیا ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب پیشانی بھی عرق آلود ہو گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بیٹھو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کھڑی کیوں ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

گیتی کی نگاہ غیر ارادی طور پر ایزد کی طرف اٹھ گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مزید کچھ کہے جلدی سے پرے ہٹ کر پرلے صوفے پر بیٹھ گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بھائی جان ! آپ بھی بیٹھیے نا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ ابھی تک کھڑا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سحر نے گیتی کے عین سامنے والے صوفے پر اسے بٹھا دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اور اس لمحے گیتی نے دل ہی دل میں سحر کو بے شمار گالیاں دے ڈالیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ جانتی تھی کہ گیتی بہت کم کسی غیر کے سامنے ہوا کرتی تھی مگر اس وقت کیسے اسے بالمقابل لا بٹھایا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بڑی بُری حرکت کی تھی اس نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھلا دوسرے کمرے میں بٹھا دیتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کے گھر میں ایک ہی کمرہ تو نہ تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو سب نے ضرور یہیں گھسنا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

گیتی ایک میگزین چہرے کے سامنے پھیلائے انہیں سوچوں میں مستغرق تھی کہ سحر کی مسرت میں ڈوبی کھنک دار آواز اس کے کان میں اتری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بھائی جان ! آپ کو ایک مزے کی بات سناؤں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

گیتی نے رسالہ ذرا سا ہٹا کر ایک کونے سے سحر کو جھانکا۔۔۔۔۔۔۔وہ مسکرا مسکرا کر اسے ہی تک رہی تھی اور ایزد کو اس کی طرف متوجہ کر کے کہہ رہی تھی

۔۔۔۔۔۔۔

آج میں نے گیتی کو خوب ٹھگا۔۔۔۔۔۔۔ جھوٹ موٹ کہا کہ میری سالگرہ ہے۔۔۔۔۔۔یہ جھٹ پٹ میرے لیے تحفہ لے آئی۔۔۔۔۔۔دیکھئے کتنے خوبصورت بندے ہیں۔۔۔۔۔۔۔وہ ہنس ہنس کر ایزد کو وہ بندے دکھانے لگی

۔۔۔۔۔۔۔

بہت خوبصورت ہیں۔۔۔۔۔۔۔

ایزد کی آواز اسے سنائی دی۔۔۔۔۔۔پھر لمحہ بھر بعد اس نے بڑے مدھم لہجے میں کہا۔۔۔۔۔۔

اس تحفے کا انتخاب کرنے والے کو داد دینی چاہیے۔۔۔۔۔۔۔

یہ اس انداز میں کہا گیا تھا کہ گیتی سن نہ سکے۔۔۔۔۔۔۔مگر خود اس کے کان بھی تو غیر ارادی طور پر ہی انہی کی طرف لگے تھے۔۔۔۔۔۔۔

تو پھر گیتی تک یہ داد پہنچا دوں۔۔۔۔۔۔۔؟

سحر نے ہولے سے پوچھا۔۔۔۔۔۔۔

نہ نہ۔۔۔۔۔۔بری بات ہے۔۔۔۔۔۔تمہاری سہیلی جانے کیا سمجھ بیٹھے۔۔۔۔۔۔کہ تمہارا بھیا لوفر یا لفنگا ہے۔۔۔۔۔۔۔آوازے کستا ہے

۔۔۔۔۔۔۔

ایزد نے بہت مدھم آواز میں بے حد سنجیدگی سے اسے سمجھایا۔۔۔۔۔۔سحر کی بجائے تو اسے ہی اس کا خیال تھا۔۔۔۔۔۔۔ورنہ سحر نے تو آج حد کر دی تھی

۔۔۔۔۔۔۔اور یہ اس کا کزن۔۔۔۔۔۔!

کاش! ایسا کردار ہمارے ملک کے سب نوجوانوں کا ہو جائے۔۔۔۔۔گیتی

نے بڑے خلوص سے سوچا ۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ جہاں کہیں لڑکی کا سایہ بھی نظر آ جائے تو لڑکے آپے سے باہر ہونے لگتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔

عجیب وغریب حرکات کرنے لگ جاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ بلند آوازوں میں باتیں کی جاتی ہیں کہ لڑکی کسی نہ کسی طرح متوجہ تو ہو ۔۔۔۔۔۔

اس حساب سے یہ ایز دبڑا مختلف تھا ۔۔۔۔۔۔۔

حالانکہ سحر انتہائی ناشائستگی کا ثبوت دے رہی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ گیتی سے بغیر پوچھے گچھے بالکل ہی اس کی مرضی کے خلاف اس سے تعارف کرا دیا ۔۔۔۔۔۔

پھر اسے اس کے سامنے لا بٹھایا ۔۔۔۔۔۔۔ پھر اس پر ہی بس نہ کیا بلکہ بہانے بہانے اس کی باتیں کر کر کے اسے اس کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

مگر ۔۔۔۔۔۔ اس نے اس سب کے باوجود تہذیب وشائستگی کا ثبوت ہی دیا تھا ۔۔۔۔۔۔ کوئی فالتو بات نہیں کی ۔۔۔۔۔۔۔ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کی

۔۔۔۔۔۔ اور اس سحر کو جانے آج کیا ہو گیا تھا ۔۔۔۔۔۔؟

اچھا سحر! میں چلتا ہوں ۔۔۔۔۔۔۔ پھر آ جاؤں گا ۔۔۔۔۔۔۔

ایز د اٹھ کھڑا ہوا تھا ۔۔۔۔۔۔۔ گیتی کے چہرے کے آگے جو میگزین رکھے تھی اس کے اوپر سے اسے اس کا سر دکھائی دیا ۔۔۔۔۔۔۔ بڑے سیدھے سادے مگر خوبصورت انداز میں اس کے بال سنورے تھے ۔۔۔۔۔۔۔ عام لڑکوں کی طرح پیشانی پر لٹیں نہیں جھول رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔۔

نہیں بھائی جان! صرف چائے کی ایک پیالی تو پیتے جایئے ۔۔۔۔۔۔۔

کہا جو کہ پھر آ جاؤں گا ۔۔۔۔۔۔۔

پلیز! صرف ایک پیالی ۔۔۔۔۔۔۔ سحر نے منت کی تو وہ ہولے سے بولا

۔۔۔۔۔۔۔

پھر ادھر ممی کے پاس جا بیٹھتا ہوں ۔۔۔۔۔۔

ساتھ ہی شاید اس نے گیتی کی طرف اشارہ کیا تھا۔۔۔۔۔۔

تمہاری مہمان ڈسٹرب ہو رہی ہیں ۔۔۔۔۔۔

بڑی شائستگی سے اس نے کہا۔۔۔۔۔۔

گیتی کے ہاتھ میں پکڑا میگزین لرزا۔۔۔۔۔۔ ارے ۔۔۔۔۔۔!

یہ تو وہ خود ہی غیر شائستہ ہوئی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔ تعلیم یافتہ تھی ۔۔۔۔۔۔ مہذب دنیا کی پیداوار اور مہذب دنیا میں بسنے والی ۔۔۔۔۔۔ اسے اس نے زبردستی اٹھا کر منہ میں تو نہیں رکھ لیا تھا۔۔۔۔۔۔ دوسرے ۔۔۔۔۔۔ سحر کا رشتہ دار تھا۔۔۔۔۔۔ بقول اس کے اس کا عزیز ترین بھائی ۔۔۔۔۔۔ اسے اس کے ساتھ یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔۔۔۔

اس کا احساس ہوتے ہی گیتی نے رسالہ جلدی سے نیچے رکھ دیا۔۔۔۔۔۔ اور خود سیدھی ہو کر بیٹھ گئی ۔۔۔۔۔۔

نہیں نہیں ۔۔۔۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ۔۔۔۔۔۔ آپ بڑے شوق سے تشریف رکھیے ۔۔۔۔۔۔ میں تو یونہی ذرا ایک مضمون شروع کر بیٹھی تھی ۔۔۔۔۔۔

آواز کی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی پوری کوشش کرتے ہوئے گیتی دھیمے لہجے میں بولی ۔۔۔۔۔۔

ہاں تو ۔۔۔۔۔۔

گیتی کے اس فقرے نے سحر کے چہرے پر مسرت کی کئی لہریں دوڑا دیں ۔۔۔۔۔۔

بھائی جان ایسے ہی پریشان ہوئے جا رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔

سحر نے ایزد کو واپس صوفے پر دھکیل دیا ۔۔۔۔۔۔

لیجئے۔۔۔۔۔۔آپ دونوں باتیں کیجئے اور میں بس فٹافٹ چائے بنا کر لاتی ہوں۔۔۔۔۔۔

اب تم بڑھتی تو نہ جاؤ سحر۔۔۔۔۔۔!

گیتی کے لبوں پر آتے آتے رہ گیا۔۔۔۔۔۔ عجیب ہی چیز تھی وہ۔۔۔۔۔۔کھڑا ہونے کی جگہ ملی تو بیٹھنے کی بنانے لگی تھی۔۔۔۔۔۔!

اور سحر کسی کے بھی جواب کا انتظار کیے بغیر تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔۔۔۔۔۔

دونوں ہی کی پوزیشن بڑی عجیب سی ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔ایک دوسرے سے انجان ایک دوسرے کے لئے اجنبی۔۔۔۔۔۔ نہ ایک دوسرے کے خیالات کا علم، نہ دلچسپیوں کا اتہ پتہ۔۔۔۔۔۔بات کرنے کے لیے کونسا موضوع اختیار کرتے۔۔۔۔۔۔موسم بھی عام نارمل سا تھا۔۔۔۔۔۔ نہ بہت خوشگوار اور نہ ناگوار۔۔۔۔۔۔

کیا کرتے۔۔۔۔۔۔؟ چپ چاپ بیٹھے تھے۔۔۔۔۔۔

دو چار منٹ یونہی گزر گئے۔۔۔۔۔۔عجیب مضحکہ خیز سا نظارہ لگ رہا تھا۔۔۔۔۔۔کہ دو اچھے بھلے انسان کمرے میں موجود تھے مگر وہاں خاموشی کی حکومت۔۔۔۔۔۔

ایزد نے ادھر ادھر دیکھا۔۔۔۔۔۔کھنکارا۔۔۔۔۔۔ایک بار پھر بات کرنے کی کوشش کی کڑیاں مگر موضوع کوئی نہ سوجھا۔۔۔۔۔۔ پھر نگاہیں چھت پر مرکوز کر کے موضوع سوچنے کے لیے اس کا کڑیاں گننے لگا تو وہاں کوئی کڑی ہی دکھائی نہ دی۔۔۔۔۔۔

وہ زمانے بڑے اچھے تھے جب چھتیں لکڑی کی بنا کرتی تھیں۔۔۔۔۔۔ایسے مواقع پر لوگ آسانی سے کڑیاں گننے کا شغل فرما کر ساتھ کچھ سوچ تو سکتے تھے

۔۔۔۔۔۔ اور اب ۔۔۔۔۔۔ سیدھی ہموار لینٹر کی سپاٹ سی چھت ۔۔۔۔۔۔ نئے زمانے کی یہ ایجاد اسے اس وقت بڑی فرسودہ سی محسوس ہوئی ۔۔۔۔۔۔

گھوم گھام کر بار بار وہ نگاہ سامنے والے صوفے پر دھرے اس وینس کے مجسمے کی طرف ہی اٹھ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ مگر یہ تو بالکل غیر شریفانہ حرکت تھی ۔۔۔۔۔۔ وہاں سے اٹھ کر جا بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنی توہین نہ سمجھ بیٹھے ۔۔۔۔۔۔ اس کی یہ حرکت غیر شائستہ نہ گردانے ۔۔۔۔۔۔ پھر ۔۔۔۔۔۔ پھر ۔۔۔۔۔۔ ؟

وہ بھی تو سچ مچ کا بت بن کر رہ گئی تھی ۔۔۔۔۔۔ جھنجلا کر اس نے سوچا ۔۔۔۔۔۔ پہلے ممی سے اسے تشبیہ دینے لگا تھا مگر پھر کچھ خیال آ گیا ۔۔۔۔۔۔ اپنے والدین کی اتنی خوبصورت بیٹی تھی ۔۔۔۔۔۔ سلامت رہے ۔۔۔۔۔۔ زندہ رہے ۔۔۔۔۔۔

بہر کیف بت بنی بیٹھی تھی ۔۔۔۔۔۔ کچھ ہی بات کرتی ۔۔۔۔۔۔ شروع تو کرتی ۔۔۔۔۔۔ ایک لفظ ہی بول دیتی ۔۔۔۔۔۔ پھر اسے تکلم میں کوئی باک نہ تھا ۔۔۔۔۔۔ اس نے بات آگے بڑھا لے جانا تھی ۔۔۔۔۔۔

بہت باتونی نہ سہی مگر بات کانے کا سلیقہ جانتا تھا ۔۔۔۔۔۔ اور اب تو وہ سلیقہ بھی بھولا جا رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ جانے کیوں ۔۔۔۔۔۔ ؟

یہ سحر کی بچی کیسی مصیبت میں ڈال گئی تھی اسے ۔۔۔۔۔۔ کہیں خود ہی جلدی سے آ جاتی ۔۔۔۔۔۔ اس کی یہ تکلیف تو ختم ہوتی ۔۔۔۔۔۔

تھک ہار کر آخر وہ اسی کے آ جانے کی دعائیں مانگنے لگا ۔۔۔۔۔۔

اور گیتی ۔۔۔۔۔۔ وہ تو ایز د سے بھی زیادہ پریشان تھی ۔۔۔۔۔۔ بہت کم وہ غیر مردوں سے محو گفتگو رہی تھی ۔ بلکہ بالکل ہی نہیں ۔۔۔۔۔۔ کبھی ایسا موقع

ہی نہیں آیا تھا۔

اسے تو سکول اور پھر کالج تک چھوڑنے کے لیے باوا جان خود جایا کرتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔ کہ وہ ان کی بڑی لاڈلی، بڑی پیاری اور اکلوتی بیٹی تھی ۔۔۔۔۔۔۔

امی کو کسی اور پر کبھی اعتماد ہی نہ ہوا ۔۔۔۔۔۔ زمانہ بھی تو اچھی چال نہیں چل رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ ہر عمر کی لڑکی اغوا ہو رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ اور یوں ۔۔۔۔۔۔ وہ ہر عمر کے ہر دور سے حفاظتوں کے سایوں تلے گزرتی چلی گئی ۔۔۔۔۔۔ کہ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ ہر عمر ہی اس پر گویا بڑی بھاری تھی ۔۔۔۔۔۔

سوائے سحر کے کوئی سہیلی نہیں بنائی ۔۔۔۔۔۔ اور سحر کا بھی بھائی کوئی نہیں تھا ۔۔۔۔۔۔ یہ کوئی کزن اب ہی اچانک کہیں سے نکل آیا تھا ۔۔۔۔۔۔ ورنہ پہلے تو کبھی اس کا ذکر نہیں سنا تھا۔ ہاں یاد آیا ۔۔۔۔۔۔ باہر گیا ہوا تھا ۔۔۔۔۔۔ تبھی ۔۔۔۔۔۔

سوچیں خود ہی سوال جواب کیے جا رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔ بہت عرصہ رہ کر آیا ہو گا ۔۔۔۔۔۔ اسی لیے کبھی ذکر نہ ہوا ۔۔۔۔۔۔

پھر زنانہ سکول، زنانہ کالج سے نکلی تو گھر بیٹھ گئی ۔۔۔۔۔۔ خالہ، ماموں اور پھوپھیوں کے جوان جوان لڑکے تھے مگر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ان کے خاندان میں وہ مغربیت نہ تھی جو تعلیم یافتہ گھرانوں میں آ جاتی ہے ۔۔۔۔۔۔

کہ جوان لڑکیاں اچھل اچھل کود کود کر جوان لڑکیوں کے کندھوں پر چڑھیں ۔۔۔۔۔۔ اور جوان لڑکے بہانے بہانے جوان لڑکیوں والی ممانیوں، خالاؤں اور پھوپھیوں کے گھروں میں گھسے رہیں ۔۔۔۔۔۔ دعوتیں پارٹیاں ہوں ۔۔۔۔۔۔ میوزک سنے جائیں ۔۔۔۔۔۔ مل مل کر پکنکیں منائی جائیں ۔۔۔۔۔۔

یہ سب کچھ بھی نہ ہوا ۔۔۔۔۔۔ ان کے خاندان میں تو ہر ایک نے اپنے کام

سے کام رکھا۔۔۔۔۔۔۔تعلیم حاصل کی۔۔۔۔۔۔۔اونچے اونچے عہدوں تک پہنچے۔۔۔۔۔۔۔لڑکیوں نے بھی اسی طرح شریفانہ ماحول میں تعلیم حاصل کی۔۔۔۔۔۔۔گھر گرہستی سیکھی اور سسرال جا سدھاریں۔۔۔۔۔۔۔بہت سخت قسم کا پردہ بھی نہیں تھا۔۔۔۔۔۔۔سب کچھ مذہبی حدود اور پابندیوں کے اندر ہی رہا۔۔۔۔۔۔۔

یہی گیتی کا حساب تھا۔۔۔۔۔۔۔وہ بھی گو بالکل ہی گھر کی چار دیواری میں قید نہیں کر دی گئی تھی مگر پھر بھی غیر مردوں سے کم ہی واسطہ پڑا۔۔۔۔۔۔۔جب تک امی چل پھر سکتی تھیں ت ۵ وان کے ساتھ یہیں آیا جایا کرتی تھی۔۔۔۔۔۔۔

پھر باوا جان کے ساتھ ہوتی تو ان کا احترام اور رعب اس پر غالب آیا رہتا۔۔۔۔۔۔۔اس کے علاوہ کچھ اپنی جنس کی فطری شرم و حیا مانع رہتی کہ کسی غیر سے کھل کر بات نہ کرتی۔۔۔۔۔۔۔

اور اسی طرح جھجک بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جہاں کہیں ایسا موقع آیا وہ بیہوش ہونے والی ہو جاتی۔۔۔۔۔۔۔

اور یہ تو بہت سخت معیوب بات تھی کہ وہ ایز د، ایک اجنبی کے ساتھ اس وقت کمرے میں تنہا تھی۔۔۔۔۔۔۔

تقریباً غشی کے عالم میں وہ یہ سب کچھ سوچ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔

سحر بڑی عجیب تھی۔۔۔۔۔۔۔بڑی خراب تھی۔۔۔۔۔۔۔بڑی بدتمیز تھی۔۔۔۔۔۔۔اتنی بری حرکت اس نے کی تھی

گیتی کو اور کچھ نہ سوجھا تو وہ پورے خلوص سے اسے ہی کوسنے لگی۔۔۔۔۔۔۔

خود بے حد ماڈرن تھی۔۔۔۔۔۔۔تبھی شاید اس سے بھی ایسی ہی توقع کر رہی تھی کہ وہ بھی ایک غیر مرد سے باتوں کے دفتر کھول بیٹھے گی۔۔۔۔۔۔۔اپنے ہی جیسا اسے سمجھ لیا تھا۔۔۔۔۔۔۔جاہل لڑکی۔۔۔۔۔۔۔!

وہ بھلا ایز د سے بات کر سکتی تھی ۔۔۔۔۔۔شکر کا مقام تو یہ تھا کہ ایز د شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔ورنہ۔۔۔۔۔۔۔ہائے سحر! تو تو بڑی بُری ثابت ہوئی ۔۔۔۔۔۔وہ پریشان ہوئی جا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

مجھے اگر یہ معلوم ہوتا کہ آج ایسے حالات پیش آجائیں گے تو تیری سالگرہ چھوڑ شادی بھی ہوتی یا پھر تو مر کھپ بھی جاتی تو کبھی نہ آتی ۔۔۔۔۔۔گھر بیٹھ کر ہی رو دھو لیتی ۔۔۔۔۔۔تیرا فاتحہ پڑھ لیتی ۔۔۔۔۔۔پورے کے پورے قرآن مجید کا ثواب تیری روح کو پہنچاتی ۔۔۔۔۔۔ہائے! کوئی آجائے ۔۔۔۔۔۔

السلام علیکم ۔۔۔۔۔۔!

جانے دونوں میں سے کس کی دعا پوری ہوئی ۔۔۔۔۔۔مہر کی پاٹ دار آواز کمرے میں گونج اٹھی ۔۔۔۔۔۔

ارے! آج تو بڑی پیاری پیاری ہستیاں یہاں موجود ہیں ۔۔۔۔۔۔

مہر شاید فیصلہ نہیں کر سکی تھی کہ کس کے پاس پہلے جائے ۔۔۔۔۔۔ایک قدم گیتی کی طرف بڑھی ۔۔۔۔۔۔پھر پلٹی ۔۔۔۔۔۔پھر ایزد کی طرف دو قدم چلی ۔۔۔۔۔۔پھر گھومی ۔۔۔۔۔۔زور سے ہنسی اور تب بھاگ کر گیتی کی طرف لپک گئی ۔۔۔۔۔۔

اس کی آمد نے دونوں کے جامد لبوں پر اطمینان بھری مسکراہٹیں بکھیر دی تھیں ۔۔۔۔۔۔آپ کی باری بھائی جان! بعد میں ۔۔۔۔۔۔گیتی آپا بہت دنوں بلکہ عرصہ دراز بعد آئی ہیں ۔۔۔۔۔۔

مہر نے گویا ایزد سے معذرت کی ۔۔۔۔۔۔

اتنی دیر سے آئی ہو ۔۔۔۔۔۔؟

گیتی نے اس نوعمر اور پیاری سی لڑکی کو بڑے خلوص اور محبت سے اپنے ساتھ لپٹا لیا ۔۔۔۔۔۔

وہ۔۔۔۔۔۔۔ایک سہیلی کے ہاں چلی گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔

اس نے بڑے پیارے انداز میں گردن جھٹک کر چہرے پر بکھر آنے والے بالوں کو پرے ہٹایا۔۔۔۔۔۔۔

پھر بھی۔۔۔۔۔۔۔بہت دیر ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔

گیتی نے ناصحانہ کہا۔۔۔۔۔۔۔

سکول سے سیدھی گھر آیا کرو مہرو۔۔۔۔۔۔۔!

وہ مہر کو ہمیشہ پیار سے مہرو ہی کہا کرتی تھی۔۔۔۔۔۔۔

گیتی آپا! سحر باجی بھی تو یونیورسٹی سے سیدھی آپ کے ہاں چلی جایا کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔

اور پھر شام پڑے گھر پہنچتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔۔۔! گیتی مسکرا اٹھی۔۔۔۔۔۔۔

یہ عمر تو نقش قدم ناپنے کی ہے۔۔۔۔۔۔۔اور وہ۔۔۔۔۔۔۔بڑے خلوص سے مہر ناپ رہی تھی تصور اس کا کوئی نہیں تھا۔۔۔۔۔۔۔

گیتی نے اسی لمحے سوچ لیا کہ کسی وقت موقع ملنے پر سحر کو اس کا احساس دلائیگی کہ مہرو نے ہر معاملے میں اس کی تقلید کرنا تھی۔۔۔۔۔۔۔اس لیے سوچ سمجھ کر ہر قدم اٹھایا کرے۔۔۔۔۔۔۔

اب آپ بتایئے بھائی جان۔۔۔۔۔۔۔!

مہر گیتی کو مل ملا کر ایزد کی طرف بڑھی۔۔۔۔۔۔۔بڑی بے تکلفی اور اپنایت سے اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔۔بڑے زور سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔۔۔۔۔۔۔پھر تھاما اور زور زور سے جھٹکنے لگی۔۔۔۔۔۔۔

چل چڑیل! اب چھوڑ بھی دے۔۔۔۔۔۔۔کیا بالکل ہی کندھے سے اکھاڑ دینے کا ارادہ ہے۔۔۔۔۔۔۔

جب وہ جھٹکے ہی چل گئی تو ایزد نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔۔۔۔۔۔ایسے ہی تو نازک ہیں آپ کہ منی سی صنف نازک کے ہاتھوں آپ کا اتنا بڑا مضبوط سا بازو اکھڑ جائے گا۔۔۔۔۔۔۔

تمہیں صنف نازک کون کہتا ہے۔۔۔۔۔۔؟

کیوں بھائی جان۔۔۔۔۔۔دیکھئے تو۔۔۔۔۔۔۔

منا سا قد۔۔۔۔۔۔نازک نازک ہاتھ پاؤں۔۔۔۔۔۔پتلی سی کمر۔۔۔۔۔۔

سر کے اس انداز پر اور باڈی بلڈرز کی طرح اپنی نزاکت کی نمائش کرنے پر گیتی کی ہنسی چھوٹ گئی۔۔۔۔۔۔

سچی گیتی آپا۔۔۔۔۔۔!

مہر جھینپ کر گیتی کی طرف لپکی۔۔۔۔۔۔

آپ ہی ذرا انہیں سمجھایئے۔۔۔۔۔۔یہ ہمیشہ مجھے کہتے ہیں کہ میں لڑکا ہوں۔۔۔۔۔۔

جس طرح مہر نے گیتی کے آگے ایزد کی شکایت لگائی تھی۔۔۔۔۔۔اسی طرح بلا سوچے سمجھے ایزد کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔۔۔۔۔۔اسی جیسی معصومیت اور سادگی کے ساتھ۔۔۔۔۔۔

آپ خود ہی دیکھئے۔۔۔۔۔۔اس کے طور اطوار بالکل لڑکوں جیسے نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔؟

جی۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔

گیتی ہکلانے لگی۔۔۔۔۔۔چہرے پر یکدم سرخی پھیلی جو کانوں کی لوؤں تک کو گرما گئی۔ہاں سچ مچ۔۔۔۔۔۔آپ نے کبھی غور نہیں کیا۔۔۔۔۔۔اسے اگر لڑکوں والا لباس پہنا دیا جائے تو یہ ایک دم مہر النساء سے مہر دین بن جائے

۔۔۔۔۔۔

شاید وہ اس وقت اجنبیت کا وہ رشتہ اور احساس بھلا بیٹھا تھا جو ابھی چند لمحے پہلے ان کے درمیان تھا۔۔۔۔۔۔

وہ بوکھلائی ہوئی تھی ۔۔۔۔۔۔گھبرائی ہوئی تھی ۔۔۔۔۔۔ سٹپٹائی ہوئی تھی ۔۔۔۔۔۔مگر ایز دکی اس بات پر ایکدم اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔۔۔۔۔۔

اوں۔۔۔۔۔۔اوں۔۔۔۔۔۔مہر بسوری۔۔۔۔۔۔

آپ بڑے خراب ہیں بھائی جان! مہر دین والی بات گیتی آپا کو بھی بتا دی اب یہ بھی مجھے چھیڑا کریں گی۔۔۔۔۔۔

ارے پگلی! میں نے تو ابھی تک نہیں بتایا تھا۔۔۔۔۔۔البتہ تم خود بتا رہی ہو۔۔۔۔۔۔کیا۔۔۔۔۔۔؟ کیا۔۔۔۔۔۔؟

گیتی کا تجسس بلا تکلف بول اٹھا۔۔۔۔۔۔

میں اکثر اسے اس کے اصلی نام مہر دین سے پکارتا ہوں نا۔۔۔۔۔۔جانے اسے کیوں غصہ لگ جاتا ہے۔۔۔۔۔۔؟

کوئی نہیں مہر دین ۔۔۔۔۔۔ہاں تو ۔۔۔۔۔۔ میں تو صرف مہر متین ہوں ۔۔۔۔۔۔جایئے میں آپ دونوں سے ہی نہیں بولتی۔۔۔۔۔۔ہاں بس

۔۔۔۔۔۔

مہر ٹھنکتے ہوئے پاؤں پٹختے ہوئے دونوں سے روٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ ارے ! میں نے کیا کہہ دیا مہرو تمہیں ۔۔۔۔۔۔ سنو تو ۔۔۔۔۔۔بھلا مجھ سے کس بات کی ناراضگی۔۔۔۔۔۔؟

گیتی پکارتی ہی رہ گئی مگر اس نے ایک نہ سنی۔۔۔۔۔۔

اے لڑکا کہیں تو معلوم نہیں کیوں اتنا چڑتی ہے۔۔۔۔۔۔اور چڑنے والے کو چڑانے کا بہت مزہ آتا ہے۔۔۔۔۔۔ہیں نا۔۔۔۔۔۔؟

جی۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔

گیتی کمرے میں اکیلی رہ گئی تھی اور ایز داس سے مخاطب تھا۔۔۔۔۔۔پھر نروس ہونے لگی۔۔۔۔۔۔

سحر جانے کہاں جا کر بیٹھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔اب یہیں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے کی اس میں مزید ہمت نہ تھی۔۔۔۔۔۔

جا کر دیکھوں۔۔۔۔۔۔سحر کی ابھی تک چائے کیوں نہیں بنی۔۔۔۔۔۔؟

گیتی ذرا بلند آواز میں بڑبڑائی کہ ایز د بھی سن لے۔۔۔۔۔۔پھر اٹھی۔۔۔۔۔۔اور تیز تیز قدم اٹھاتی، دل ہی دل میں سحر کو کستی اسے ڈھونڈنے چل دی۔۔۔۔۔۔

☆

سحر کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی ۔۔۔۔۔۔

پہلا مرحلہ بخیر و خوبی گزر گیا تھا ۔۔۔۔۔۔ کتنی سوچ بچار اور کتنی تگ و دو کے بعد وہ یہ سب کچھ کر پائی تھی ۔۔۔۔۔۔۔

سالگرہ کا ڈھونگ ۔۔۔۔۔۔ اسے خود ہی اپنے اس جھوٹ پر ہنسی آ گئی ۔۔۔۔۔ افسوس نہیں ہوا ۔۔۔۔۔۔ کہ اس نے اچھے کام کے لیے ہی بولا تھا ۔۔۔۔۔۔

ویسے رہا وہ خاصا کامیاب تھا ۔۔۔۔۔۔ سالگرہ کا نہ کہتی تو گیتی نے اتنی سج دھج نکال کر آنا بھی نہیں تھا ۔۔۔۔۔۔ کتنی پیاری لگ رہی تھی وہ ۔۔۔۔۔۔!

سحر خیالوں ہی خیالوں میں اسے اپنے سامنے بٹھا کر، دیکھ کر خوش ہو رہی تھی معمول سے کچھ زیادہ ہی اسے روپ چڑھا ہوا تھا ۔۔۔۔۔۔ یوں ۔۔۔۔۔۔ یوں ۔۔۔۔۔۔ جیسے سہاگ رات کو دلہن کے چہرے ۔۔۔۔۔۔ اوہ ۔۔۔۔۔!

سحر خود ہی شرما گئی ۔۔۔۔۔۔ ابھی گیتی دلہن کب بنی تھی ۔۔۔۔۔۔؟ اور اس کے خیالات کہاں جا پہنچے تھے ۔۔۔۔۔۔!

یا اللہ! میرے اس ڈرامے کو انجام تک پہنچا دے ۔۔۔۔۔۔!

سحر پورے خلوص سے دعا مانگ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

بڑی پیاری جوڑی بنے گی ۔۔۔۔۔۔ اگر لاکھ کروڑ شادی شدہ جوڑے لا کھڑے کر دیئے جائیں تو یہ جوڑی منفرد دکھائی دے گی ۔۔۔۔۔۔

وہ سوچ سوچ کر اسی طرح خوش ہو رہی تھی جیسے یہ دونوں اسی کا تخلیق کردہ شاہکار تھے ۔۔۔۔۔۔

سفید غرارہ سوٹ اور سفید موتیوں کے زیور میں سفید سفید سی گیتی کوئی مقدس سی

ریوری ہی لگ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔ دیوی نہیں۔۔۔۔۔۔ پجارن۔۔۔۔۔۔

پجارنیں بڑی خوبصورت ہوتی ہیں۔۔۔۔۔۔لیکن کس کی پجارن۔۔۔۔۔۔؟

اوہ نہیں۔۔۔۔۔۔دیوی۔۔۔۔۔۔اور ایزد بھائی پجاری۔۔۔۔۔۔!

اکیلی ہی بیٹھی پاگلوں کی طرح سوچے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔ ہمارے ہاں کی عورت کو پجارن نہیں دیوی بننا چاہیے۔۔۔۔۔۔مرد کو اپنا پجاری بنانا چاہیے۔۔۔۔۔۔کیونکہ مرد اگر دیوتا بن جائے، کوئی پجارن اسے دیوتا بنا لے تو۔۔۔۔۔۔پھر وہ خود کو سچ مچ کا خدا سمجھ بیٹھتا ہے۔۔۔۔۔۔اور عورت کو حقیر ترین مخلوق۔۔۔۔۔۔پھر

پھر اغوا اور ہراس بے جیسے المیے رونما ہونے لگتے ہیں۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔لہٰذا۔۔۔۔۔۔

اپنی ہی سوچوں کو خود ہی تصحیح کر کر کے وہ آگے سوچ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

گیتی سچ مچ کی دیوی لگ رہی تھی۔۔۔۔۔۔ایزد بھائی بھی تو بار بار مجھ سے نظریں چرا چرا کر اسے دیکھ رہے تھے۔۔۔۔۔۔

سحر اپنے آپ ہی مسکرائی۔۔۔۔۔۔ خیالات کی رو پھر آگے بڑھی

۔۔۔۔۔۔

ویسے گیتی نے ایک بار بھی انہیں یوں دزدیدہ نگاہی سے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔۔۔۔اچھا کیا تھا۔۔۔۔۔۔گیتی کی یہ شرمیلی اور باوقار سی عادت ہے ہی اچھی۔۔۔۔۔۔لیکن۔۔۔۔۔۔ اسے انہیں دیکھنا بھی ضرور چاہیے تھا۔۔۔۔۔۔ وہ بھی گہرے نیلے سوٹ میں بڑے اچھے لگ رہے تھے۔۔۔۔۔۔بڑے ہی وجیہہ اور پرکشش ہیں وہ بھی۔۔۔۔۔۔مجھے یقین ہے گیتی انہیں کبھی ناپسند نہیں کرے گی۔۔۔۔۔۔

خیالوں میں کھوئی کھوئی سحر اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی ۔۔۔۔۔۔ یکدم متفکر ہو اٹھی

۔۔۔۔۔۔

خالہ جان سے وعدہ کیا ہے ۔۔۔۔۔۔ میرے مولیٰ! مجھے سرخرو کرنا ۔۔۔۔۔۔ خالہ جان اتنی نیک خاتون ہیں ۔۔۔۔۔۔ خدا ان کی پریشانیاں دور کرے ۔۔۔۔۔۔

اس کی نگاہوں میں ان کے بوڑھے رخساروں پر پھسلتے، آنسو گھومنے لگے ۔۔۔۔۔۔ اس نے خلوص نیت سے دعا مانگی ۔۔۔۔۔۔

اللہ میاں ! کتنا اچھا ہو جو سیٹھ امان کی مراد گیتی اور ایزد کی مراد بن جائے ۔۔۔۔۔۔ ان دونوں کے دل ایک دوسرے کے لیے دھڑکنے لگیں ۔۔۔۔۔۔ ایزد بھائی کو دیکھ کر، ان سے مل کر اب میرا بھی تو یہی جی چاہنے لگا ہے ۔۔۔۔۔۔

رات گزری جا رہی تھی اور اس کی سوچیں اسے سونے ہی نہیں دے رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔ اس نے بڑی دلیری سے یہ ڈرامہ کھیلا تھا ۔۔۔۔۔۔ بلکہ دیدہ دلیری سے ۔۔۔۔۔۔ سحر اپنے آپ پر، اپنی چالاکی پر خود ہی ہنسی ۔۔۔۔۔۔

ممی، ڈیڈی اور مہر کو ابھی تک یہ علم ہی نہیں تھا کہ ایزد سیٹھ امان کا مینجر تھا ۔۔۔۔۔۔ خود ایزد نے بھی اپنی نوکری وغیرہ کی اور اپنی شان و شوکت کی کبھی نمائش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی ۔۔۔۔۔۔ اس موضوع پر کبھی کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی ۔۔۔۔۔۔

پہلے خود فون پر، پھر کیفے میں، پھر گلستان فاطمہ جناح میں ایک دو ملاقاتیں کرنے کے بعد جب ایزد ہر طرح اسے پسند آ گیا تو پھر ایک دن سحر اسے گھر لے آئی

۔۔۔۔۔۔

ممی، ڈیڈی کو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ وہ بھائی سے محروم تھی اس لیے اس

زرو کو اپنا بھائی بنا لیا تھا۔۔۔۔۔۔ڈیڈی کچھ چونکے تھے مگر ممی نے اتنی خندہ پیشانی سے ایزد کو قبول کر لیا کہ پھر ڈیڈی بھی کوئی مخالفت نہ کر سکے۔۔۔۔۔۔

بلکہ دوسرے تیسرے دن بعد وہ بھی ایزد سے اسی طرح پیش آنے لگے جیسے وہ سچ مچ انہیں کا بیٹا تھا۔۔۔۔۔۔

اور مہرو کی اپنی کوئی رائے تھی ہی نہیں۔۔۔۔۔۔ممی کو، سحر باجی کو جس بات کی خوشی مناتے دیکھتی وہ بھی منانے لگ جاتی۔۔۔۔۔۔جو کرتے دیکھتی خود بھی وہی کرنے لگ جاتی۔۔۔۔۔۔جیسا لباس پہنتے دیکھتی ویسا ہی وہ پہننے لگتی۔۔۔۔۔۔

آٹھویں کلاس کی لڑکی اور کر بھی کیا سکتی تھی۔۔۔۔۔۔ایزد کو ممی اور باجی سے بڑھ کر اس نے اپنا سمجھ لیا تھا۔۔۔۔۔۔ہر وقت بھائی جان کا لفظ اس کی زبان پر رہتا۔۔۔۔۔۔

بڑی بے تکلفی سے کبھی کسی چیز کی فرمائش کر ڈالتی تو کبھی کسی کی۔۔۔۔۔۔ایک پوری ہوتی تو دوسری تیار ملتی۔۔۔۔۔۔اس نے تو فرمائشوں کی لڑی سی پرو دی تھی۔۔۔۔۔۔

پھر کبھی اس کے ساتھ لڑائی چھیڑ بیٹھتی تو کبھی بچوں کی طرح بیٹھ کر اس سے کہانیاں سنا اور سنایا کرتی۔۔۔۔۔۔

خود ایزد بھائی بھی تو پورے گھرانے پر فریفتہ ہو چکے تھے۔۔۔۔۔۔بالکل سگی اولاد کی طرح ممی، ڈیڈی کا احترام کرتے اور حقیقی بہنوں ہی کی مانند ان دونوں سے محبت کرتے۔

بالکل کوئی فرق محسوس ہی نہیں ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔اگر کوئی انجان ان کے گھر میں اچانک آجاتا تو ان سب کو ایک ہی گھر کے افراد سمجھ بیٹھتا۔۔۔۔۔۔

اور سحر اپنی اس دریافت، اس کامیابی پر بہت نازاں تھی۔۔۔۔۔۔اب وہ

صرف اس ڈرامے کے ڈراپ سین کی منتظر تھی ۔۔۔۔۔۔ جس کے لیے اس نے یہ سارا کھیل کھیلا تھا۔اور جو خود اس کے لیے اب بے حد دلچسپ اور خوبصورت بن گیا تھا۔۔۔۔۔۔

یونیورسٹی میں اب وہ صرف پڑھائی کے لیے جاتی تھی ۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد جلد گھر آ جاتی نہ اب وہاں کوئی اس کی سہیلی رہی تھی نہ کوئی اور مشغلہ ۔۔۔۔۔۔

اب تو اس کے اردگرد ایز دہی ایز د تھا ۔۔۔۔۔۔

ایک بھائی کا پیار اور الفت اسے اور سب دلچسپیوں سے بہتر اور سب محبتوں سے ارفع و اعلیٰ جذبہ محسوس ہوا تھا ۔۔۔۔۔۔

یوں بھی کچھ لاشعوری طور پر اب ایک قسم کی جھجک سی اس کے طور اطوار میں خود بخود پیدا ہوئی جا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

کلاس کے لڑکوں اور پروفیسروں کے ساتھ اب اس کا وہ آزادانہ اور بے تکلفانہ طرز عمل نہیں رہا تھا کہ ایزد بھائی کو معلوم ہو تو وہ کہیں برا نہ سمجھیں ۔۔۔۔۔۔ ایک بھائی کی عزت پر کوئی حرف نہ آئے ۔۔۔۔۔۔

آپ ہی اس کا لباس بدلتا جا رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ اس کے طور طریقے بدلتے جا رہے تھے ۔۔۔۔۔۔ بالکل غیر ارادی طور پر ۔۔۔۔۔۔ اور ہر معاملے میں بھائی کی عزت کا خیال ضرور دامن گیر رہتا ۔۔۔۔۔۔ کہ وہ ایک غیرت مند بھائی کی بہن تھی ۔۔۔۔۔۔!

وہ سوچ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

ڈیڈی اس کے باپ تھے ۔۔۔۔۔۔ پھر اسے کبھی ان کا خیال کیوں نہ آیا ۔۔۔۔۔۔؟ یوں ان کی عزت کی خاطر اس کے طرز عمل میں کبھی کوئی تبدیلی کیوں نہ ہوئی ۔۔۔۔۔۔؟ آخر اس کی وجہ کیا تھی ۔۔۔۔۔۔؟

شاید ممی ۔۔۔۔۔۔ وہ جو ان کی ذرا پرواہ نہیں کرتی تھیں ۔۔۔۔۔۔ وہ کچھ

بھی کہتے اپنے خیال اور مرضی کو ہمیشہ ان پر فوقیت دیتیں۔۔۔۔۔۔اسی لیے بیٹیاں بھی دلیر ہوگئی تھیں۔سحر اپنا آپ ہی محاسبہ کیے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

اور بھائی کا کردار۔۔۔۔۔۔وہ ایسا مختلف تو نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔باپ جیسی ہی عزت و توقیر کا حامل ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔مگر ان کے ہاں باپ کو اتنی عزت نہیں دی گئی تھی۔۔۔۔۔۔اور بھائی کے کردار کے لیے سحر نے ایک امیج سا قائم کر لیا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔

ایزد بھائی کے روپ میں سامنے آیا تو اس نے اپنے اسی امیج کو سامنے رکھ لیا۔۔۔۔۔۔تب خود بخود ہی اس نے خود کو اس کردار کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا۔۔۔۔۔۔

ایزد نے اس پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔۔۔۔۔۔کچھ بھی تو کبھی نہیں کہا تھا۔۔۔۔۔۔البتہ ایک دن شاپنگ کرتے ہوئے صرف اتنا اس نے ہولے سے کہا تھا۔۔۔۔۔۔

سر پر دوپٹہ اوڑھ لو۔۔۔۔۔۔لڑکی اس پاکیزہ سے روپ میں ہو تو آپ ہی آپ ہر نگاہ میں احترام بھر جاتا ہے۔۔۔۔۔۔

ایزد کی اتنی سی بات سے ہی اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ جیسا اس نے امیج قائم کیا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔وہ ویسا ہی بھائی تھا۔۔۔۔۔۔

یہ فقرہ اگر ممی یا ڈیڈی کہتے تو شاید وہ سنا ان سنا کر دیتی۔۔۔۔۔۔مگر ۔۔۔۔۔۔ ایزد کی زبان کا اثر۔۔۔۔۔۔ بھائی کے رشتہ کا احترام۔۔۔۔۔۔!

سوچوں میں کھوئی کھوئی وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔۔۔۔۔۔یہ سب کچھ تو پھر بھی سوچا جا سکتا تھا۔۔۔۔۔۔

سر جھٹکتے ہوئے ذہن کو خالی کر کے ایک بار پھر اس نے سونے کی کوشش کی

۔۔۔۔۔۔مگر بے سود۔۔۔۔۔۔!

خیالات کی رو ایک بار پھر اس کی نیند کو اپنے ساتھ بہا لے گئی۔۔۔۔۔۔

گیتی ایزد اور سحر نے اکٹھے بیٹھ کر چائے پی۔۔۔۔۔۔گھبراہٹ میں گیتی نے کبھی چائے چھلکائی۔۔۔۔۔۔کبھی گرم گرم کا گھونٹ بھر کر ہونٹ جلائے۔۔۔۔۔۔

سحر کنکھیوں سے دیکھتی رہی۔۔۔۔۔۔محظوظ ہوتی رہی۔۔۔۔۔۔گیتی پر ترس بھی آتا رہا اور پیار بھی۔۔۔۔۔۔!

ایزد بھائی بھی شاید اس کی حالت کو دیکھ رہے تھے۔۔۔۔۔۔چائے کی ایک ہی پیالی لی۔۔۔۔۔۔اور ختم کر کے جلد ہی اٹھ کر چلے گئے۔۔۔۔۔۔ورنہ رات گئے تک وہیں رہا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔کھانا بھی وہیں کھاتے۔۔۔۔۔۔سب خوب گپیں مارتے۔۔۔۔۔۔

اور اس دن یقیناً گیتی کی خاطر جلد چلے گئے تھے۔۔۔۔۔۔ ان کے چلے جانے کے بعد پھر سحر بڑی دیر بیٹھی ایزد بھائی کی زبانی سنائی ہوئی ان کے بچپن کی باتیں، اور واقعات گیتی کو سناتی رہی۔۔۔۔۔۔کہ اس کا کزن اس قدر شریر ہوا کرتا تھا۔۔۔۔۔۔اور چھوٹی سی عمر میں ہی اتنا ذہین بھی۔۔۔۔۔۔

وہ تعریفیں کرتی رہی اور گیتی چپ چاپ بیٹھی رہی۔۔۔۔۔۔جانے سن بھی رہی تھی یا نہیں۔۔۔۔۔۔اور اگر سن رہی تھی تو اس پر خاطر خواہ اثر ہوا بھی تھا یا نہیں۔۔۔۔۔۔؟

ایزد اسے اچھا لگنے لگا تھا یا نہیں۔۔۔۔۔۔؟ یہ نہ اس کے انداز سے ظاہر ہو سکا اور نہ خود سحر ہی پوچھنے کی جرأت کر سکی۔۔۔۔۔۔اس طرح تو بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔۔۔۔۔۔یا پھر گیتی کو کہیں کچھ شبہ نہ ہو جائے۔۔۔۔۔۔تب وہ خاموش رہی۔۔۔۔۔۔

ایک دو ملاقاتیں اور اسی قسم کی ہو جانے کے بعد البتہ کچھ توقع کی جاسکتی تھی

-------اور تب -------تین چار دن بعد ہی اتوار تھا-------

سحر نے گیتی کے ساتھ پکنک منانے کا پروگرام بنالیا جس میں ان دونوں کے علاوہ ممی اور مہر نے بھی شامل ہونا تھا------صرف دو کی پکنک تو ہو نہیں سکتی تھی اور نہ ہی مزہ آنا تھا-------

ہمیشہ کی طرح گیتی نے پہلے اس پروگرام کے خلاف ایک دو فقرے بولے مگر سحر کے اسرار پر اور دو چار تیز تیز باتیں سننے کے بعد چپکی ہو رہی-------

سحر کا تو مقصد اس پکنک پر ایک بار پھر دونوں کو یکجا کرنے کا تھا-------گیتی کو اس نے نہیں بتایا------مگر چپکے سے وہ ایزد کو مدعو تو کر سکتی تھی------یوں اس کا ڈرامہ باآسانی آگے بڑھ سکتا تھا-------

پھر اسی وقت اس نے اپنے علاوہ گیتی کے لباس کا انتخاب بھی خود ہی کر ڈالا-------

تم گیتی! وہ ہلکا زرد سوٹ پہننا------اس میں تم بہت سمارٹ لگتی ہو------جواب میں ہنس کر گیتی بولی تھی

اچھا بڑی بی! آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی-------

ہائے! سحر باجی! مجھے بتائیے میں کونسے پہنوں-------

تمہیں کوئی پسند ہونے کے لیے تو جانا نہیں------سحر دل ہی دل میں بولی تھی جب تمہارا وقت آئے گا تو تمہیں بھی بتادوں گی-------

دل ہی دل میں یہ بڑبڑانے کے بعد بظاہر اس نے مہر کی ان سنی کر دی تھی اور وہ روٹھ کر وہاں سے اٹھ گئی تھی-------

اب رات کی اس تاریکی اور تنہائی میں سحر کو ہنسی آئے جا رہی تھی------مہر کا سوجا ہوا معصوم اور پیارا سا چہرہ اسے یاد آ رہا تھا-------

ٹن۔۔۔۔۔۔ٹن۔۔۔۔۔۔دوسرے کمرے میں ڈیڈی کے کلاک نے دو بجائے۔۔۔۔۔۔

ارے! سحر نے جلدی سے لیٹتے ہوئے لحاف اوپر کھینچ لیا۔۔۔۔۔۔صبح کو ان سب نے شالیمار پکنک کے لیے جانا تھا۔۔۔۔۔۔یعنی اس ڈرامے کا دوسرا سین پیش ہونا تھا۔۔۔۔۔۔

لہٰذا اسے جلد سو جانا چاہیے تھا۔۔۔۔۔۔تا کہ پھر صبح وقت پر اٹھ سکے۔۔۔۔۔۔ایسا نہ ہو باقی کردار موجود ہوں اور جس اہم کردار نے باقیوں کو ایک لڑی میں پرونا تھا وہی غائب ہو۔۔۔۔۔۔

اور وہ اس ڈرامے میں اپنا رول سوچتے اور پھر یاد کرتے ہوئے سو گئی۔۔۔۔۔۔

☆

زرد کرتے اور شلوار اور اچھی لڑکیوں کی طرح سر پر اوڑھے شیفون کے زرد دوپٹے میں وہ ہمیشہ کی طرح بے حد معصوم اور پرکشش لگ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔

سحر نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔۔۔۔۔۔۔سر سے پاؤں تک اس کا تنقیدی قسم کا جائزہ لیا۔۔۔۔۔۔سب کچھ ٹھیک تھا۔۔۔۔۔۔۔

چہرے کی سادگی اور معصومیت۔۔۔۔۔۔۔ہونٹوں کا متبسم انداز۔۔۔۔۔۔۔نگاہوں کی حیا اور پیازی رخساروں پر جھکی جھکی پلکوں کی لرزش۔۔۔۔۔۔!پشت پر لٹکی گھنیرے بالوں کی سیاہ لمبی چوٹی۔۔۔۔۔۔نازک نازک چپلوں میں سے جھانکتے نازک اور گلابی پاؤں۔۔۔۔۔۔

غرض۔۔۔۔۔۔ایک مرد کا پوری طرح دل لوٹ لینے کا سامان مکمل تھا۔۔۔۔۔۔سحر نے اطمینان کا سانس لیا۔۔۔۔۔۔اور پھر مہر اور ممی کو آوازیں دینے لگی۔۔۔۔۔۔

ممی!اب آجایئے۔۔۔۔۔۔مہر تم بھی جلدی کرو۔۔۔۔۔۔

سحر پھر گیتی کی طرف مڑی۔۔۔۔۔۔

تم بیٹھو تو سہی۔۔۔۔۔۔ویسے تمہاری یہی بات مجھے ہمیشہ اچھی لگی کہ وقت کی پابندی کرتی ہو۔۔۔۔۔۔

سحر کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔۔۔۔۔۔

اور تم ہمیشہ وقت کو پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کرتی ہو۔۔۔۔۔۔

گیتی نے سحر کے بکھرے حلیے کو تیکھی نگاہ سے دیکھا۔۔۔۔۔۔اس کی نظر کے انداز کو سمجھ کر سحر ایکدم چونکی۔۔۔۔۔۔

ارے!مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ مجھے ابھی لباس تبدیل کرنا ہے۔۔۔۔۔۔

سحر خفیف سی ہو کر ہنسی۔۔۔۔۔۔

تم احساس نہ دلا دیتیں تو مجھے اسی طرح چل پڑنا تھا۔۔۔۔۔۔۔دل میں یہی سمجھے بیٹھی ہوں کہ تیاں ہوں۔۔۔۔۔۔

واہ ری بے خودی۔۔۔۔۔۔!

گیتی نے معنی خیز انداز میں اسے گھورا۔۔۔۔۔۔۔

یہ آج کل تم اتنی کھوئی کھوئی سی کیوں رہتی ہو۔۔۔۔۔۔؟

سحر صرف مسکرا کر رہ گئی۔۔۔۔۔۔

اب اسے کیا بتاتی کہ وہ کیوں آج کل خود کو بھی بھولی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔

تم بیٹھو۔۔۔۔۔۔۔میں ایک منٹ میں تیار ہو کر آئی۔۔۔۔۔۔

سحر اپنے کمرے کی طرف لپکی۔۔۔۔۔۔۔پھر دوسرے ہی لمحے ایک خیال بجلی کی مانند کوندا۔۔۔۔۔۔

گیتی رفیقے کے ساتھ آئی تھی اور وہ ابھی تک یہیں موجود تھا۔۔۔۔۔۔۔واپس کیوں نہیں جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔؟ ایز دکو جو اس نے وقت دیا تھا اس میں صرف آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔وہ آنے ہی والا تھا۔۔۔۔۔۔۔راستے میں ہی کہیں مل جاتا تو تب ہی گڑبڑ کا اندیشہ تھا۔۔۔۔۔۔

رفیقے! تم جا کر خالہ جان سے کہہ دینا کہ گیتی کو اگر کچھ دیر ہو جائے تو فکر بالکل نہ کریں۔۔۔۔۔۔۔میں خود اسے گھر تک پہنچا آؤں گی۔۔۔۔۔۔

مگر یہ ہمارے ساتھ جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔

مارے گئے۔۔۔۔۔۔گیتی نے اس انکشاف پر سحر کا رنگ زرد پڑ گیا۔۔۔۔۔۔لیکن تھی سمجھدار اور ہوشیار۔۔۔۔۔۔خود کو سنبھال کر جھٹ سے بولی۔۔۔۔۔۔

اس کے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔۔۔؟

امی کہتی تھیں کام وام کر دے گا۔۔۔۔۔۔

واہ۔۔۔۔۔۔! پکنک پر بھی ملازم کریں تو پکنک کا کیا مزہ۔۔۔۔۔۔؟

سحر رفیقے کی طرف مڑی۔۔۔۔۔۔

جاؤ تم۔۔۔۔۔۔خالہ جان کو ضرورت ہو گی تمہاری۔۔۔۔۔۔اور گیتی تو اپنے کام بھاگ دوڑ کر خود بھی کر لے گی۔۔۔۔۔۔

پھر بی بی جی۔۔۔۔۔۔؟

شاید رفیقا بھی یہی چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔دانت نکوس کر گیتی کی طرف اجازت طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔۔۔۔۔۔

ہاں ہاں جاؤ۔۔۔۔۔۔بی بی جی کی طرف کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔۔۔۔؟

سحر بڑے رعب سے بولی تو رفیقا جھٹ بھاگ نکلا۔۔۔۔۔۔

یہ تم نے اچھا نہیں کیا سحر۔۔۔۔۔۔!

کیوں۔۔۔۔۔۔؟ سحر نے گیتی کو گھورا۔۔۔۔۔۔

تمہاری اس کے بغیر کیا پکنک ہضم نہیں ہو گی۔۔۔۔۔۔؟ یا اس کے بغیر تمہیں شالیمار سونا سونا لگے گا۔۔۔۔۔۔

گیتی ہنس پڑی۔۔۔۔۔۔

دونوں میں سے ایک بھی بات نہیں۔۔۔۔۔۔

پھر تمہیں اتنی تکلیف کیوں ہوئی اس کے جانے کی۔۔۔۔۔۔؟

اس نے کبوتر پالے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔میں نہ موجود ہوں تو پھر چھت پر ہی چڑھا رہتا ہے اور امی کو بہت تنگ کرتا ہے۔۔۔۔۔۔اسی لیے انہوں نے بھی یہی بہتر سمجھا کہ میرے ساتھ چلا جائے۔۔۔۔۔۔

سحر نے قہقہہ لگایا۔۔۔۔۔۔

کبھی کبوتروں کا شوق اور کبھی کبوتریوں کا۔۔۔۔۔۔

اچھا اچھا۔۔۔۔۔۔پہلے تیار تو ہو کر آؤ۔۔۔۔۔۔

گیتی الجھ کر بولی

مجھے خواہ مخواہ ہی اتنی سویرے بلا کر بٹھا لیا ہے

لو تم اتنی دیر اس کا مطالعہ کرو۔۔۔۔۔۔۔

سحر نے شیلف میں سے ایک کتاب نکال کر وہیں سے گیتی کی طرف اچھالی جانے وہ پکڑ بھی سکی یا گر ہی پڑی۔۔۔۔۔۔۔ یہ دیکھا ہی نہیں اور بھاگ کر کمرے سے نکل گئی۔۔۔۔۔۔۔

ہت تیری ایسی کی تیسی۔۔۔۔۔۔۔

کتاب کھولتے ہی گیتی نے دانت پیسے۔۔۔۔۔۔۔

وہ بچوں کی ننی منی سی کہانیوں کی کتاب تھی۔۔۔۔۔۔۔ جو شرارت سے وہ اسے دے گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔

گیتی پہلے بڑبڑاتی رہی اور پھر بے خیالی میں وہی کتاب کھول کر اس کے اوراق پلٹنے لگی۔۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔۔ چند لمحوں بعد۔۔۔۔۔۔۔ اوراق ہی پلٹتے پلٹتے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹکی وہ پورے انہماک سے ایک کہانی پڑھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔

ہیلو۔۔۔۔۔۔۔! ریڈی ایوری باڈی۔۔۔۔۔۔۔؟

کانوں میں اترنے والے اس فقرے کے ساتھ ہی دھپ کر کے کوئی چیز اس کے سر میں لگی۔۔۔۔۔۔۔

اوئی اللہ۔۔۔۔۔۔۔! سر کو سہلاتے ہوئے گیتی نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔۔۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔۔۔! معاف کیجئے گا۔۔۔۔۔۔۔ میں سمجھا سحر بیٹھی ہے۔۔۔۔۔۔۔

ایزد نے اسے دیکھا تو اس سے بھی کہیں زیادہ پریشان ہو گیا اور گھبرا گھبرا کر ادھر

ادھر دیکھنے لگا ------ پھر ندامت بھرے لہجے میں دھیرے سے بولا -------

کہاں ہیں سب لوگ ------؟

وہ -------وہ--------تیار ہو رہی ہیں --------

اور آپ ------؟ کیا پکنک پر آپ بھی جا رہی ہیں -------؟

جی -------جی ہاں -------

گیتی پر ہکلاہٹ کا دورہ پڑ گیا-------

بہت خوشی ہوئی ------پھر تو خاصی رونق دار پکنک ہو گی-------

ایزد نے بڑی سادگی اور بڑے خلوص سے مسرت کا اظہار کیا------

گیتی دم بخود سی بیٹھی تھی------اسے تو سحر نے بتایا ہی نہیں تھا کہ ایزد بھی ساتھ جا رہا تھا------ورنہ وہ کبھی نہ آتی-------

جانے سحر کو کیا ہو گیا تھا------؟چند دنوں سے جھوٹ بھی خاصے بولنے لگی تھی اس دن سالگرہ کا جھوٹ بول کر اسے گھر بلا لیا------پھر پکنک کا پروگرام بنایا------اور اسے بتایا ہی نہیں اور ساتھ ایزد کو بھی مدعو کر لیا------

مانا اس کا بڑا پیارا بھائی تھا------ مگر گیتی کا تو خیال کر لیتی ------اس کا تو اس سے کوئی تعلق نہ تھا------اور نہ ہی اس نے ایسے آزادانہ ماحول میں پرورش پائی تھی-------

کیسی عجیب عجیب اور الٹی پلٹی حرکتیں کر رہی تھی وہ !جانے کیا ہو گیا

بات کرنے کی خاطر۔۔۔۔۔۔! اب ان کے درمیان اس دن والی وہ اجنبیت تو نہ تھی۔۔۔۔۔۔ جو دونوں کمرے میں موجود ہو کر بھی موجود نہ ہوتے۔۔۔۔۔۔یہ تو غیر سوشل اور غیر مہذب بات تھی۔۔۔۔۔۔!

ارے۔۔۔۔۔۔!

اور پھر ایزد کے قہقہے کمرے کی فضا میں گونجنے لگے۔۔۔۔۔۔

جی نہیں۔۔۔۔۔۔جی نہیں۔۔۔۔۔۔۔یہ تو۔۔۔۔۔۔۔

گیتی ہکلا رہی تھی۔۔۔۔۔۔گیتی کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔۔۔۔۔۔گیتی کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔

مگر وہ کچھ سن ہی نہیں رہا تھا اور ہنسے جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔اور تب۔۔۔۔۔۔ اس کی ہنسی کی آواز سن کر سحر ادھر آ گئی۔۔۔۔۔۔

لباس تبدیل کر چکی تھی۔۔۔۔۔۔بال شاید سنوارنا تھے۔۔۔۔۔۔ہاتھوں میں کنگھا تھا۔۔۔۔۔۔

ارے! آپ آ گئے۔۔۔۔۔۔اور یہ اتنی ہنسی کیوں آ رہی ہے۔۔۔۔۔۔؟ کسی نے گدگدی تو نہیں کر ڈالی۔۔۔۔۔۔؟

سحر شوخی سے بولی۔۔۔۔۔۔گیتی اور بھی جھینپ گئی۔۔۔۔۔۔

تمہاری سہیلی صاحبہ یہ کتاب پڑھ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔اور بے حد انہماک سے۔۔۔۔۔۔

ایزد نے ہنس ہنس کر بے حال ہوتے ہوئے وہ کتاب سحر کی آنکھوں کے سامنے نچائی۔۔۔۔۔۔

یہ تو میں ابھی شرارت سے اس کے اوپر پھینک کر گئی تھی۔۔۔۔۔۔

تم نے شرارت کی اور یہ بڑے خلوص سے اس کا شکار ہو گئیں۔۔۔۔۔۔

مہر اور آنٹی ابھی تیار نہیں ہوئیں۔۔۔۔۔۔؟

گیتی شاید اس موضوع کو ٹالنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔۔ جُز بُز سی سحر سے پوچھنے لگی۔

ممی پہلے ڈیڈی کے لیے ناشتہ تیار کر رہی تھیں اور اب۔۔۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے تیار ہو ہی گئی ہوں گی۔۔۔۔۔۔۔ اور مہر۔۔۔۔۔۔۔

اب ہنسنے کی سحر کی باری تھی۔۔۔۔۔۔۔

میں جب ادھر تیار ہونے گئی تو دیکھا مہر متین صاحبہ ابھی خواب خرگوش کے مزے ہی لوٹ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔

حد کر دی تم لوگوں نے۔۔۔۔۔۔

میں لوگوں نے نہیں۔۔۔۔۔۔ ان دونوں لوگوں نے۔۔۔۔۔۔ میں تو بڑی صبح اٹھ پڑی تھی۔۔۔۔۔۔

مگر ابھی تک کنگھا تو تمہارے ہاتھ میں بھی ہے۔۔۔۔۔۔

وہ۔۔۔۔۔۔۔ سحر مسکرائی۔۔۔۔۔۔۔

بیٹھی کچھ سوچتی رہی تھی۔۔۔۔۔۔

کچھ سوچتی رہی تھی۔۔۔۔۔۔

گیتی کو اس وقت اور کچھ نہ سوجھا۔۔۔۔۔۔ صرف اس کی نقل اتار کر ہی رہ گئی۔۔۔۔۔۔۔

کیا سوچتی رہی تھیں۔۔۔۔۔۔؟

ایزد نے ایک بھائی کی سنجیدگی اور خلوص سے پوچھا۔۔۔۔۔۔

کوئی پریشان کن مسئلہ ہے۔۔۔۔۔۔؟

ہوں۔۔۔۔۔۔؟ پریشان کن تو نہیں۔۔۔۔۔۔

سحر عجیب انداز میں مسکرائی۔۔۔۔۔۔

تب خیر ہے۔۔۔۔۔۔ پھر تم اپنی نیندیں نہ برباد کرو۔۔۔۔۔۔

ایزد نے بڑے اطمینان سے جواب دیا اور بچوں والی وہی کتاب ہاتھ میں تھامے کمرے کے پرلے سرے پر دریچے میں جا کر بیٹھ گیا۔۔۔۔۔۔

یہاں تو ابھی معلوم نہیں کب چل چلاؤ ہوگا طاقتی دیر ہم بھی بھلا دیکھیں کہ اس کتاب میں کیا ہے ۔۔۔۔۔۔ جو لوگ اتنے انہماک سے پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔۔

ایزد اس کے اوراق پلٹنے لگا۔۔۔۔۔۔

سحر وہیں کھڑی کنگھا کرنے لگی اور گیتی بے مصرف ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگی۔۔۔۔۔۔

ارے گیتی۔۔۔۔۔۔!

کنگھا کرتے کرتے یکدم سحر اس کے قریب آ کر بولی۔۔۔۔۔۔

یہ اس کی ٹوکری میں کیا ہے۔۔۔۔۔۔؟

پکنک کے لیے تھوڑے سے شامی کباب بنائے تھے۔۔۔۔۔۔تمہیں پسند جو بہت ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔

یار گیتی! تم تو ایک دم بے مثال ہو۔۔۔۔۔۔

چپ بدتمیز! کبھی سوچ کر بھی منہ سے کچھ پھوٹا کرو۔۔۔۔۔۔

گیتی نے ہولے سے ٹھوکا دے کر ایزد کی موجودگی کا احساس دلایا۔۔۔۔۔۔

کوئی نہیں۔۔۔۔۔۔ وہ بہت دور بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔۔اور کتاب پڑھ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔سحر جلدی جلدی ٹوکری کھول کر اور ہونٹوں پر زبان پھیر پھیر کر شامی کبابوں کا دیدار کرنے کی کوشش کرنے لگی۔۔۔۔۔۔مگر وہ تو ڈبے میں بند تھے۔دیدار ہو ہی نہ سکا۔لیکن یہ سارے تو مینجر کھا جائے گا۔۔۔۔۔۔

تشویش بھرے انداز میں سحر بڑبڑائی ۔۔۔۔۔۔گیتی ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔۔۔۔۔۔اور اس لمحے سحر کو اپنی غلطی کا خیال آیا۔۔۔۔۔۔

کیا مینجر کو بھی ساتھ لے کر جا رہی ہو ۔۔۔۔۔۔؟

گیتی اپنی دانست میں اس کے پاگل پن پر ہنسے جا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

جانے کیوں مینجر اس بُری طرح تمہارے حواس پر چھا کر رہ گیا ہے ۔۔۔۔۔۔؟ گیتی دز دیدہ نگاہوں سے ایز دکو دیکھتے ہوئے اوراس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا سحر کو چھیڑنے لگی ۔۔۔۔۔۔

اپنے بھائی کو ہمارے ہاں بھیجو جا کر رشتہ دیکھ آئے ۔۔۔۔۔۔

ابھی تو تمہارے لیے بھیجوں گی ۔۔۔۔۔۔ مجھے تم ایسی بھابھی چاہیے ۔۔۔۔۔۔

چل بدتمیز ۔۔۔۔۔۔!

سحر کے اس فقرے نے گیتی کے رخساروں پر سرخی کی لہر دوڑا دی ۔۔۔۔۔۔ اس نے جس کا مذاق کیا تھا وہ تو سامنے موجود نہیں تھا ۔۔۔۔۔۔ اور ایز د تو یہیں تھا ۔۔۔۔۔۔ میں خود جا کر دیکھتی ہوں کہ مہر اور آنٹی تیار ہوئیں یا نہیں ۔۔۔۔۔۔؟ اور اپنا سرخ سرخ چہرہ لیے گیتی وہاں سے اٹھ کر بھاگی ۔۔۔۔۔۔

☆

شالیمار باغ کے دوسرے تختے پر جہاں مصنوعی آبشار ایک بے حد خوبصورت حوض میں گرتی تھی۔ وہیں ذرا پرے ہٹ کر ایک تنہا سی جگہ پر ان کا پڑاؤ لگا

گو بہت سارے لوگ اس دن وہاں سیر و تفریح کے لیے آئے ہوئے تھے۔ مگر باغ اتنا وسیع تھا کہ اس کی آغوش نے ہر پارٹی کو علیحدہ خلوت دے دی تھی۔

کوئی ایک گروپ دوسرے میں مخل نہیں ہو سکتا تھا۔ موسم بے حد خوشگوار تھا اور اسی لحاظ سے سب کے موڈ بھی بڑے خوشگوار ہو رہے تھے۔

البتہ صرف ایک گیتی تھی جو چپ چپ سی تھی۔ سارا راستہ وہ چپکے چپکے، ہولے، ہولے سحر سے جھگڑتی آئی تھی کہ اس نے ایزد کو کیوں ساتھ لے لیا تھا؟

اس کی موجودگی کی وجہ سے وہ پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتی تھیں۔ بڑا ظلم کیا تھا اس نے

جواب میں سحر کو کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا کہ کس طرح اسے سمجھائے؟ کیا بتائے؟ کہ وہ خود ہی اس کے ساتھ آنے کی افادیت کا اعتراف کر لے۔

آخر بہت دیر اس کی کھسر پھسر سننے کے بعد اچانک سحر کو ایک نقطہ سوجھ ہی گیا!

دیکھو گیتی! زمانے کا تمہیں علم ہی ہے کہ کس چال چل رہا ہے! ایسا نہ ہو کہ اکیلی عورتوں کو دیکھ کر کوئی آوارہ مزاج نوجوان ہمیں تنگ کرنے لگیں، اس لیے میں نے ایزد بھائی کو ساتھ لے لیا تھا۔

اس کے اس جواب سے گیتی خاموش ہو گئی تھی۔ سحر نے بھی اسے کریدنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

اس کی طبیعت کو اچھی طرح جانتی تھی کہ کوئی بات اگر اسے ناگوار خاطر گزرا کرتی تھی تو وہ خاموش ہو جایا کرتی تھی۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد خود بخود ہی نارمل بھی ہو جایا کرتی تھی۔

اس کی طبیعت میں غصہ بہت کم تھا۔جلد ہر معاملے کے ساتھ متفق ہو جاتی تھی۔

سڑک سے باغ کے اس گوشے تک آتے آتے ہی ممی بے حد تھک گئی تھیں۔سحر اور گیتی ابھی پوری طرح ،وہ خوب صورت بیل بوٹوں والی دری بچھا بھی نہیں چکی تھیں کہ وہ گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

مہر منہ چھپا چھپا کر ہنسنے لگی۔شوخ گلابی گھیر دار فراک اور اسی کے ہم رنگ چوڑی دار پاجامے میں وہ بالکل ننھی منی اور پیاری سی گڑیا ہی لگ رہی تھی۔اسے ہنستے دیکھا تو گیتی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ رقص کر اٹھی

چلو اسی بہانے ہی۔۔۔۔۔۔

سحر اسی کا موڈ ناپ تول رہی تھی۔۔۔۔۔۔

تمہارا مزاج تو بحال ہوا

اور پھر واقعی گیتی نارمل ہو چکی تھی

مہرو! بری بات

وہ ممی پر ہنس رہی تھی۔گیتی نے اسے فہمائش کی

مگر آپ کیوں ہنس رہی تھیں؟

ہنستے کو دیکھ کر ضرور ہنسی آ ہی جاتی ہے۔

گیتی نے اپنی ہنسی کا اعتراف کر لیا تو مہر بھی ہولے سے بول پڑی!

اور کسی بڑی سی چیز کو دھم کر کے گرتے دیکھ کر بھی ہنسی آ ہی جاتی ہے۔

مہرو نے ممی کے بھاری بھر کم لڑھکے ہوئے وجود کی طرف اشارہ کیا،ممی دیکھ رہی تھیں۔بجائے برا منانے کے یا مہر کو ڈانٹ دینے کے وہ بھی ہنسنے لگیں۔

خود انہوں نے ہی بے جا لاڈ پیار سے اسے کافی گستاخ کیا ہوا تھا۔بے شک ان کی شان میں بھی گستاخی کر جاتی۔ممی نے کبھی اسے نہیں روکا ٹوکا تھا!

"لڑکیو! کوئی کھانے وانے کا بندوبست ہے نا؟

ابھی سب پوری طرح بیٹھ بھی نہیں چکے تھے کہ ایزد نے ہانک لگائی

لو! ان کے معدے کا الارم تو بول بھی پڑا

الارم نہیں بولا مہر دین! تم سب کا فکر پڑا ہے! ابھی میاؤں میاؤں شروع کردو گی

مہر دین کہنے پر مہر اس کے ساتھ لڑائی شروع کرنے ہی والی تھی کہ سحر نے ایزد کو یاد دلا دیا

اور جو راستے میں نان اور مچھلی خریدی تھی

وہ تو بہت تھوڑا سا تھا!

بس پھر آج تو اتنے پر ہی اکتفا کرنا ہوگا

سحر نے گیتی کو آنکھ ماری۔ یوں، جیسے وہ ایزد سے اتنی ہی تو بے تکلف تھی کہ اسے باقی جو اور بہت ساری چیزیں تھیں ان کے متعلق کہیں بتا نہ دے! گیتی سحر کی نادانی پر مسکرا پڑی۔

اچھا بھئی اتنے سے ہی گزارہ کرلیں گے

سحر کی توقع کے مطابق ایزد نے واویلا نہیں مچایا۔ فٹافٹ ہار مان لی۔ نجانے کیوں؟ ورنہ وہ اتنا صلح پسند بھی تو نہ تھا۔

ہاں! تو پہلی آئٹم کیا ہے؟

کیا مطلب؟

سحر ایزد کا مطلب نہ سمجھ پائی! وضاحت طلب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی

بھئی پکنک کی!

پکنک کی؟ آپ نے پہلے کبھی پکنک نہیں منائی؟

لڑکیوں کے ساتھ پہلا موقع ہے

تو میں بتاتی ہوں بھائی جان! کہ لڑکیوں کے ساتھ کس طرح پکنک مناتے ہیں!

سحر نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ سبھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کیا پتہ؟ کوئی بہت

ہی اچھی بات بتا دے!

کیونکہ سب آ تو بیٹھے تھے پکنک منانے! مگر سمجھ کسی کی میں بھی کچھ نہیں آ رہا تھا۔ دائرے کی صورت میں بیٹھے ایک ایک کا منہ تک رہے تھے۔

لڑکیوں کے ساتھ پکنک منانے جو لڑکا آتا ہے وہ الٹا ہو کر ناچتا رہتا ہے اور لڑکیاں آرام سے بیٹھ کر چیزیں کھاتی رہتی ہیں۔ اور اس کا تماشا دیکھتی رہتی ہیں۔

مہر نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ بے اختیار سب کے قہقہے چھوٹ گئے۔ ممی تک ہنس ہنس کر دوھری ہونے لگیں۔

ایزد پہلے تو ایک دو لمحے آنکھیں جھپک جھپک کر سب کو دیکھتا رہا۔ پھر مہر کی طرف لپکا

وہ شاید پہلے سے ہی اس کی متوقع تھی۔ ایک جست میں اس سے کئی گز دور پہنچ چکی تھی۔ اور پھر ۔۔۔۔۔۔۔۔یوں پکنک شروع ہو گئی۔

آگے آگے مہر تھی اور پیچھے پیچھے ایزد۔ جانے لڑکی تھی یا چھلاوہ! سست رفتار ایزد بھی نہیں تھا۔ کالج کے زمانے میں اچھی بھلی، چھوٹی چھوٹی دوڑیں جیتا کرتا تھا۔

مگر اس کی پوری کوشش کے باوجود مہر ہاتھ نہ آ سکی۔ سحر اسے بک اپ کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ممی بھی شامل ہو گئیں۔

ایزد! اس طرف، وہ، اس درخت کے پیچھے!

اور مہر چھلاوہ ایک منٹ میں ادھر ہوتی تو دوسرے لمحے کسی اور درخت کے تنے کے پیچھے سے جا سر نکالتی۔

ہلکا پھلکا ہونے کی خاطر پہلے اس نے کوٹ اتار کر پھینکا۔ پھر ٹائی کھینچ کر پھولے سانسوں کو ہموار کیا۔ بوٹوں کے ساتھ وہ پوری تیزی سے بھاگ نہیں سکتا تھا۔

ایک ایک کر کے وہ بھی اتار پھینکے، پتلون کے پائنچے چڑھا لیے۔

مگر۔۔۔۔۔۔۔۔وہ پھر بھی ہاتھ نہ آئی۔

بھائی جان! اس درخت کے پیچھے

سحر نے نشان دہی کی

گیتی اب تک خاموش تھی مگر انتہائی دلچسپی سے یہ آنکھ مچولی کی سی دوڑ دیکھ رہی تھی۔ ممی نے بھی دبے دبے سے لہجے میں ایزدی کی رہنمائی کی۔

وہ ایزد ادھر دیکھو!

اور گیتی نے دیکھا، اسی درخت کے بھاری تنے کے پیچھے مہرو تھی۔ ایزد اس کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا اور وہ کھڑی گردن نکال کر دوسری سمت دیکھ رہی تھی۔ ساتھ ذرا سانس ہموار کر رہی تھی۔

یہ اسے علم ہی نہیں تھا کہ اس کے پیچھے صرف دو اڑھائی فٹ کے فاصلے پر ایزد پہنچ چکا تھا۔

مہرو! بھاگنا۔۔۔۔۔۔۔

گیتی کی چیخ نکل گئی۔ دوسرے لمحے مہرو غائب تھی

ایزد وہیں رک گیا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اب تو وہ مہر کو ضرور پکڑ لے گا۔ مگر عین وقت پر۔۔۔۔۔۔۔اس کی شکایت بھری نگاہ گیتی کی طرف اٹھ گئی۔

ہم نہیں کھیلتے! اچھا بھلا پکڑا جانے والا تھا مہر دین!

بڑبڑاتا ہوا ایزد واپس آ گیا اور پھر با قاعدہ گیتی سے الجھ پڑا۔۔۔۔۔۔۔

آپ نے کیوں اسے آواز دی تھی؟

کیسے نہ دیتی؟ وہ بے چاری اکیلی ایک طرف تھی اور آنٹی اور سحر دونوں آپ کی

طرف! چھوٹی سی تو ہے وہ!

گیتی براہ راست اس سے مخاطب ہوگئی۔ جوش میں پتہ ہی نہ چلا کہ وہ ایزد تھا اور وہ خود گیتی۔۔۔۔۔۔۔!

جتنی زمین کے اوپر ہے! اتنی اندر بھی ہے!

گیتی کی ہنسی چھوٹ گئی! ممی اور سحر بھی ہنسنے لگیں

چلو اب تم دونوں کیوں جھگڑنے لگے؟

ممی نے معاملہ رفع دفع کرانا چاہا

جھگڑوں نہیں تو اور کیا کروں؟

ایزد اسی تیزی سے بولا

اب ممی! مہر دین میری شکست کا مذاق اڑا اڑا کر میرا ناک میں دم کردے گا

۔۔۔۔۔۔۔

تو آپ نہیں اسے مہر دین کہہ کر چھیڑتے رہتے

گیتی بھی اسی کی سی تیزی سے بولی

برابر کی چوٹ تو اب ہوگی!

اس نے پوری طرح اپنی مہرو کی حمایت کی

بے چاری میری منی سی مہرو

تمہاری بے حد پیاری سہیلی کا عزیز ترین بھائی!

پاس سے سحر نے لقمہ دیا

ہاں تو جلدی سے ایزد بولا

لہٰذا اب اپنی سزا بھگتیے اور میری ساری چیزیں ڈھونڈ ڈھانڈ کر لائیے!

واہ! میں کیوں لاؤں؟

گیتی اسی طرح تنک کر بولی!

اس لیے کہ مہر دین کی اگر اتنی ہمدردی ہے تو اب اس کا کام بھی کیجئے

اس کا کام سو بار کر دوں۔ لیکن یہ اس کا کام کب ہے؟

وہ اس بھائی کی چھوٹی بہن جو ہے

ایزد نے سینے پر ہاتھ مارا

اور صاف ظاہر ہے کہ گیتی آپ کی بہن نہیں ہے

سحر شوخی سے بولی! رواداری میں گیتی کو احساس ہی نہ ہوا کہ وہ کیا کہہ گئی تھی؟

ہاں تو! ٹھیک ہے

پھر تم ان کی کیا ہو؟

جی! جی! وہ ۔۔۔۔۔۔

گیتی ہکلا ہکلا کر اور گھبرا گھبرا کر کبھی سحر کو اور کبھی ایزد کو تکنے لگی۔ دونوں ہی حرفوں کے بنے ہوئے تھے اور وہ بے چاری!

سحر ہنسے جا رہی تھی اور ایزد نگاہیں نیچی کیے زیر لب مسکرائے جا رہا تھا۔

کیوں دونوں مل کر بیچاری کے پیچھے پڑ گئے ہو؟

ممی چپ چاپ بیٹھیں ان کی لڑائی سن رہی تھیں۔ محظوظ بھی بہت ہو رہی تھیں۔

مگر جب گیتی کو شرمندہ ہوتے دیکھا تو جلدی سے اس کی طرفداری میں بول پڑیں۔

اچھی پکنک منا رہے ہو تم سب

اتنی اچھی ہو رہی تھی پکنک! یہ تو انہوں نے ساری گڑبڑ کر دی

ایزد نے پھر اسے ہی مورد الزام ٹھہرایا۔

تو اب پھر شروع ہو جایئے۔ مجھے یقین ہے قیامت تک آپ مہرو کو نہیں پکڑ سکیں گے۔

اس وقت گیتی بھی بے حد جھگڑالو ہوئی جا رہی تھی

ہاں گیتی آپا! انہیں بھیجئے! میں انتظار کر رہی ہوں

قریب ہی سے کسی درخت کے پیچھے سے مہر کی آواز آئی تو سبھی ہنس پڑے۔ الجھے الجھے موڈ یکدم بحال ہو گئے۔

توبہ بابا! توبہ! ہماری بالکل ہی توبہ!

ایزد نے کانوں کو ہاتھ لگایا

اتنی سی دوڑ میں ہم اتنی ساری چیزیں گم کر بیٹھے ہیں۔ باقی جو کچھ بچا ہے وہ بھی گنوا نہیں بیٹھنا۔ تم تو نجانے کیا ہو؟

ہار مانتے ہیں نا پھر!

مہر کی پھر وہیں سے صدا آئی

مانتے ہیں بھئی! چڑیلوں سے بھلا انسان جیت سکے ہیں کبھی!

چڑیلوں کے بھائی کیا ہوتے ہیں؟ سحر باجی!

مجھے نہیں پتہ!

جانے کیوں سحر یکدم ہی بور ہو گئی

آؤ گیتی! ان کی چیزیں تلاش کر کے لائیں

یہ خود کریں! مجھے تو کوئی ضرورت نہیں!

آؤ تو سہی

سحر نے خود اٹھتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا اور گیتی کو سحر کی خاطر اٹھنا پڑا

ان سے ذرا فاصلے پر پہنچیں تو گیتی ہولے سے بولی

یہ تمہارا کزن بڑا عجیب انسان ہے؟

عجیب نہیں! بڑا پیارا انسان ہے

گیتی ہنس پڑی

سچ مچ سحر! تم تو اس کے پیچھے بالکل ہی مری جا رہی ہو

پگلی! بہنوں کو بھائی اسی طرح پیارے ہوتے ہیں

سحر وہیں رک گئیں۔ گیتی کے عین سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی!

ویسے کھاؤ قسم! نہیں اچھی طبیعت کا؟

تو میں کب کہتی ہوں کہ بُرا ہے؟

گیتی نے نظریں چراتے ہوئے ہولے سے کہا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے پر عجیب سا رنگ دوڑ گیا۔ رخسار گرم ہو اٹھے!

اچھا بھی تو تم نے ایک بار نہیں کہا

خواہ مخواہ ہی کہے جاؤں

گیتی سرخو سرخ ہو کر ہنسنے لگی

اب ہرا یرے غیرے کو تو میں اچھا کہنے سے رہی

ٹھیک ہے جی!

سحر جیسے روٹھتے ہوئے بولی!

ہم تمہارے رفیقے کو بھی اچھا کہیں اور تم ہمارے اتنے اچھے بھائی کو بھی اچھا نہ کہو۔ بڑی کم ظرف ہو۔

گیتی کو سحر کے اس انداز نے بے اختیار ہنسا دیا۔

اگر تمہارا بھائی اور رفیقا ایک ہی درجے کے انسان ہیں؟ تو پھر میں بھی

خواہ مخواہ ہی!

سحرا یکدم تنک کر بولی

گیتی آپا میں بھی آگئی

مہران کے پیچھے بھاگی آرہی تھی

اتنی بھاگ دوڑ کی تھی! پل بھر کے لیے سانس تو لے لیتیں سحر کو اس کا آنا شاید نا گوار گزرا تھا۔کیسی مزے مزے کی باتیں دونوں سہیلیاں کررہی تھیں۔

وہ بھائی جان نے مجھے بھیجا ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ مل کران کی چیزیں تلاش کروں

ارے! ہم تو باتوں میں ہی لگی لگی اتنی دور آگئیں

سحر ہنس دی! پھر متلاشی نگاہیں ارد گرد دوڑانے لگی

یہاں کہاں باجی! اس طرف تو ہم آئے ہی نہیں تھے

مہر نے ان کی رہنمائی کی

بھائی جان کی چیزیں اس طرف ہوں گی۔میں وہ اس درخت کے پیچھے تھی۔مہر نے دور ایک بھاری تنے والے درخت کی طرف اشارہ کیا۔

اور وہاں بھائی جان تھے جب انہوں نے اپنا کوٹ اتار کر پھینکا تھا۔پھر وہاں مہر اشارے کر کر کے نشان دہی کر رہی تھی۔

انہوں نے جوتے پھینکے تھے۔آیئے! وہاں چلیں۔امید ہے سب کچھ مل جائے گا

ہاں! اتنے عرصے میں کوئی ادھر آیا بھی نہیں

گیتی نے مہر کی تائید کی

یقیناً ہر چیز اپنی جگہ پر مل جائے گی! آؤ ادھر چلیں

دونوں مہر کی رہنمائی میں اس طرف چل پڑیں

کافی لمبا چکر کاٹ کر ادھر پہنچیں۔ ساتھ ساتھ باتیں کیے جا رہی تھیں ہنس رہی تھیں، کھلکھلا رہی تھیں، مگر اپنا کام بھول چکی تھیں۔

اولڑکیو! ملی میری چیزیں؟

ایزد کی آواز ان کے کانوں میں پڑی تو انہیں اپنا بھولا ہوا مشن یاد آ گیا۔ جلدی جلدی بھاگ، بھاگ کر وہ ادھر، ادھر ڈھونڈنے لگیں۔

دیکھیں تو! خود کیسے آرام اور سکون سے ممی کے پاس لیٹے ان سے میٹھی میٹھی باتیں کر رہے ہیں

مہر نے جل کر ادھر دیکھا اور پھر گیتی اور سحر کی ہدایت کے مطابق مصروف ہو گئی یہ کوٹ تو مل گیا۔ سحر چلائی

ایک بوٹ بھی مل گیا سحر! گیتی نے اطلاع دی

اور مجھے صرف ایک جراب ملی ہے! دوسری نجانے کہاں ہے؟

مہر نے اپنی کارگزاری سنائی

دوسرا بوٹ بھی مل گیا

گیتی کے لہجے میں خوشی کا بھرپور تاثر تھا۔ جیسے وہ اپنا مشن مکمل کر بیٹھی تھی۔

ٹائی بھی مل گئی ہے!

گیتی کے سے لہجے میں سحر بھی بولی!

اولڑکیو! میں پوچھ رہا ہوں ملی میری چیزیں؟

اور سب کچھ مل گیا ہے بھائی جان! صرف ایک جراب نہیں مل رہی وہیں سے سحر نے بلند آواز میں بتایا۔ ایزد پھر اسی شان بے نیازی سے بولا۔

وہ بھی ڈھونڈو!

پہلے علیحدہ علیحدہ جگہوں پر تلاش کرتی رہی تھیں۔ اب تینوں مل کر بڑے خلوص

سے اس کی جراب ڈھونڈنے لگی۔

مگر وہ تو کہیں مل ہی نہیں رہی تھی۔

سحر کے بازو پر کوٹ اور ہاتھ میں ٹائی تھی۔گیتی دونوں جوتے اٹھائے تھی اور مہر صرف جراب ہی کو نچا نچا کر خوش ہو رہی تھی۔

یہاں کوئی اور آیا بھی نہیں پھر بھلا کہاں جا سکتی ہے؟

سحر نے حیرت کا اظہار کیا

چپہ چپہ ہم نے چھان مارا ہے

گیتی آپا! کہتے ہیں نا کہ بڑے باغوں میں درختوں پر ہوائی مخلوق بستی ہے؟ کہیں یہ ہوائی مخلوق کا کام نہ ہو

مہر نے اپنی دانست میں بڑے پتے کی بات کی

ہوائی مخلوق نے بھلا جراب کو کیا کرنا تھا؟

گیتی اور سحر دونوں ہنسنے لگیں مہر خفیف سی ہو کر رہ گئی

بھلا یہ کوئی تک تھا سب چیزیں اتار پھینکیں

گیتی بڑبڑائی!

اور مجھے پکڑ پھر بھی نہ سکے

مہر بڑے فخر سے بولی

لڑکیو! اب آ بھی جاؤ!

ممی کی آواز سے زیادہ ان کے ہاتھ کے اشارے سے پتہ چلا کہ وہ انہیں بلا رہی تھیں

مگر ممی! میری جراب تو ڈھونڈ لیں

ایک ذرا سی جراب کے لیے بیچاری لڑکیاں خراب ہوتی پھریں۔تم اور خرید لینا۔

ممی کے پکارنے پر وہ چلی آ رہی تھیں۔ایز دجلدی سے اٹھا اور التی پالتی مار کر بیٹھ

گیا۔

آپ کی ایک جراب بالکل نہیں ملی بھائی جان!

مہر وہیں سے چلائی

پھر جب تینوں قریب آ گئیں تو ایزد لا پرواہی سے بولا

مجھے کیا؟ اب تم تینوں چندہ کر کے مجھے نئی خرید کر دینا نا!

واہ ہماری غلطی سے تھوڑی گم ہوئی ہے

سحر چیخ کر بولی!

تو پھر گیتی بیگم لے کر دیں

میں کیوں؟

گیتی بھی سحر کے انداز میں بولی!

آپ ہی کی چھیتی کی وجہ سے گم ہوئی ہے۔ یہ جو اتنا تیزی سے بھاگتی تھی

ایزد سر کھجلاتے ہوئے بولا

پھر میں اور کیا کرتا؟

ارے! یہ کیا؟

جانے کیا ہوا؟ مہر چیخ مار کر ایزد پر جھپٹ پڑی

ذرا اپنا بایاں پاؤں نیچے سے نکالیں

کیوں؟ کیوں؟

مجھے لگا تھا آپ کے اس پاؤں میں جراب ہے؟

کب؟

ایزد کی آنکھوں میں شوخی بھرے ستارے ناچ رہے تھے۔ مگر ہونٹوں پر گھمبیری سنجیدگی تھی۔

دکھائیے تو سہی پاؤں؟

مہر اس کے اوپر چڑھی جا رہی تھی

ہاتھاپائی بالکل نہیں! ہاتھاپائی ممنوع ہے

ایزد اپنا دفاع کرتے ہوئے چلایا

بس پاؤں دکھا دیجیے! مان جاؤں گی

اچھا انسانوں کی طرح پیچھے ہٹ کر اپنا مطالبہ پیش کرو نا! یہ ایکدم گھیراؤ ٹکراؤ تم شروع کر دیتی ہو

مہر پرے ہٹ گئی

زبان پر اعتباد کرو! کہہ جو دیا کہ نہیں ہے!

سحر باجی ہے! گیتی آپا ہے! مجھے ان کا تھوڑا سا پاؤں نظر آ گیا تھا۔

مہر چلا چلا کر انہیں یقین دلانے لگی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ سحر اور گیتی کو اس کی طرف توجہ دینا ہی پڑی۔

تو ہمیں پریشان کر رہے تھے

اتنی دیر سے، اتنی مشکل خود پر سنجیدگی طاری کیے جا رہا تھا۔ اب ایک دم ہنسی چھوٹ گئی

یعنی کہ ہمیں الو بنایا۔ مہر بھی ہوشیار ہوئی

الو نہیں منی سی الن!

ایزد معصومیت سے سر کھجلانے لگا

اتنی دیر اس نے انہیں کھپایا تھا۔ سحر نے غصے میں کوٹ اور ٹائی اس کے اوپر پھینک دی۔ گیتی پاس ہی ابھی تک جوتے لیے کھڑی یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔

سحر کے دیکھا دیکھی کوٹ ہی کے اندر اس نے جوتے ایزد کی گود میں پھینک دیئے۔ ممی کا ہنس ہنس کر برا حال ہونے لگا

انہوں نے ہمیں پورا آدھا گھنٹہ پریشان کیا ہے

سحر بیٹھ کر ہانپنے لگی

میں نے کہا تھا ذرا تم دونوں کی بھی پکنک ہو جائے

ایزد اسی طرح معصوم بنا سر کو کھجلاتے ہوئے بڑبڑایا

میری اور مہر دین کی تو ہو گئی تھی

اب ان کی سزا یہ ہے کہ جو شامی کباب گیتی بنا کر لائی ہے وہ انہیں بالکل نہیں ملیں گے

سحر نے خود ہی جج بن کر ایزد کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا

ہاں! ہاں

گیتی اور مہر نے بڑے جوش اور خلوص سے بیک زبان اس کی ہاں میں ہاں ملائی

کیا؟ شامی کباب۔۔۔۔۔۔۔ ہیں؟

ایزد بڑے زور سے چونکا۔ سحر نے بھاگ کر گیتی کی ٹوکری کو قبضہ میں کر لیا۔ اور تینوں لڑکیاں فاتحانہ اس کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگیں۔ ممی بھی ہنس رہی تھیں۔

سحر ایزد کو چھیڑنے اور تنگ کرنے کے انداز میں انگوٹھا دکھا کر شامی کباب نکالنے لگی

ارے!

کلمہ حیرت کے ساتھ اس کا خالی ہاتھ باہر آیا تو گیتی لپک کر اس کے پاس چلی گئی

اس میں ڈبہ نہیں ہے؟

کوئی بھی نہیں

ممی مسلسل ہنسے جا رہی تھیں اور ایزد نگاہیں زمین پر گاڑے بیٹھا تھا۔

یہ ضرور ان کی شرارت ہے

مہر نے قریب آ کر ایزد کے کندھے جھنجھوڑ ڈالے

وہ شامی کبابوں والا ڈبہ کہاں ہے؟

مجھے کیا معلوم؟

ایزد معصومیت سے بولا

شامی کباب ساتھ لائی بھی تھیں؟

ہاں! گیتی آپا نے خود بنائے تھے

مہر بالکل رونے والی ہو رہی تھی

ان کے بنائے ہوئے اتنے مزیدار ہوتے ہیں

تب بنا بنا کر خود ہی کھا گئی ہوں گی اور آ کر تم پر احسان جتا دیا مفت و مفت

ہائے نہیں! میں تم سچ مچ لائی تھی

گیتی بھرائی ہوئی آواز میں بولی

سحر اور مہر دین! تم میں سے کسی نے اپنی گناہگار آنکھوں سے دیکھے تھے؟

نہیں دونوں بیک زبان بولیں

بس پھر، معاملہ صاف ہو گیا

کیا مطلب؟

گیتی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے تلخی سے بولی

ایزد نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔ زیر لب مسکرایا اور پھر دھیرے سے کہنے لگا۔

آپ لائی ہی نہیں اور سوچا کہ مفت کی پکنک کر لینا اچھی حرکت نہیں چنانچہ جھوٹ موٹ کا ان بے چاریوں پر احسان دھر دیا کہ ان کے لئے شامی کباب بنا کر لائی ہیں

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

گیتی کی آنکھوں میں یہ بڑے بڑے موتی چمکنے لگے۔ بے بسی سے کبھی سحر کی طرف دیکھ رہی تھی اور کبھی مہر اور کبھی سر جھکائے بیٹھے ایزد کی طرف

گیتی کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔

سحر کو اس کی حالت دیکھ کر ترس آ گیا۔ یوں بھی یہ سچی بات تھی۔ اسے اتنا بڑا جھوٹ بولنے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ ان میں ایسا کوئی تکلف تو تھا نہیں کہ علیحدہ علیحدہ اپنے حصے کی چیزیں بنا کر لاتیں۔ وہ تو صرف محبت کے مارے بنا لائی تھی۔

یہ ممی ہنس رہی ہیں۔ انہیں ضرور پتہ ہوگا

مہر نے ہنس ہنس کر بے حال ہوتیں ممی کی طرف گیتی اور سحر کی توجہ دلائی۔

ممی! آپ کو خدا کی قسم! بتا دیجئے!

سحر منت کرنے لگی۔ بھوک نے معدے میں فتور مچا رکھا تھا

ممی! آپ بے حد اچھی ہیں

ایزد خوشامدانہ ممی کی طرف دیکھنے لگا

بتا دیجئے انہیں اصلی بات

ساتھ آنکھوں کو جانے کس کس انداز میں گھمایا کیا کیا سمجھانا چاہتا تھا۔ مگر ممی سمجھ نہ سکیں

تو اصلی بات بتا دوں

بالکل بالکل!

ایزد نے پورے اعتماد سے اجازت دے دی۔ اسے یقین تھا کہ ممی کوئی نہ کوئی بات بنا لیں گی

بتا دیجئے آنٹی

ایزد کے پیٹ میں؟

کیا؟ تینوں لڑکیاں حیرت سے چلا پڑیں

اوہ! ایزد نے یکدم سر تھام لیا

میں نے یہ اصلی بات بتانے کو کب کہا تھا ممی؟

اتنے سارے سبھی کھا گئے؟

گیتی سب سے زیادہ حیران تھی۔ اصلی تعداد کا اسے ہی علم تھا۔ کچھ زبردستی مجھے بھی کھلا دیئے تھے

پھر بھی؟

گیتی اسی حیرت کے عالم میں ڈوبی رہی۔ وہ دونوں ہی خوب کھا لیتے وہ پھر بھی زیادہ تھے۔

کچھ بچے تھے ممی کی بجائے ایزد نے جواب دیا

کہاں ہیں وہ؟

سحر اور مہر دونوں ہی بے تابی سے پوچھنے لگیں

وہ کوے مانگ کر لے گئے ایزد معصوم بن کر بولا

ممی اسی طرح ہنسے جا رہی تھیں۔ سحر سر پکڑ کر بیٹھ گئی

کتنے برے ہیں آپ ایزد بھائی

انہیں شامی کباب چکھنے کا بہت شوق تھا اور ان کی کویوں کو بنانا نہیں آتے تھے مجھے ترس آ گیا۔

گیتی کی ہنسی بالکل چھوٹنے والی تھی مگر سحر کا غصے میں بگڑا چہرہ دیکھ کر بڑی مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا

ظالم!

سحر بڑبڑائی۔ اتنی بھوک لگی تھی، اتنے مزے دار، گیتی کے ہاتھ کے بنے ہوئے شامی کباب تھے۔ خود کھا لیے۔ ممی کو کھلا دیئے۔ باقی ہی رکھ چھوڑتے ایک آدھ آدھ ہی ان کے حصے میں آ جاتا۔

ظالم میں نہیں! یہ ہیں

ایزد نے پھر گیتی کو قصوروار ٹھہرایا

کیوں؟ اس نے آپ پر کیا ظلم توڑا ہے؟

تو انہوں نے مہر دین کو پکڑا یا کیوں نہیں

اچھا! تو یہ بات کا بدلہ لیا گیا ہے۔ٹھیک ہے! ایسے تو ایسے ہی سہی

سحر کچھ فیصلہ کر کے اٹھی۔لپک کر اس نے دوسری ٹوکری اٹھالی۔اور ایزد اور ممی سے کافی دور جا کر بیٹھ گئی۔گیتی اور مہر کو بھی بلا لیا۔

کیا ہے؟ کیا ہے؟

ایزد کا تجسس بے تاب ہو ہو کر پوچھنے لگا۔اس ٹوکری کی طرف تو اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔کیسی غلطی ہو گئی!

اب آپ کیوں پوچھ رہے ہوں؟

مہر نے تنک کر ایزد کو انگوٹھا دکھایا اور بھاگ کر سحر کے پاس چلی گئی

مہر دین! جانتے ہو انگریزوں میں انگوٹھا دکھانے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایزد ٹہلتا ہوا ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔کیا ہوتا ہے؟ مہر دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

جب کسی کو انگوٹھا دکھا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے وش یو گڈ لک! ایزد بڑا سنجیدہ تھا۔بے حد معصوم اور صلح پسند بنا کھڑا تھا۔

سحر سر جھکائے ٹوکری میں سے کچھ نکالنے میں مصروف تھی جو ابھی نکل نہیں سکا تھا۔گیتی بھی ساتھ ہی اپنا سر اس کے اندر گھسیڑ گھسیڑ کر دیکھ رہی تھی کہ کیا نکلنے والا تھا !

یعنی کہ مجھے خوش قسمتی کی دعا تم نے دی ہے

ایزد بات ختم کرتے ہی عقاب کی طرح جھپٹا اور سحر اور گیتی دونوں کو کچھ پتہ ہی نہ چلا کیا کہا ہوا۔

کسی بے بہا خزانے کی طرح ٹوکری ایزد کے بازوؤں میں دبی تھی اور وہ بھاگ رہا تھا۔

سحر چیخنے لگی۔ ساتھ ہی گیتی بھی ہاؤ ہو مچانے لگی۔

ایزد بیٹے! اب یہ دے دو! بچیاں بے چاری بھوکی رہ جائیں گی

مگر ایزد نے سنا ہی نہیں۔ ٹوکری سینے کے ساتھ بھینچے ممی کے اردگرد ہی چکر کاٹنے لگا سحر اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

ایزد بھائی اگر یوں کریں گے تو آئندہ کبھی آپ کو ساتھ نہیں لایا کریں گے۔ سحر سرخ چہرہ لیے بھاگ رہی تھی۔ اور دہائی مچا رہی تھی۔

گیتی ہکا بکا کھڑی تھی۔ بظاہر یہ شخص کیسا سیدھا سادا اور شریف سا لگتا تھا۔ مگر! مگر ہائے اللہ! مہرو تم ہی انہیں پکڑو۔ سحر بے چاری تو مرتے دم تک نہیں پکڑ سکے گی۔ جانتی تھی کہ سحر ہمیشہ سے ست الوجود تھی۔ بھاگ دوڑ سے وہ دور ہی رہتی تھی اسے تو بس نئے نئے فیشن کرنا، یونیورسٹی میں جا کر لڑکیوں اور لڑکوں سے دوستیاں لگانا، گھر آ کر قالین پر الٹے الٹے دراز ہو کر کچھ گنگناتے رہنا یا گپیں مارتے رہنا۔

بس یہ چند شوق تھے اس کے وہ تو قیامت تک ایزد کو نہیں پکڑ سکتی تھی۔ دو چکر لگانے کے بعد ہی اس کا سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا تھا۔

مہرو نے گیتی کی بات سنی تو اسے بھی احساس ہوا کہ سحر اکیلی ہی ان کے بھی دانہ پانی کا فکر کر رہی تھی۔ اسے بڑی بہن کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔

اور پھر بجلی کے کوندے کی طرح وہ لپکی اور دوسرے ہی منٹ ایزد کے بنائے ہوئے دائرے کو درمیان میں کاٹ کر آگے سے اسے جا لیا۔

چھوڑو! مہر دین چھوڑ دو! دیکھیں تو سہی سحر مجھے پکڑ بھی سکتی ہے یا نہیں؟

واہ! کیوں چھوڑ دوں

وہ گھسٹتی ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ مگر اس نے ایزد کو چھوڑا نہیں۔ اس سے لپٹی ہی رہی۔

اتنی بھوک لگی ہوئی ہے اور آپ ہمیں تنگ کر رہے ہیں

اور اتنی دیر میں سحر بھی ہانپتی کانپتی ان تک پہنچ چکی تھی۔

دیکھو سحر!

ایزد نے اب اپنے بچاؤ کی صورت کہیں نہ دیکھی تو جھٹ پٹ مصالحانہ انداز میں کہنے لگا۔

وعدہ کرو

میں بالکل کوئی وعدہ ووعدہ نہیں کروں گی

بے شک مہر کی مدد سے ہی۔ مگر سحر فتح تو حاصل کر ہی چکی تھی۔ اب دبتی کیوں؟ اب مصالحت کیسی؟ چیخ کر ایزد کی بات کاٹ دی۔

ہاں سحر! اب ان کی باتوں میں بالکل نہ آنا

گیتی نے گویا اسے پکا کیا۔ پھر مسکراتے ہوئے اور آنکھوں میں شوخی بھرے ستارے نچاتے ہوئے ہولے سے بولی

یہ بالکل تمہاری پڑوسن مسز زرینہ ناظم جیسے ہیں

اپنی ایسی ہی الٹی سلٹی پالیسیوں کی وجہ سے زرینہ ناظم پورے محلّہ میں بدنام تھیں اور خصوصاً حافظ متین کے گھر میں تو ان کا نام ایک محاورے کی صورت اختیار کر چکا تھا اکثر ان کا تذکرہ رہتا اور مثال دی جاتی۔

ایزد بھی اس سے اچھی طرح واقف تھا اور گیتی نے اسے اس کے ساتھ تشبیہ دی تھی۔ یہ تو بہت سخت بڑا ماننے کا مقام تھا۔

دیکھئے گیتی بیگم! آپ میں اور مجھ میں ابھی اتنی بے تکلفی نہیں کہ گالیاں دینے لگیں۔ ایزد نے یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا

گیتی ٹھیک ہی تو کہتی ہے سحر نے اس کی تائید کی

غصے سے ٹوکری سحر کو تھماتے ہوئے ایزد خود روٹھ کر چپکے سے ممی کے پاس جا بیٹھا۔

کیا ہوا؟ ممی اس کا سوجا پھولا ہوا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگیں

یہ آپ کی لاڈلیاں مجھے بہت بری بری باتیں کہتی ہیں

کیا کہا ہے اسے لڑکیو؟

کچھ بھی نہیں! مہر زور سے ہنس دی

صرت گیتی آپا نے ان کا نام زرینہ ناظم رکھا ہے

ممی بجائے انہیں منع کرنے کے خود بھی ہنسنے لگیں

ویسے سحر! ذرا غور سے دیکھو، ان کا ناک نقشہ کتنا زرینہ ناظم سے ملتا ہے۔ گیتی نے ہنستے ہوئے سحر سے سرگوشی کی۔

سن رہا ہوں محترمہ! ایز د چمک اٹھا

آپ نے آئینے میں کبھی اپنی شکل دیکھی ہے؟

ویسے بھائی جان! زرینہ بدصورت تو نہیں۔ خاصی خوب صورت عورت ہے

مہر پیچھے کیوں رہتی۔ اس نے بھی ہنس کر لقمہ لگایا

تو پھر مہر دین! خوبصورت عورت کا خوبصورت نام تم لے لو!

واہ میں کیوں لوں؟ گیتی آپا نے اتنی محبت سے آپ کا رکھا ہے۔

محبت کے لفظ سے محظوظ ہوتے ہوئے، مسکراتے ہوئے سحر نے گیتی کو ٹھوکا دیا۔

چپ پاگل! گیتی نے سرخ ہوتے ہوئے مہر و کو کہنی ماری

کیا اول فول منہ سے نکالے چلی جا رہی تھی۔ بیوقوف لڑکی!

گیتی خفیف سی ہو گئی تھی۔ سحر معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی اور مہر کچھ نہ سمجھتے ہوئے ایک ایک کو ہونقوں کی طرح دیکھ رہی تھی۔

ایز د بھی خاموش ہو گیا

چلو اچھا ہوا۔ لڑائی تو ختم ہو گئی، سحر نے مسکراتے ہوئے سوچا اور ٹوکری میں سے کھانے کی چیزیں نکالنے لگی۔

ایزد بظاہر لا تعلق تھا۔ مگر پرے بیٹھا آنکھوں کے گوشوں سے ٹوکری میں سے نکلنے والی ہر چیز ہی کو دیکھے جا رہا تھا۔

بے شمار چیزیں تھیں۔ نان اور مچھلی کے علاوہ انڈے کے سینڈوچ تھے کیلے تھے، کینو تھے، سیب تھے اور۔۔۔۔۔۔ ایزد سوچنے لگا۔

شرارت، شرارت میں شامی کباب ڈھیر سارے کھا لئے تھے طبیعت بڑی بوجھل سی ہو رہی تھی۔ ایک دو کینو ہاتھ آ جاتے تو ہاضمہ درست ہو جاتا اور کسی چیز سے اس وقت اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

پھر؟ کیا کرے؟ وہ تو اب اسے دیں گی نہیں

اسی سوچ میں کھوئے کھوئے اس نے پھر نگاہ اٹھائی

اوئے ہوئے! سحر کی بچی! تو نے تو بے موت مار ڈالا

ایزد منہ میں بھر آیا ہوا پانی نگلنے لگا۔ پیلی پیلی، سرخ سرخ، رس بھریاں شامی کبابوں ہی کی طرح اس کی کمزوری تھیں۔

دو منٹ گزرے، تین منٹ گزرے، وہ تینوں اب سر جوڑے بیٹھیں نان اور مچھلی کھا رہی تھیں۔

ممی کو زبردستی ایزد نے کباب کھلا دیئے تھے اس لیے اب خود ہی انہوں نے کچھ اور کھانے سے انکار کر دیا تھا اور ایزد کو انہوں نے جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا۔ بھلا پوچھتی بھی کیوں؟

ویسے اسے ضرورت بھی نہ تھی۔ شامی کباب مل جائیں تو پھر اسے کسی اعلٰے سے اعلٰے نعمت کی طرف نگاہ اٹھانے کی بھی حسرت نہیں رہتی تھی۔ شامی کباب تھے بھی تو بڑے لذیذ

بالکل ایسے، جیسے سیٹھ امان کے گھر بنتے تھے۔ اس معاملے میں ان کے خانساماں کا جواب نہ تھا۔

سیٹھ اماں نے بھی بڑے ہی عیش کرائے ہیں۔ خدا انہیں اس کا اجر دے۔

ایز دنے جی ہی جی میں انہیں دعا دی۔ اور دوبارہ پھر سوچوں میں کھونے ہی لگا تھا کہ نگاہ پھر رس بھریوں اور کنوؤں پر جا پڑی۔

رس بھریاں دیکھ کر اسے نہ اب کنوؤں کی اور نہ ہاضمے کی پرواہ رہی تھی مزید خراب ہونا تھا تو ہو جائے۔

مگر۔۔۔۔۔۔۔ یہ رس بھریاں! ہائے کیسا اس کے صبر کو آزما رہی تھیں۔ وہ للچائی ہوئی نگاہوں سے ایک ٹک نہیں دیکھے جا رہا تھا۔

لڑکیوں سے مانگتا تو انہوں نے ایک بھی رس بھری نہیں دینا تھی۔ اور اب خود اس کا ہی صبر بے صبر ہوا جا رہا تھا۔

تب اس نے دل میں چوری کرنے کا ارادہ کر لیا۔

وہ ہنوز اسی طرح سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ اس طرح کہ ارد گرد کا کوئی ہوش نہ تھا۔

ممی اپنے شغل میں مشغول تھیں۔ ناول پڑھنا ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور وہ پکنک پر بھی ایک عدد ناول ساتھ لے آئی ہوئی تھیں

بچے ہنس کھیل رہے تھے، کھا پی رہے تھے، انہوں نے ناول نکال کر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے خیال میں یہ بھی اچھی خاصی پکنک تھی کہ شالیمار کی کھلی فضا میں بیٹھ کر ناول پڑھا جائے۔

ارد گرد سے مطمئن ہو کر کہ اس کی کسی حرکت کو کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ایز دنے رس بھریاں چوری کرنے کا جو طریقہ ذہن ہی ذہن میں مرتب کر رکھا تھا اس پر عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ ان سے اتنے فاصلے پر تھا کہ وہیں بیٹھے اگر دائیں سمت سر کر کے دراز ہو جاتا تو اس کا سر رس بھریوں سے صرف ایک ڈیڑھ فٹ دور رہ جانا تھا۔ اور اتنے، بلکہ اس سے زیادہ اس کے بازو لمبے تھے با آسانی ہاتھ وہاں پہنچ سکتے تھے۔

ہمیں تو نیند آنا شروع ہو گئی

جمائی لیتے ہوئے ایز دانتی بلند آواز میں بڑبڑایا کہ تینوں لڑکیاں بھی سن لیں۔

اور وہی ہوا۔ لڑکیوں نے سنا۔ ان کی کھسر پھسر تیز ہو گئی۔ ہنسی بھی زیادہ ہو گئی۔

ایز د اطمینان سے لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر کے، بازوؤں کو سر کے ارد گرد سے اوپر پھیلایا۔

اوئے ہوئے! اک مسرت بھری لہر اس کے سارے وجود میں دوڑ گئی۔ رس بھریاں اس کے ہاتھوں سے مس ہو رہی تھیں۔ کیسا خوشگوار لطف اندوز اور لذت بخش ان کا لمس تھا۔

اس نے چپکے سے بے احتیاط سے پانچ سات رس بھریاں مٹھی میں دبا لیں۔ پھر مکھی اڑانے کے بہانے وہ ہاتھ ہلا کر نیچے کھینچ لیا۔

پھر دوسرے میں بھی اسی طرح رس بھریاں بھر لیں اور وہ ہاتھ دوسری مکھی اڑانے کے لیے ہلایا۔

یہ کم بخت مکھیاں، سونے بھی نہیں دیتیں

اس بار پھر بڑبڑاہٹ خاصی بلند تھی۔ ساتھ اس نے پہلو بدلا۔ لڑکیاں پھر کھی کھی کھی کرنے لگیں۔

اپنے ہی جسم کی اوٹ میں ہاتھ کر کے ایزد نے ان رس بھریوں کے جلدی جلدی چھلکے اتار ڈالے۔ کچھ احتیاط کی تھی۔ کچھ چھلکے اتارنے کی آہٹ ان کی ہنسی کی آواز میں دب گئی۔

مکھیاں اڑانے کا بہانہ اچھا ہاتھ آیا تھا۔ وہی اڑاتے اڑاتے چپکے سے دو تین منہ میں رکھ لیں اور باقی جیب میں اور چھلکے سمیٹ کر مٹھی میں دباتے ہوئے بازو پھر سر کے اوپر پھیلا لیے۔

اور پھر چند لمحوں بعد ان چھلکوں کی بجائے اس کی دونوں مٹھیوں میں پھولی پھولی

رس بھریاں تھیں۔اس نے چھلکوں کے ساتھ رس بھریاں بدل لی تھیں۔

لڑکیاں کھا کم رہی تھیں باتیں زیادہ کر رہی تھیں۔اور ادھر رس بھریوں کا صفایا ہوتا جا رہا تھا۔

ایک تو یہ نجانے مچھلی کیسی ہے؟ نرے کانٹے ہی کانٹے

مہر کی جھنجھلاہٹ بھری بڑبڑاہٹ نے ایزد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

چپ انہیں پتہ نہ چلے ورنہ سارے شامی کباب چٹ کر جانے والی اپنی حرکت پر اور بھی خوش ہوں گے کہ مزے میں رہے۔

گیتی نے ہولے سے مہر کو سمجھایا۔ایزد کو تینوں نے شاید سویا ہوا سمجھ لیا تھا۔

وہ مسکرائے جا رہا تھا اور چیونٹی کی چال کی طرح چپکے چپکے اور ہولے ہولے اپنے کام میں مصروف تھا۔

بھئی میں تو تنگ آ گئی ہوں اس مصیبت سے

اب سحر جھنجھلائی!

کس نے خریدی تھی؟

گیتی ہولے سے پوچھ رہی تھی

تم نے خود مہر یا انہوں نے

دکاندار نے خود ہی دیدی تھی۔پیسے بھائی جان نے دیئے تھے۔اور تم ساتھ کس لیے گئی تھیں؟

[illegible]

سچی باجی! دیکھنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ میرا دل چاہتا ہے میں بھی ایسے ہی کسی سیخ پر قیمہ چڑھاؤں

تیری پھر کسی سیخ کباب بنانے والے کے ساتھ ہی شادی کر دیں گے۔ ساری عمر بیٹھ کر بناتی رہنا۔

سحر جل کر بولی۔ گیتی ہنسے جا رہی تھی

اوں اوں! شرم تو نہیں آتی آپ کو

مہر شادی کے نام پر شرمائی

سچ مہرو! پھر ہمیں بھی کھلایا کرو گی؟

گیتی اسے چھیڑنے لگی تو مہر کو بھی ہنسی آ گئی

آپ ہمیں شامی کباب کھلایا کریں گی تو ہم بھی آپ کو سیخ کباب کھلا دیں گے۔

ہم سے کیا مطلب

سحر نے مہر کا بولا ہوا ہم پکڑ لیا۔

وہ۔۔۔۔۔۔۔ وہ تو

اور جب مہر کو احساس ہوا تو مزید شرماتے اور سرخ سرخ ہوتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی

وہ تو میرے منہ سے نکل گیا تھا

اچھا اب جا کہاں رہی ہو؟

گیتی نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر اسے بٹھا لیا

اچھا وعدہ رہا میں شامی کباب۔۔۔۔۔۔

ارے! شامی کباب سے سحر کو ایزد کا خیال آ گیا۔ گیتی کی بات قطع کر کے جلدی سے بولی

انہیں بھی رس بھریاں بڑی پسند ہیں۔ آؤ ان کے سامنے بیٹھ کر انہیں چڑا چڑا کے

کھائیں

ہاں! ہاں!

گیتی اور مہر نے بڑے خلوص سے اس کی ہاں میں ہاں ملائی

وہ کانٹوں والی مچھلی وہیں چھوڑ چھاڑ سحر اور گیتی پھلوں کی طرف متوجہ ہو گئیں اور مہر جلدی سے اٹھ کر ایزد کو جھنجھوڑنے لگی۔

جاگ کر اپنی آنکھوں سے اپنے اوپر ظلم ہوتا دیکھیں تو تب انہیں مزہ آئے گا ان تینوں کو تنگ کرنے کا۔

اٹھیے! بہت سو لیا

ایزد جمائی اور انگڑائی لیتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا

ہائیں! سحر کی چیخ بھری صدا گونجی

کیا ہوا؟

گیتی بکھرے ہوئے نلو اکٹھے کرتے کرتے واپس انہیں پھینک کر سحر کی طرف مڑی

دیکھو تو! یہ تو سب چھلکے ہی چھلکے ہیں

مہر پھر لپکی اور ایک ایک رس بھری کے چھلکے کو اٹھا اٹھا کر کھول کھول کر اندر جھانکنے لگی

سچ مچ گیتی آپا!

جانے کیوں؟ گیتی کی نگاہ ایزد کی طرف اٹھ گئی

ہاں ہاں! کہہ دیجیے یہ بھی ایزد نے کھائی ہیں

گیتی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ایزد تندی سے بول پڑا

آپ ہیں بھی تو بڑے چالاک

سحر بالکل رونے والی ہو رہی تھی

ممی!

جی بیٹے! نگاہیں کتاب پر ہی گاڑے ممی نے جواب دیا

یہ رس بھریاں؟

مجھے نہیں کھانی! تم لوگ کھاؤ بچوں کے شوق کی چیز ہوتی ہے لیکن ممی! میں آپ کو کھانے کے لیے کب کہہ رہی ہوں۔ ادھر تو دیکھئے سب چھلکے ہی چھلکے

کیا؟ ان کے چہرے کے آگے سے کتاب ہٹی

میں نے خود اچھی طرح دیکھ کر خریدی تھیں، سب ٹھیک تھیں

ممی حیرت سے چلا پڑیں۔ پھر کچھ خیال آتے ہی جھٹ ایزد کو کان پکڑ لیا۔

تمہاری شرارت ہے نا

کب ممی؟ آپ نے مجھے کھاتے دیکھا ہے؟

لیکن پھر یہ چھلکے کس طرح رہ گئے؟

ممی نے اس کا کان چھوڑ دیا

میرا خیال ہے ممی! ٹوکری کے اندر بند رہنے کی وجہ سے رس بھریوں کو گرمی لگی ہو گی اپنے اپنے فراک اتار کر سب حوض میں نہانے چلی گئی ہیں۔

سحر نے کوشش کر کے اپنی ہنسی کو ضبط کر لیا۔ لہٰذا اس کے ہونٹوں پر صرف ہلکے سے تبسم کی ایک لہر تھی۔ گیتی باقاعدہ ہنس رہی تھی اور ممی اور مہر کھل کر قہقہے لگا رہی تھیں

بے حد شریر ہو تم ایزد

ممی نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے نگاہیں پھر کتاب پر گاڑ دیں

آؤ وہاں چل کر انہیں تلاش کریں

ایزد بالکل سنجیدہ تھا۔ اٹھتے اٹھتے کچھ چھلکے خود اٹھا لیے اور باقی کی طرف مہر کو اشارہ کیا

یہ تم اٹھا لو

اب ہم انہیں کیا کریں؟

بھئی وہاں حوض کے کنارے لے چلتے ہیں نا نہا کر ڈھونڈتی نہ رہیں کنارے پر ہی انہیں ان کے لباس مل جائیں

آپ بڑے خراب ہیں بھائی جان

سحر نے ہاتھ مار کر سارے چھلکے گرا دیئے

کیسے مذاق میں بات ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔بس ہماری! آئندہ ہم آپ کو کبھی کہیں ساتھ نہیں لے جایا کریں گی

ارے ارے! تم تو سچ مچ خفا ہوئی جا رہی ہو!

ایزد سحر کے پاس آ کر اسے منانے کی کوشش کرنے لگا

اچانک ہی ایک خوانچے والے سے مل گئی تھیں۔بس اتنی تھوڑی سی ہی تھیں

سحر بھرائی ہوئی آواز میں بولی

اور گیتی کو بڑی اچھی لگتی تھیں۔میں نے یہ سوچا تھا کہ یہ مجھے شامی کباب کھلایا کرتی ہے میں اسے رس بھریاں دوں گی تو خوش ہو گی

اوہو! تو پہلے بتانا تھا نا۔میں ان میں سے کچھ رکھ لیتا

اچانک ہی ایزد کے منہ سے نکل گیا

مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ آپ کی شرارت ہے

سحر ایک دم بھڑکی

لیکن باجی! ان کے ہاتھ آئیں کیسے؟ وہ تو آپ کے پاس پڑی تھیں اور

_______اور_______

بات کرتے کرتے مہر رک گئی

پاس ہی یہ سو رہے تھے

مہر نے جیسے سراغ لگا لیا

مگر اصل میں یہ سو نہیں رہے تھے یہ کام کر رہے تھے

کب؟ میں تو مکھیاں اڑا رہا تھا

ایزد ہنس پڑا

ہاں! مکھیاں اڑا رہے تھے۔

سحر نے منہ بگاڑ کر نقل اتاری

واہ بھئی واہ! تم لڑکیاں خوب پکنک منا رہی ہو

ایزد نے مسکراتے ہوئے اس موضوع کو بدلنے کی کوشش کی

آؤ کوئی اچھا سا کھیل کھیلیں

خاک کھیل کھیلیں۔آپ نے تو بالکل ہی ہماری پکنک کا ستیاناس کر دیا سحر کو اپنی رس بھریاں بھول ہی نہیں رہی تھیں۔

چلو میری رانی بہن!

ایزد نے بڑے دلار سے سحر کو بازو کی لپیٹ میں لے لیا

کل سارا شہر پھر کر تمہارے لیے رس بھریاں ڈھونڈ لاؤں گا

کس پیار اور خلوص سے کہہ رہا تھا۔سحر کا،ایک بہن کا دل فوراً من گیا۔

پکا وعدہ ہے نا!

ایزد کے چہرے کو بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے مسکرائی

اس کی خوب صورت آنکھوں میں شوخی بھرے ستارے ناچتے کتنے اچھے لگ رہے تھے۔وہ دیکھے ہی گئی۔

ہاں بالکل! بلکہ تمہیں دفن کر دونگا رس بھریوں میں اتنی لاؤں گا ایزد نے سحر کا سر تھپتھپایا

بھائی جان! آپ کو بیلے ڈانس آتا ہے؟

مہر ایزد کے کندھے پر جھکی پوچھ رہی تھی

بیلے؟

ایزد نے حیرت سے اسے دیکھا۔ یہ منی سی پاکستان لڑکی اور بیلے ڈانس؟

بتائیے نا؟

وہ اس کے کندھے کے ساتھ جھول کر بولی

تمہیں آتا ہے؟

الٹا ایزد نے اسے سوال کردیا

ہاں! بڑی اچھی طرح

مہر کی بجائے پاس سے ممی فخریہ بولیں

اس نے سکول میں سیکھا ہے!

تو تمہارے سکول میں پڑھائی کی بجائے یہ رقص وقص سکھائے جاتے ہیں ایزد نے تیکھی نگاہ سے مہر کو دیکھا اس کی زبان پر بھی تیکھا پن تھا۔

وہ۔۔۔۔۔۔۔وہ مہر ہکلانے لگی

آج تک وہ نہ کبھی ڈیڈی سے خائف ہوئی تھی نہ ممی سے اور نہ سحر سے مگر یہ ایزد! یہ بھائی قسم کے لوگ جانے کیسے ہوتے ہیں؟ آپ ہی آپ ان کا رعب من پر طاری ہونے لگتا ہے۔ جانے کیوں؟

مہر کو کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا، گھبرائی جا رہی تھی۔

سکول کے ایک ڈرامے کے لیے سیکھا تھا

سحر نے اس کی طرف سے جواب دیا۔ اور ساتھ ہی گویا کچھ صفائی بھی پیش کرنے کی کوشش کی۔ بیچاری ننھی سی لڑکی کیسے سہمے جا رہی تھی۔ گھر والوں کی مرضی

چیزیں کھا کر، کچھ برباد کر کے تنگ کر رہا تھا اور اب یوں ۔۔۔۔۔۔

وہ کسی اور وقت بھی اسے سمجھا سکتا تھا۔ایک یہی وقت تو نہیں رہ گیا تھا۔

تب وہ یکدم مسکرا پڑا

ہاں مہر دین پھر؟ تم بیلے کا کیوں پوچھ رہی تھیں؟

بس ایسے ہی

وہ سہمی سہمی سی ہولے سے بولی

بس ایسے ہی!

ایزد نے اس کی نقل اتاری

موڈ درست کر کے سیدھی طرح بات کرو۔کیوں پوچھا تھا؟

اب وہ رعب دار آواز میں بولا

اس لیے کہ میں اور آپ مل کر کریں

ناخنوں کو کریدتے ہوئے بہت جھجک جھجک کر اور دھیمی سی آواز میں وہ پوچھ رہی تھی۔

یوں پکنک میں اور اپنے بھائی کے ساتھ ڈانس کرنے میں تو کوئی حرج نہیں نا!

ایزد ہنس دیا

ہاں! اپنے بھائی جان کے ساتھ کوئی حرج نہیں۔مگر وہ بھی بس منی منی سی لڑکیاں کر سکتی ہیں۔بڑی بڑی لڑکیوں کو ہمارا مذہب اجازت نہیں دیتا۔

مہر ایک دم خوش ہو گئی

یعنی کہ پھر میں تو آپ کے ساتھ کر سکتی ہوں مگر سحر باجی اور گیتی آپا نہیں۔مہر کی اس بات پر سحر ہنسنے لگی اور گیتی پھر سرخ و سرخ ہو کر رہ گئی۔یہ مہر وا انتہائی بے وقوف لڑکی تھی۔

پھر آیئے نا بھائی جان!

مہر نے کھڑے ہو کر ایزد کا بازو تھام لیا۔

میں اسی لیے یہ پھولا پھولا فراق پہن کر آئی تھی اور سحر باجی!

آپ ٹیپ ریکارڈر چلا دیجئے۔ میں نے اوپر وہی ٹیپ لگائی ہوئی ہے۔ گیتی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اس بات کا تو اسے آج تک علم ہی نہیں تھا کہ حافظ متین کے گھر اتنی مغربیت پہنچ چکی تھی۔

مگر اب۔۔۔۔۔۔۔یہ مشرقی شہزادہ!

گیتی بڑی ہوشیار اور سمجھدار تھی۔ سب کے انداز سے ہی اس نے اندازہ لگا لیا کہ ایزد حافظ متین کے گھر سے نئی تہذیب کی تاریکیوں کو دور کر کے اپنے مذہب کی خوبصورت روشنیاں بکھیر دے گا۔

کچھ اسی انداز سے دونوں بہنیں بھائی سے ڈرتی تھیں۔ جانے کیوں؟ اسے یہ سب کچھ بے حد اچھا لگا۔ ایزد کا اس گھرانے پر خلوص و پیار بھرا رعب بڑے خوبصورت جذبوں کی عکاسی کرتا تھا۔

ان سب کی یہ ننھی ننھی جھڑپیں، ایک دوسرے سے چھین جھپٹ کر چیزیں کھا جانا، سب کچھ کتنا سہانا لگتا تھا۔

اللہ میاں! اسے بھی کوئی ایسا بھائی دے دے۔ اس کی زندگی کتنی ویران تھی۔ کیسی خالی خالی سی تھی۔ وہ سوچے جا رہی تھی۔

کتنی خوش قسمت تھیں سحر اور مہر جن کا کزن ایسا تھا۔ پھر آپ ہی آپ اس کی تنقیدی نگاہیں سوچ کے راستے انیس، صادق اور پرویز وغیرہ کا جائزہ لینے لگیں۔

ان میں سے کون اس کا ایسا بھائی بن سکتا تھا؟ سب ہی بڑے اچھے تھے، بڑے لائق تھے، لیکن۔۔۔۔۔۔۔لیکن ایسا شوخ و شریر تو ان میں سے کوئی بھی نہ تھا۔

سبھی بے حد سنجیدہ تھے۔ کبھی اس کے ساتھ ایک سے دوسری بات کسی نے نہ کی تھی۔ پڑھائی میں لگے رہتے یا پھر پڑھائی کے بعد اپنے اپنے کام میں اور بس

۔۔۔۔۔۔

پھر؟ پھر؟ یہ ایزد۔۔۔۔۔۔لیکن! لیکن ایزد کی سوچ کے ساتھ بھائی کی سوچ کا تصور کیوں ڈوب جاتا تھا؟ کیوں؟

اس نے اسی سوال کا جواب لینے کے لیے دل کو ٹٹولنے کی کوشش کی ارے! یہ اس کی سوچ کہاں پہنچ رہی تھی؟

اور جانے کیوں اس کے کانوں کی لوئیں تک گرم ہو اٹھیں۔ دل دھک دھک کر کے دھڑکنے لگا۔

جلدی سے اس نے سر جھٹکا۔ پاگل تھی وہ!

ساتھ ہی کانوں میں انگریزی موسیقی کی آواز گونج اٹھی۔ چونک کر نگاہ اٹھائی۔

سامنے کھلی جگہ پر مہرو اور ایزد بیلے رقص کر رہے تھے۔ ممی کتاب چھوڑ چھاڑ، بڑا مسکرا مسکرا کر اور نہال ہو ہو کر انہیں دیکھ رہی تھیں۔ سحر ٹیپ ریکارڈ پر جھکی ہوئی نجانے کیا کر رہی تھی۔

گیتی کی نگاہ پھر ایزد اور مہر کی طرف اٹھ گئی۔

مہر بے حد سنجیدہ تھی۔ جیسے باقاعدہ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی یا کسی مقابلے میں حصہ لے رہی تھی۔

مگر ایزد ہنس رہا تھا، کھیل کھیل رہا تھا۔ صرف مہرو کو بہلانے کی خاطر۔ ابھی تک اس کا ایک پاؤں ننگا تھا اور ایک میں جراب تھی۔

بیچ بیچ میں مہرا

نہیں اٹھا رہا تھا اور اب اس کا بازو غلط تھا۔

دو تین منٹ بعد ہی ایزد نے مہر کو نیچے گھاس پر پٹخ دیا۔

میں کوئی پیشہ ور نہیں ہوں

اور خود جا کر سحر اور گیتی کے پاس بیٹھ گیا

ویسے آپ کو آتا تو کافی ہے!

مہر نے اپنے فن کا سکہ سب پر بٹھانے کی کوشش کی۔ اور وہ بھی ایزد کے پاس ہی آ بیٹھی۔ ایزد نے ہنس کر اس کے سر پر چپت لگائی۔ خاک آتا ہے اور تمہیں بھی خاک آتا ہے

مگر ہمیں تو ایک انگریز ٹیچر نے سکھایا تھا۔

وہ غلط سکھا گیا ہے۔ لہٰذا اب آئندہ نہ کرنا! کسی ماہر نے دیکھ لیا تو مذاق بن جاؤ گی۔

ایزد نے بڑی سہولت اور خوبصورت طریقے سے اسے سمجھایا یوں بھی اب تم بڑی ہو رہی ہو۔

بس! ایک سحر باجی کی شادی پر کرنا ہے اور ایک گیتی آپا کی شادی پر پھر آپ سے وعدہ، اس کے بعد نہیں کیا کروں گی۔

ننھے سے چہرے پر عزم اور وعدہ نبھانے کی پختگی اور یقین تھا۔

اور اپنی شادی پر؟

سحر نے اسے چھیڑا

بھئی ہم جو ہوں گے منی سی دلہن کے بھائی صاحب!

ایزد نے بڑے پیار، بڑے دلار سے اسے بازو میں بھر لیا۔

مہر دین! فکر نہ کرو! تمہاری شادی پر ہم خوب رونق لگائیں گے۔ اوں!

مہر نے شرما کر گھٹنوں میں چہرہ چھپا لیا

بھائی جان پتہ نہیں آپ کیسی باتیں کرتی ہیں؟

چلو جی! ادھر تو بہن بھائی کا رومانس شروع ہو گیا

سحر زور سے ہنسی

تو آپ کیوں جلی جا رہی ہیں؟

ہم کیوں جلیں گے۔آ و گیتی!

سحر اٹھ کر کھڑی ہو گئی

چلو آؤ تھوڑا سا گھوم پھر آئیں۔

کہاں؟

ممی نے کتاب سے نظریں ہٹا کر پوچھا

یونہی ذرا دیکھیں کہ اب شالیمار کیسا ہو گیا ہوا ہے؟تقریباً دو تین سال بعد آئے ہیں۔

جاؤ!

اجازت دے کر ممی پھر کتاب میں گم ہو گئیں۔

-------- اختتام ---- حصہ اول ---------

☆

گیتی تکیے پر اوندھی پڑی تھی۔ رات کا ایک بج گیا تھا۔ مگر نیند کا سوں پتہ ہی نہ تھا۔

ہائے اللہ! یہ اس کی نیند کون چرا کر لے گیا تھا؟

ایزو۔۔۔۔۔۔ایزو۔۔۔۔۔۔!!

دل کے کسی نہاں خانے سے مدھم مدھم آواز ابھری

گیتی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ نہیں! نہیں! ایسی تو کوئی بات نہ تھی۔ کہتے ہیں انسان تھکا ہوا ہو تو جلد نیند آ جاتی ہے۔ مگر اسے تو سارا دن پلنگ میں کھیل کود کر، چل پھر کر، تھکے ہونے کے باوجود بھی نیند نہ آ رہی تھی۔

پھر؟ پھر کیا وجہ تھی؟

کیا یہی۔۔۔۔۔۔؟ کیا یہی؟

اکیلی ہی تو تھی اس وقت۔ کسی نے کوئی اس کے ذہن کی سوچوں کی چاپ تو نہیں سن لینا تھی کہ وہ کس طرف جا رہی تھیں۔

یوں اکیلے میں وہ بھلا کس سے شرما رہی تھی۔ کس سے گھبرا رہی تھی اور کس سے کچھ چھپا رہی تھی؟

اس سوچ کے ساتھ ہی اس کا ذہن آزاد ہو گیا۔

اسے احساس ہی نہ رہا کہ وہ کہاں کہاں کی پرواز پر اڑا جا رہا تھا۔ سحر نے جب اسے ساتھ گھومنے پھرنے کو کہا تھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ سحر نے مہرو کو نہیں کہا تھا مگر خود اس نے ہی اسے بھی بلا لیا۔

لیکن اس وقت وہ اس کھلی کھلی اور خوش گوار سی فضا میں اوندھی لیٹ کر ٹیپ ریکارڈ پر چلتی انگریزی موسیقی سننا چاہتی تھی۔ اس نے صاف بتا دیا اور جا کر فٹا فٹ ٹیپ ریکارڈر کے پاس لیٹ بھی گئی۔ چلو چھوڑو اسے نہیں جاتی تو نہ سہی

اس کے نہ جانے سے سحر کے لہجے ہی سے خوشی سی عیاں ہونے لگی تھی۔ سحر تو ہمیشہ چھوٹی بہن کے ساتھ انتہائی لاپرواہی کا سلوک کرتی ہے۔ اگر میری ایسی پیاری سی بہن ہوتی تو ۔۔۔۔۔۔۔

گیتی نے ابھی اتنا ہی سوچا تھا کہ سحر نے اس کا بازو تھام لیا۔ آؤ!

اور دونوں نے ابھی دو تین قدم ہی اٹھائے تھے کہ سحر نے رک کر پیچھے گردن موڑی۔ آپ ہی آپ گیتی کی نگاہیں ابھی اس کی نگاہوں کے ساتھ ہی پلٹ گئیں۔

ایزد بھائی! آپ بھی آجائیے نا! ممی پڑھ رہی ہیں، مہر گانے سن رہی ہے۔ پھر آپ اکیلے یہاں کیا کریں گے؟ ہمارے ساتھ چلئے ذرا گپ شپ رہے گی۔

ایزد جیسے اسی دعوت کا منتظر بیٹھا تھا۔ جھٹ اٹھ کھڑا ہوا

ارے! ارے

وہ قریب آیا تو سحر قہقہہ لگا کر ہنس دی تھی

ایک پاؤں میں جراب پہنی ہوئی ہے اور ایک ننگا ہے، جوتے بھی نہیں پہنے۔ یہ کیسے چلے آرہے ہیں؟

اوہ! کھسیانا سا ہو کر ایزد مسکرانے لگا

جلدی میں پتہ ہی نہیں چلا

جلدی کوئی نہیں

سحر بڑے عجیب سے انداز میں ہنسی تھی

فکر نہ کریں! ہم آپ کو چھوڑ کر نہیں جاتیں

جانے اس بات سے اور اس انداز سے اس کا کیا مطلب تھا؟ گیتی کی سمجھ میں کچھ نہیں آسکا تھا۔ پھر وہ اس کے انتظار میں آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر چند ہی گز دور گئی تھیں کہ ایزد بھی آپہنچا۔

جانے اتنی جلدی کیسے اس نے دوسری جراب اور جوتے پہن لیے تھے۔ دونوں

ہی ہنسنے لگیں تھیں۔ گیتی کا تو یہ خیال تھا کہ وہ سیر سپاٹے کا کس قدر شوقین تھا اور سحر نہ جانے کیوں بڑے ہی دیر ہنستی رہی تھی۔

ایزد اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا پہلے تو ہولے ہولے اسے کہتا رہا، بس بھی کرو اب! مگر جب وہ پھر بھی ہنستی رہی تو اس نے رک کر سحر کی گردن دبوچ لی۔

اگر اب خاموش نہ ہوئیں تو گلا دبا دوں گا

اچھا! اچھا!

سحر نے فوراً ہنسنا بند کر دیا۔ مگر اس کی آنکھیں، جانے کیوں اتنی چمک رہی تھیں؟

اور اسی عالم میں باتیں کرتے کرتے ادھر ادھر گھومتے گھامتے تینوں بارہ دری تک جا پہنچے۔ سنگ مرمر کے ان دروں میں بیٹھ کر نیچے گرنے والی آبشار کا نظارہ بہت خوبصورت تھا۔

گیتی کی نگاہ اسی پر گڑی تھی۔ سکول کے زمانے کے بعد وہ اب ہی شالیمار آئی تھی۔ جانے اس میں کیا تبدیلی ہو گئی تھی؟ آج اسے پہلے سے بہت زیادہ خوب صورت لگ رہا تھا۔

پتہ نہیں کیوں؟ یا پھر شاید اس لیے کہ سحر، مہر اور ایزد بھی بڑے زندہ دل اور خوش باش قسم کے تھے ان کے ہنسنے، ہنسانے والی مزے دار باتیں اور شرارتیں سب کچھ ہی بڑا دلچسپ تھا۔

اب بھی سحر کی اور ایزد کے فقرے بازی چل رہی تھی۔ سحر کوئی بھی بات کرتی ایزد ایسا غلط سلط جواب دیتا کہ پھر دونوں کتنی ہی دیر ہنستی رہتیں۔ پھر اچانک ہی سحر کو پیاس لگ گئی یوں جیسے موسم گرما تھا۔ بڑی سخت پیاس لگی ہے۔ میں ذرا پانی پی آؤں سحر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ گیتی بھی اس کی تقلید میں اٹھ پڑی تھی۔ تم تو بیٹھو! میں بس ایک منٹ میں آئی۔

لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

گیتی ہکلا کر رہ گئی۔ ایزد سامنے ہی تھا۔ اب کیسے سحر کو احساس دلاتی کہ وہ پانی پینے جاتی تھی تو وہ ایزد کے ساتھ اکیلی وہاں رہ جاتی تھی۔

ایک غیر مرد کے ساتھ! ایک تنہا مقام پر!

مگر سحر ایسی بے وقوف تھی کہ سمجھ ہی نہ سکی۔ اسے وہیں رکنے کی تلقین کر کے خود بھاگ کھڑی ہوئی۔ احمق لڑکی!

گیتی کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔ ایزد اپنی جگہ پر بیٹھا تھا۔ درمیان میں سحر کی جگہ خالی تھی اور گیتی اس طرف کھڑی بھاگی جاتی سحر کو دیکھ رہی تھی۔

بیٹھ جائیے! اب جب تک سحر آ نہ جائے گی کیا اسی طرح کھڑی رہیں گی؟

جی۔۔۔۔۔۔۔جی

اتنے سارے لوگ ادھر ادھر آ جا رہے ہیں۔ سب کیا سمجھیں گے؟ یوں مناسب نہیں لگتا؟

بات تو اس نے درست کہی تھی۔ گیتی چپکے سے اپنی جگہ پر بیٹھ گئی! جانے کیا ہو گیا تھا؟ یہ احساس اسے بہت تنگ کر رہا تھا کہ وہ ایزد کے ساتھ ایک تفریحی مقام پر اکیلی تھی۔

ذہن سے اس خیال کو محو کرنے کی خاطر ارد گرد کے حسین نظاروں میں اس نے کھو جانا چاہا مگر اب تو اسے اس گرتی آبشار میں بھی وہ خوبصورتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

سحر بعض وقت کیسی احمقانہ حرکتیں کر جاتی ہے؟

وہ پریشان ہوئی جا رہی تھی اور نگاہیں نیچی کیے سوچے جا رہی تھی کہ عین اس کی آنکھوں کے سامنے ایزد کی کھلی ہتھیلی آ گئی۔ اس پر پھیلی ہوئی چند سرخ سرخ اور رسیلی رسیلی رس بھریاں چمک رہی تھیں۔

پہلے سوچا تھا کہ یونہی چلتے پھرتے، گھومتے گھامتے، چپکے چپکے سے ساری کی

ساری ہضم کر جاؤں گا۔ کسی کو ایک بھی نہیں دوں گا مگر۔۔۔۔۔۔۔

اس کی آنکھیں عجیب طرح چمک رہی تھیں۔ گیتی اس سے نظر نہ ملا سکی۔ پھر جب سحر نے بتایا کہ آپ کو پسند ہیں تو پھر۔۔۔۔۔۔۔تو پھر۔۔۔۔۔۔۔

وہ کچھ کہتے کہتے ہچکچا گیا

جی؟

گیتی تو صرف گھبرائی ہی ہوئی تھی

پھر مجھ سے باقی کھائی نہ گئیں۔ پتہ نہیں کیوں؟ باقی میں نے سنبھال کر رکھ لیں

گیتی نے چونک کر نگاہیں اٹھائیں۔ جانے ایزد کی نگاہوں میں کیا تھا؟ وہ مزید گھبرا گئی

لے لیں! وہ اصرار کر رہا تھا

اور گیتی کے ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے۔ رخسار گرم ہو کر تپ اٹھے تھے دل دھک دھک کیے جا رہا تھا۔

لے بھی لیں

ارد گرد لوگ آ جا رہے تھے نہیں لیتی تو بری بات تھی۔ کب سے وہ ہتھیلی پھیلائے بیٹھا تھا اور لے تو کیسے لے؟ اس میں اتنی ہمت نہ تھی۔ اس میں اتنی طاقت نہ تھی۔

اتنا تکلف کس بات کا؟ لے بھی لیں

بڑا یگانگت بھرا اصرار تھا۔ بڑی خلوص بھری پیش کش تھی اور بڑا محبت بھرا انداز تھا۔

سحر آ رہی ہو گی! لے لیں

اور پھر جانے کیسے اس نے ہاتھ آگے کر دیا تھا۔ کس جذبہ کے تحت؟ کس سوچ کے ساتھ! کس ناطے سے؟ کس تعلق سے؟

مگر اس کا تو اس وقت دماغ ماؤف تھا۔ کچھ سمجھ نہ آیا۔ کچھ خیال میں نہ آیا بس

ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

ایز د نے اس کے کپکپاتے ہاتھ پر اپنی ہتھیلی الٹتے ہوئے بہت ہولے سے بالکل سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

شکریہ!

جی! جی! شکریہ تو مجھے ادا کرنا ہے

بڑی مشکل سے وہ یہ بول سکی تھی۔

وہ شامی کباب آپ نے خود بنائے تھے؟

نجانے ایز د نے کیوں پوچھا تھا؟ شاید یونہی بات کرنے کا موضوع نکالنا مقصود تھا۔

جی ہاں!

بڑے مزیدار تھے

جی شکریہ! اب پھر کس دن کھلائیں گی؟

جی ۔۔۔۔۔۔ جی ۔۔۔۔۔۔

اب وہ کیا کہتی؟ یہ تو محض اتفاق تھا جو ایک بار سحر کے گھر ان کی ملاقات ہو گئی اور اب یہاں پکنک پر۔ ورنہ ان دونوں کی کسی اور جگہ ملاقات کا امکان ہی نہ تھا۔

وہ سحر کے ہاں بہت کم، بہت کم جایا کرتی تھی۔ سحر ہی اکثر اس کے پاس آ جاتی تھی۔

بہر کیف اس نے اس کے لیے رس بھریاں سنبھال کر رکھی تھیں وہ بھی اس کے دل رکھنے کو ہی کچھ تو کہہ سکتی تھی۔

جب آپ کہیں؟

وہ بہت جھجک جھجک کر اور بہت ہولے سے بولی

جی؟ کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے کنوئیں میں سے نکل کر بات نہیں کر سکتیں؟

اس انداز میں اس نے کہا تھا کہ یک دم گیتی کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ ارے! ارے! جلدی سے رس بھریاں کھالو! سحر آرہی ہے۔

وہ یکلخت بوکھلا کر بڑبڑا اٹھا

اور گیتی نے اس کی ہدایت کے مطابق گھبرا کر جھٹ پٹ تین چار اکٹھی منہ میں رکھ لیں۔ اور کچھ ابھی ہاتھ میں تھیں۔

منہ والی بمشکل ختم ہی ہوئی تھیں۔ ابھی مزید کھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ سحر سر پر آ پہنچی۔ گیتی نے ہاتھ والی مٹھی میں دبالیں اور مٹھی کے اوپر دوپٹہ لپیٹنے لگی۔ جیسے یونہی کھیل رہی تھی۔

ویسے خود اسے بھی اپنی اس حرکت کا احساس نہ ہو سکا کہ جو ایزد نے چاہا تھا، کہا تھا۔ وہی اس نے کیا تھا کیوں؟ آخر کیوں؟

اور اس وقت آدھی رات کو وہ بیٹھی سوچ رہی تھی۔

پھر اسے وہ رس بھریاں کھانے کا موقع ہی نہ ملا۔ گھر پہنچنے تک وہ انہیں مٹھی میں ہی دبائے رہی۔ یوں جیسے دنیا جہاں کے خزانے اس میں بند تھے۔

اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ کیوں بھلا؟

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ پھر گھر آ کر وہ کتنی ہی دیر امی کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ باوا جان بھی وہیں تھے۔

ان دونوں کو وہ پکنک کے متعلق سب کچھ بتاتی رہی۔ مگر ایزد کے متعلق اس نے کچھ بھی نہ بتایا۔ سحر کا کزن اگر ساتھ چلا گیا تھا تو امی اور باوا جان نے اسے قطعی کچھ نہیں کہنا تھا۔

انہیں اس پر اور اپنی تربیت پر پورا اعتماد تھا۔

وہ اس قسم کا پردہ بھی نہیں کرتی تھی جو یہ خوف ہوتا کہ کھلا چہرہ لے کر اس کے سامنے جانے سے جھڑکیاں وغیرہ پڑ جائیں گی۔

پھر؟ جانے کیوں وہ اس کا وجود اس کی وہاں موجودگی تھی۔ وہ پہلے ایسی تو نہ تھی؟ وہ کبھی ان سے کچھ چھپایا نہیں کرتی تھی۔

اس کے علاوہ وہ رس بھریاں بھی اس نے مٹھی میں چھپائے رکھی تھیں جیسے وہ اگر ان کے سامنے کھائے گی تو ان پر یہ راز کھل جائے گا کہ ایزد نے چوری چوری سب سے چھپا کر اسے دی تھیں۔

پھر اپنے کمرے میں آ کر دروازہ بند کر کے، اندر سے چٹخنی لگا کر اس نے مٹھی کھولی تھی۔ آخر یہ کیسی حرکت تھی؟

ہاتھ کی گرمی سے وہ گرم ہو رہی تھیں اور تھوڑی مرجھا بھی چکی تھیں مگر وہ انہیں کھا گئی تھی۔ ایک ایک کر کے، بڑے مزے لے کر۔ اور ان کا اسے لطف بھی بے حد آیا تھا۔

یہ سب کچھ کیا تھا؟ کچھ انجان سے جذبے، کچھ اجنبی سے احساسات اسے پریشان کیے دے رہے تھے۔

نیند نہیں آ رہی تھی۔ آنکھوں کو اس نے ہتھیلیوں سے دبا کر بڑے زور سے رگڑا۔ یوں جیسے وہ اس طرح آنکھوں کو رگڑ کر آنکھوں میں بسے رہنے والے سارے دن کے واقعات نکال دے گی۔

کنپٹیوں کو بند مٹھیوں سے کھٹکھٹایا جیسے ذہن میں بس ان سوچوں کو اس طرح بھگا دے گی۔

مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ ایزد اور اس کی باتیں، اس کی گھاتیں اسی طرح اس کی آنکھوں اور دماغ میں بسی اور چھپی رہیں۔

تھک کر اس نے تکیے میں چہرہ گھسیڑ لیا۔

مولا! یہ اسے کیا ہو گیا تھا؟

بے بسی سے وہ بڑبڑائی

☆

وہ نرم گرم بستر پر خاموش لیٹا دیوار پر لگے اس برقی قمقمے کو دیکھے جا رہا تھا۔ جو خوبصورت گلوب کے اندر بند تھا مگر اس کی روشنی پھر بھی پھیل پھیل، بکھر بکھر کر سارے کمرے کو روشن کیے دے رہی تھی۔

اسی طرح، جس طرح گیتی کے حسین وجود نے اس کے سینے میں بند دل کو بے حد پیارے پیارے جذبوں سے روشناس کرا دیا تھا۔ اس کے ذہن و دماغ نے ان کی جلا سے منور ہو اٹھے تھے اس کے ہوش و حواس، اس کی عقل و خرد کو عجیب سی تازگی اور روشنی مل گئی تھی۔

ایزد کی نگاہیں اسی قمقمے پر ٹکی تھیں مگر ذہن شالیمار میں مٹر گشت کر رہا تھا۔

سارا دن کرسی پر بیٹھ کر گزار دینے والا انسان خوب بھاگا دوڑا تھا خوب گھوما پھرا تھا مگر تھکن نام کو نہیں تھی۔

وہ مسکرا رہا تھا۔ کیوں؟ جانے کیوں؟

تم جانتے ہو دل نے ہولے سے کہا

نہیں نہیں! میں کچھ نہیں جانتا

جھوٹ! جھوٹ!

اور یکدم ذہنی رو اسے سحر کے گھر بہا لے گئی

دو تین دن پہلے سحر نے اسے بتایا تھا کہ اتوار کو ممی اور ان دونوں بہنوں کا پکنک کا پروگرام تھا۔ ڈیڈی نے انہیں جانے سے منع تو نہیں کیا تھا مگر خود ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا۔

زمانہ نازک تھا لہٰذا کسی مرد کا ساتھ ہونا ضروری تھا اور ایک بھائی یا بیٹے سے بہتر رفاقت اور کس کی ہو سکتی تھی؟ اس نے یہ سنا تو بڑی خوشی سے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا تھا۔

سیٹھ امان کے گھر نے اگر اسے پناہ دی تھی اور خود انہوں نے اسے نوکری اور زندگی کی ہر آسائش دی تھی تو سحر کے گھر نے اس کے اندر کی ویرانیوں کو بہاروں میں بدل دیا تھا۔

سحر اور مہر اسے حقیقی بھائی کی مانند سمجھتی تھیں۔ اسی طرح اس سے محبت کرتی تھیں اور اسی طرح اس کا احترام بھی!

ان کی چند ایک عادات ایزد کو اچھی نہ لگی تھیں۔

اشارۃً کنایۃً اس نے انہیں سمجھایا تو انہوں نے ایک حقیقی بھائی کی مانند ہی اس کی مرضی پر چلنا شروع کر دیا۔

مہر ابھی چھوٹی تھی۔ سحر تو بالکل ہی اس کی خواہشات پر پورا اترنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جیسی وہ بہن چاہتا تھا ایسی ہی وہ بنی جا رہی تھی۔

کتنا پیارا جذبہ تھا۔ ایزد کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اگر سچ مچ اس کی کوئی حقیقی بہن ہوتی تو شاید وہ بھی اس کو اتنا بلند مقام نہ دیتی جیسا سحر نے دے دیا تھا۔ یوں اس کی آرزوؤں پر پورا نہ اترتی جیسا سحر اتر رہی تھی ایسا احترام نہ دیتی، ایسا مان نہ رکھتی، جیسا سحر رکھ رہی تھی۔

وہ سحر کی دریافت تھا مگر ممی نے بھی یوں اپنی ممتا کی آغوش وا کر دی جیسے وہ ان کا کہیں دور دیس سے لوٹنے والا بیٹا ہی تھا یا وہ جو اچانک گم گشتہ راہوں سے واپس آ گیا تھا اور ماں کی گود ویران پڑی تھی۔ وہ اس میں سما گیا۔

اور ممی کی مرضی، ممی کی خوشی کے بعد ڈیڈی کوئی اور رائے رکھتے ہی نہ تھے۔ ان کی مرضی پر فوراً راضی ہو جائے اور ان کی خوشی کو اپنا خوشی بنا لیتے۔ یوں وہ اس گھر میں بالکل اس طرح فٹ ہو گیا جیسے وہ اسی بساط کا ایک مہرہ تھا۔

سیٹھ امان کا گھر وہ چھوڑ نہیں سکتا تھا، روزی کا معاملہ تھا۔ ورنہ شاید انہی کے پاس اٹھ آتا۔ کہ اس کا جی تو ہر لمحہ وہیں ان محبتوں بھری ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں

گزارنے کو چاہتا تھا۔

صبح صبح اس کی آنکھ کھلی۔فوراً خیال آیا، آج تو اسے پکنک پر جانا تھا بہنوں اور ماں کا محافظ بن کر۔

کیسا لذت بخش احساس تھا۔اس کی مردانگی کو تو اب ہی تسکین ملی تھی۔کہ وہ کسی کا محافظ تھا، وہ کسی کا اعتماد تھا اور عزتوں کا رکھوالا تھا۔

کیسے خوب صورت اعزاز تھے۔

مسرور مسروری گنگناہٹوں کے ساتھ گردن ٹیڑھی کر کے سرہانے رکھی میز پر نگاہ ڈالی

ارے!

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ٹائم پیس پر وہی وقت ہوا تھا جب وہ دفتر کے لیے اٹھا کرتا تھا۔مگر آج تو اسے جلدی اٹھنا تھا

اس نے سوچا ہوا تھا کہ ٹھرکے بتائے ہوئے وقت سے بھی پہلے پہنچے گا وہ بھی کیا یاد کرے گی کہ کس تخی کے ساتھ پالا پڑا تھا۔

اوہ! تم بڑے خراب ہوایز درضا جو عادت ڈال لیتے ہو بس پھر اسی کے پابند ہو جاتے ہو۔آج بھلا دفتر کے وقت کیوں اٹھے؟

اپنے آپ سے ہی بازپرس کرتے ہوئے وہ تیار ہونے لگا

شیو کی، نہایا، ڈریس اپ ہوا، ٹائی لگائی، بالوں میں الٹا سیدھا برش کیا۔

یہ سب کچھ اس نے بڑی تیزی سے کرنے کی کوشش کی تھی۔مگر آخر میں دیکھا، جوتے سب کے سب پالش ہونے والے تھے۔

پھر اسے خود ہی جوتے پالش کرنا پڑے، جلدی جلدی کرنے میں جو وقت بچا تھا وہ سارے کا سارا صرف ہو گیا چنانچہ اس نے جوتے چمکاتے ہوئے ساتھ تھوڑا سا سیٹھ امان کے ملازم کو کوسا بھی۔

مگر پھر دوسرے لمحے خود کو سرزنش بھی کردی

بہت برے ہو تم ایزد میاں! اتنا خیال تمہارا رکھا جاتا ہے تم پھر بھی شکوہ کرتے ہو۔ اب کسی کو کیا پتہ کہ اتوار کو بھی تمہیں کہیں جانا تھا۔ معلوم ہوتا تو یقیناً جوتا پالش شدہ ملتا۔

معاف کردیجیے سیٹھ جی! آپ کے ملازم کی شنا میں گستاخی ہوگئی ہے۔

یوں اپنے آپ سے ہی باتیں کرتے کرتے وہ فارغ ہوا۔ وقت دیکھا وہ ہو چکا تھا جس کی پابندی کی تاکید سحر نے کردی تھی۔

اور پھر اچانک اسے خیال آیا کہ ابھی تو اسے ناشتہ کرنا تھا اور اتوار کے اتوار ناشتہ سیٹھ امان اس کے ساتھ یہیں کیا کرتے تھے۔

اب؟ اب؟ وہ پریشان سا ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے کندھے اچکائے۔

میں کوئی ان کا چوبیس گھنٹے کا ملازم تھوڑا ہوں۔ آخر میرے اپنے بھی کوئی پروگرام ہو سکتے ہیں۔

اس عرصے میں پہلی بار سرکشی کے خیالات نے سر ابھارا۔ ادھر اتنی پیاری پیاری چاہتیں اس کی منتظر تھیں۔ پھر وہ سیٹھ امان کی اتنی پرواہ کیوں کرتا۔ اپنا فرض وہ خوش اسلوبی سے انجام دے لیا کرتا تھا اور باقی کوئی اور اس پر پابندی نہیں تھی کہ اب چائے وائے بھی ان کے ساتھ ضرور پیئے۔ اور کھانا بھی کھائے۔ اور یہ بھی کرے، اور وہ بھی کرے۔

لہٰذا انہیں مطلع کیے بغیر وہ چپکے سے کھسک گیا۔

سحر وقت کی بڑی پابند تھی اور وہ بھائی ہو کر اس معاملے میں اس سے مات کھانا نہیں چاہتا تھا۔

بھاگ کر اس نے ٹیکسی پکڑی۔ اتوار کا دن اور ایک سوٹ بوٹ والے شریف قسم کے بابو کی یہ عجلت اور بھاگ دوڑ۔ ٹیکسی ڈرائیور نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا

تھا۔ اسے تو ابھی بستر پر ہونا چاہیے تھا شاید وہ یہ سوچ رہا تھا۔

اس کی نگاہوں کے انداز کو سمجھ کر بھی ایزد عجلت کی حالت میں ہی رہا۔

دائیں ہاتھ مڑو! اب سیدھے! اب بایاں! رفتار ذرا اور تیز کرو! اور تیز۔۔۔۔۔۔

بے حد تیزی سے اسے راستہ بتاتا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ اسے سحر پر بھی غصہ آتا رہا جسے ٹیکسیوں پر سفر کرنے کا شوق تھا۔ تیمر ا کہا تھا کہ سیٹھ امان کی گاڑی لے آئے گا۔ ذرا آسانی رہے گی مگر۔۔۔۔۔۔۔ عجیب خر دماغ لڑکی تھی۔

نہ نہ ہی کرتی رہی، ساتھ ہی یہ بھی نقطہ نکال لیا کہ شالیمار کے باہر کھڑی رہی تو شریر لڑکے اینٹ پتھر مار کر کچھ نقصان نہ کر دیں۔ جس طرح اپنے گھر لانے سے منع کر رکھا تھا کہ ان کے محلے کے لڑکے بے حد شریر تھے۔

ان کے محلے کے شریر تھے تو وہ سمجھتی تھی کہ ہر جگہ کے لڑکے ہی بڑے شریر ہوں گے۔ جیسی خود تھی ویسا ہی دوسروں کو سمجھتی تھی۔

ایزد سوچے جا رہا تھا، بڑبڑائے جا رہا تھا اور ٹیکسی ڈرائیور کو رفتار اور تیز کرنے کی ہدایت کیے جا رہا تھا۔

ویسے بات سحر بھی ٹھیک کہتی تھی۔ اپنی زر خرید گاڑی ہو تو کچھ بھی ہو جائے کوئی نقصان بھی ہو جائے۔ انسان خود کو سمجھا لیتا ہے، صبر کر لیتا ہے۔

لیکن مالکوں کی گاڑی، کمپنی کی گاڑی، ڈر ہی رہتا ہے۔ بعض وقت یہ احمق لڑکی بات عقل کی کر جاتی ہے۔

انہی سوچوں میں کھویا خود سے اور دوسروں سے الجھتا، سلجھتا وہ منزل مقصود پر پہنچ ہی گیا۔

جب وہ دبے دبے پاؤں اندر گیا تو ڈرائنگ روم میں دروازے کی طرف پشت کیے سحر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ تیار ہو کر شاید اسی کے انتظار میں تھی۔

صحیح وقت پر نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے اس نے یقیناً اس کا مذاق اڑانا تھا۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ وہ مذاق کا نشانہ بنے ہاتھ میں پکڑا اخبار گول کر کے پٹاخ سے اس کے سر میں دے مارا۔ چوٹ میں لگ کر اسے باتیں بنانا بھول جائے گی۔

اوئی اللہ!

لیکن یہ سحر کی آواز تو نہ تھی، ساتھ ہی اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

اف توبہ! کس قدر پریشان ہوا تھا وہ تو سحر کی سہیلی گیتی تھی۔ دو تین دن پہلے وہ اس سے سحر کے گھر ہی مل چکا تھا۔ بڑی سویٹ سی لڑکی تھی۔ بڑی دھیمی دھامی سی۔ شرمیلی اور کم گو سی۔ ماڈرن لڑکیوں جیسی شوخی اور تیز طراری اس میں بالکل نہ تھی۔

اس دن سفید لباس میں جو اس کا پسندیدہ لباس تھا وہ بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ بڑی مقدس اور پاکیزہ سی محسوس ہو رہی تھی۔

اور آج ہلکے زرد لباس میں بالکل چنبیلی کی کومل سی کلی ہی لگ رہی تھی کتنا اس کا دل چاہ رہا تھا اسے چنبیلی کی کلی کہہ کر پکارنے کو۔

مگر اس کے ساتھ اس کی اتنی بے تکلفی تو نہ تھی۔

جانے صبح صبح اور وہ بھی اتوار کی۔ یہاں کیا کرنے آ گئی تھی۔ اور پھر یکایک ہی اس کا جی چاہ اٹھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ پکنک پر جائے۔

پکنک کا لطف دوبالا ہو جانا تھا۔ بے شک وہ کم گو تھی، شرمیلی تھی مگر جانے کیوں؟ اس کا چمکتا دمکتا وجود بے شمار رونقوں کا مظہر لگتا۔

کوئی بات نہ کرے سامنے بیٹھ کر صرف شرماتی ہی رہے گی تو ان کی پکنک ہو جائے گی۔ یہ سب اس نے آناً فاناً سوچ لیا تھا۔

سحر کی اتنی پیاری سہیلی تھی پہلے دن ہی اسے دیکھ کر کہنا اس کا جی چاہا تھا کہ وہ بھی اسے اپنی سہیلی بنا لے۔

ایزد کو اپنے اس خیال پر خود ہی ہنسی آ گئی تھی، بچوں ایسی ہی باتیں سوچا تھا وہ

پھر رہ نہ سکا۔ بہانے بہانے اس نے اس سے پوچھ ہی لیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ بھی پکنک پر جا رہی تھی تو۔۔۔۔۔۔!

ساری زندگی میں اتنا کچھ پایا، اتنا کچھ حاصل کیا تھا کہ ایسے برے حالوں میں یکدم اتنی اچھی ملازمت، گھر اور آسائشیں مل گئیں۔

تب بھی ایسی خوشی کا احساس کبھی نہیں ہوا تھا جتنا اس کا پکنک پر ساتھ جانے کا سن کر ہوا، عجیب سی مسرت، عجیب سے سرخوشی، تن من میں دوڑ گئی، جانے کیوں؟ جانے کیوں؟

اور اسی بے خودی میں اسے خیال ہی نہ رہا کہ وہ اس کے ساتھ اتنا بے تکلف نہ تھا۔ بڑھ کر وہ کتاب اس کے ہاتھ سے اچک لی۔

جو وہ پڑھ رہی تھی اسے اس سے زیادہ دلچسپ لگ رہی تھی کہ اس سے بات کرنے کی بجائے وہ اس میں متوجہ تھی۔

اسی لمحے غیر شعوری طور پہ سے کتاب سے بھی بے حد محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اس کے ہاتھوں میں تھی، اس کی نگاہوں میں تھی اور اس کی توجہ کا مرکز تھی تبھی اس نے اس سے چھین لی تھی۔

کہ اس کی طرف سے توجہ ہٹے تو شاید اس سے ایک آدھ بات ہی کر لے سحر کے آنے سے پہلے پہلے۔ جانے وہ کہاں تھی اور کب ادھر آجائے اس وقت تو وہ اکیلی ہی تھی۔ بڑا خوب صورت موقع تھا۔

لیکن۔۔۔۔۔۔لیکن یہ سوچ کیسی تھی؟ سحر تو اس کی اتنی پیاری بہن تھی اور اتنی اچھی بہن سے کچھ چھپانے کی کوشش!

یہ کیا تھا؟ یہ کیا تھا؟ کیا چھپا رہا تھا وہ اس سے؟؟

ایسی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ پھر وہ وہ چاہتا تھا سحر ابھی ادھر نہ آئے وہ اس چنبیلی کی کلی سے دو چار باتیں کر لے۔

پھر اس نے اس سے گفتگو کا موضوع نکالنے کے لیے کتاب کو وسیلہ بنایا۔ مگر وہ حیران رہ گیا۔ وہ تو بچوں کی کہانیوں والی کتاب تھی۔ جو وہ چنبیلی کی کلی چپ چاپ بیٹھ کر اتنے انہماک سے پڑھ رہی تھی۔

حیرت کے ساتھ ساتھ اسے ہنسی آ گئی۔ ہنسی سے فارغ ہوتا تو مزید کوئی بات بھی کرتا اور ہنسی تھمنے سے پہلے ہی سحر آ گئی۔

برا ہو اس کمبخت ہنسی کا، موقع ہی ہاتھ سے نکل گیا۔ تب وہ دریچے کی پاس والی کرسی پر جا بیٹھا۔

اب بظاہر وہ وہی کتاب پڑھ رہا تھا مگر نہ سحر کو اور نہ اسے ہی پتہ چل سکا کہ پڑھنے کی بجائے وہ اس سے صرف ایک نقاب کا کام لے رہا تھا۔

کتاب چہرے کے سامنے تھی اور وہ خردوزدیدہ نگاہی سے گیتی کو دیکھے جا رہا تھا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ سراسر غیر شریفانہ حرکت تھی۔

وہ تعلیم یافتہ تھا، مہذب تھا، ایک اعلیٰ ملازمت پر کام کر رہا تھا پھر بھی جانے اس نے ایسا کیوں کیا؟ اپنے رتبہ کا بھی خیال نہ کیا، بیٹھا وہی غیر شریفانہ حرکت کرتا رہا۔

اس کی زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئی تھیں۔ خانماں بربادی کے دنوں میں کئی ٹیوشنیں بھی پڑھائیں۔ کئی ایسے دفتروں میں بھی کام کیا جہاں اس کے اردگرد لڑکیاں ہی ہوتی تھیں۔

ایم اے میں لڑکیوں کے ساتھ پڑھتا رہا۔ ان میں کئی بہت حسین بھی تھیں، مگر اس نے کبھی کوئی فضول اور غیر شریفانہ حرکت نہیں کی تھی۔

آج نجانے کیا ہو گیا تھا؟ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود وہ اس وقت عقل و ہوش سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ بس ہی نہیں تھا خود پر۔ وہ اسے چپکے ہی چپکے تکے جا رہا تھا۔

ممی اور مہر نے تیار ہونے میں کافی دیر لگا دی۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگتا

رہا تھا کہ انہیں اور دیر لگے، اور دیر لگے۔

یہ ایسا کیوں تھا؟ خود اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کوئی انوکھا، کوئی نرالا سا جذبہ تھا جو اس سے یہ سب کچھ کرا رہا تھا۔ عجب پر لطف اور لذت بخش!!

وہ خوبصورت تھی۔ معصوم تھی، شرمیلی تھی، سادہ تھی، خوش لباس تھی، اس کی آنکھوں میں ستاروں کی چمک تھی، اس کے لبوں پر تبسم کی بجلیاں کوندتی تھیں۔ اس کے رخساروں پر انار کی کلیاں مہکتی تھیں۔

جانے کیا کیا اس ایک وجود میں اسے دکھائی دے رہا تھا۔ اللہ میاں کی کوئی بالکل نرالی سی مخلوق ہی وہ اسے لگ رہی تھی۔

پھر ممی اور مہر تیار ہو گئیں۔ سب شالیمار پہنچے۔ وہ سارا دن اس کا عجیب سی کیفیت میں گزرا۔ بڑے خوبصورت سے جذبوں اور مدھر مدھر احساسات نے اس کے ہوش و حواس کو اپنی لپیٹ میں لیے رکھا۔

وہ مہر کو پکڑ رہا تھا۔ مہر تو سچ مچ کی بجلی تھی۔ اس لمحے اکیلے میں اس نے سچے دل سے اعتراف کیا لیکن اس کی انا اور اس کے اندر جو بڑے بھائی کی مردانگی تھی، وہ اس ننھے چھلاوے سے ہار ماننا نہیں چاہتی تھی۔

سحر اور ممی بھی اسے ہی بک اپ کر رہی تھیں اور اس کے دل نے اپنے آپ ہی سمجھ لیا تھا کہ گیتی بھی اسی کی طرفداری کرے گی۔ کس ناطے سے؟ کس رشتے کے تحت؟ کس تعلق کی بناء پر۔

یہ اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ دل نے خود بخود ہی کوئی رشتہ، کوئی تعلق گھڑ لیا تھا۔ وہ اسے اپنی ہی ملکیت تصور کر بیٹھا تھا۔ یوں وہ پوری طرح پرامید تھا۔ بلکہ پریقین تھا کہ ابھی گیتی اس کی حمایت میں ہی بول پڑے گی۔

مگر۔۔۔۔۔۔ عین جب وہ مہر کو پکڑنے کے قریب تھا اور مہر بے خبر تھی کہ وہ اس کے بالکل پہنچ چکا تھا تو گیتی نے اسے مطلع کر دیا۔ مہر چوکس ہو کر پھر بجلی کا کوندا

بن گئی۔

جانے کیوں؟ اس لمحے اس کے دل کو بڑی تکلیف محسوس ہوئی تھی وہ تو اسے سو فیصد اپنا ووٹ سمجھتا تھا۔ مگر یہ کیا؟ اس کا مان بھی ٹوٹ گیا اور اس ننھی سی بچی کے ہاتھوں شکست کھا جانے والے احساس نے اسے یکدم نادم بھی کر دیا۔

اس وقت تنہا تھا۔ وہ اپنا محاسبہ کھلے ظرف سے کر سکتا تھا۔ اس کے اندر یقیناً یہ احساس بھی تھا کہ یہ شکست گیتی کے سامنے ہوئی تھی۔

اور وہ تو اس کے سامنے خود کو ایک بہادر، مہذب، فاتح، غرض ہر لحاظ میں مکمل مرد کے روپ میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ عجیب سا جذبہ تھا نا۔۔۔۔۔۔۔ ایسا اس نے سحر اور ممی وغیرہ کے لیے کبھی نہیں چاہا تھا۔

اور اس ندامت نے اسے طیش دلا دیا۔ تب وہ گیتی سے ہی الجھ پڑا حالانکہ اس کا اس سے الجھنا بے معنی تھا۔ کھیل میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی کسی کا طرفدار بن بیٹھتا ہے تو کوئی کسی کا۔

ممی اور سحر اس کی طرفدار تھیں تو ایک اس نے اگر مہر دین کی حمایت میں کچھ کہہ دیا تو ایسی کون سی بری بات ہو گئی تھی۔ جو اسے اتنا سخت غصہ آ گیا تھا۔

مگر وہ بھی کیا کرتا۔۔۔۔۔۔۔ وہ تو اسے صرف اور صرف اپنی ملکیت سمجھ بیٹھا تھا اگر ساری دنیا مہر کی طرفدار ہوتی اور اک صرف گیتی اس کے لیے بول پڑتی تو یہ ایک معمولی سی ہار جیت، کچھ بھی ہو جاتا۔ یقیناً اس کے دل کو ٹھیس نہ پہنچتی۔

اور اصل میں یہی ساری اسے تکلیف تھی۔ پھر جان بوجھ کر اسے نے گیتی کے سارے شامی کباب برباد کر دیئے۔ بہت ڈھیر سارے خود کھائے۔ ممی کو قسمیں دے دے کر کھلائے جو بچے وہ کوؤں کے حضور پیش کر دیئے۔

اندر ایسی جلن ہو رہی تھی، ایسی کھولن لگی ہوئی تھی۔ ممی بھی محض اس کی شرارت سمجھ کر چپ ہو رہیں۔ شامی کبابوں کو خرد برد کر کے بھی اس کا انتقام پورا نہیں ہو سکا تھا۔

بس یہی جی چاہ رہا تھا کہ گیتی ہاتھ آ جائے تو اسے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے۔ اسی غصے کے عالم میں اس نے رس بھریوں کا بھی صفایا کیا۔ پہلے علم ہوتا کہ وہ بھی تھیں تو شامی کبابوں کے ساتھ ہی انہیں بھی فنا کر دیتا۔ کنووں کو بھی اور نان مچھلی کو بھی۔

کچھ بھی ان کے لیے نہ چھوڑتا۔ رہ جاتیں تینوں کی تینوں بھوکی۔

نان مچھلی! ایز دہنس دیا۔ مچھلی کانٹوں والی تھی۔ جب کانوں میں مہر کی مکھی جیسے جھنجھناہٹ اتری تو مزہ ہی آ گیا۔ دل کو ایک خاص قسم کی تسکین حاصل ہوئی۔

تینوں بڑی مشکل میں پڑی ہوئی تھیں۔ کتنا مزہ آ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ تیزی سے رس بھریوں کا صفایا کیے جا رہا تھا۔ لیکن۔۔۔۔۔۔۔لیکن یہ کیا۔۔۔۔۔۔۔؟

پھر جب اسے معلوم ہوا کہ وہ رس بھریاں سحر نے گیتی کی خاطر لی تھیں تو یکدم سارے کا سارا غصہ کافور ہو گیا۔ انتقام کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ کیسی مسمی سی صورت بنا کر وہ چھلکوں کو دیکھ رہی تھی۔

دل عجیب سے جذبوں سے معمور ہو گیا۔ بے حد اس پر ترس آیا۔۔۔۔۔۔۔ بے تحاشا پیار آیا۔۔۔۔۔۔۔ اپنی زیادتی پر افسوس ہوا۔

جانے کیا کچھ ہو گیا؟ رس بھریاں نہ کھا سکنے کا اس کو اتنا خیال نہیں ہوگا جتنی تکلیف خود اس کے سینے میں اتر گئی اس کی پسند کی چیز تھی اور کیسے اس نے اسے ترسایا۔ بے چاری اور وہ خود ظالم!

یہ کون سا جذبہ تھا؟ یہ کیسا نرالا سا تعلق تھا۔ کہ نہ کوئی ہوتے ہوئے بھی وہ لاتعلق نہیں رہ سکتا تھا۔

تب اس نے باقی رس بھریاں جیب میں ہی سنبھال رکھیں۔ شاید اس کے حضور یہ نذرانہ گزارنے کا موقع مل ہی جائے۔ اس کی زیادتی کا کچھ تھوڑا سا ازالہ ہو جائے!

اور پھر اس کا جذبہ یقیناً صادق تھا۔ سحر اور گیتی گھومنے کو چلیں تو سحر نے اسے بھی ساتھ ملا لیا۔ شاید اس لیے کہ اکیلی لڑکیاں نہ جائیں۔

سحر کی یہ پیش کش اس کے لیے بڑی حیات افروز تھی وہ اور سحر باتیں کرتے رہے۔ ادھر ادھر کی، ہنسی مذاق کی، گیتی خاموش تھی۔

بے شک اس نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی مگر وہ ساتھ تو تھی۔ وہ ان کی باتیں دلچسپی سے سن تو رہی تھی .... مسکرا تو رہی تھی۔

تقریباً آدھے شالیمار کا چکر لگا کر وہ بارہ دری میں پہنچے تو سحر کو پیاس لگ گئی۔

بڑی مبارک تھی سحر کی پیاس .... بڑا خوبصورت موقع ہاتھ آ گیا تھا۔

وہ چلی گئی تو دونوں چپ چاپ بیٹھے رہ گئے۔ تھوڑی دیر ایزد نے سوچا۔ کس طرح اس کے حضور یہ رس بھریاں پیش کرے۔

اس کی یہ حرکت کہیں اسے ناگوار ہی نہ محسوس ہو۔ کہیں اسے تھپڑ ہی نہ پڑ جائے کہ اسے تنہا دیکھ کر اس نے کیوں دی تھیں؟ سب کے سامنے کیوں نہ دیں۔

لیکن کچھ بھی ہو۔ بہت کچھ سوچ بچار کر کے اس نے جیب سے رس بھریاں نکال لیں۔ نیچی نگاہیں کیے وہ اپنی گود میں نجانے کیا دیکھ رہی تھی؟

بڑی ہمت کر کے اس نے وہ اسے پیش کر ہی دیں۔ مگر .... یہ کیا؟ حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبات نے اسے دیوانہ سا بنا ڈالا۔

اس کے رخسار پر کوئی تھپڑ نہیں پڑا تھا۔ اس کی حسین جبین پر کوئی بل نہیں آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غیض و غضب کے آثار نہیں جھلکے تھے۔

اس کی اس معصوم سی پیش کش کو نہ صرف اس نے معصومیت کے ساتھ مسکرا کر، شرما کر قبول کر لیا بلکہ اوپر سے سحر کے آ جانے پر کسی انمول و نایاب خزانے کی طرح مٹھی میں دبا لیا تھا۔

اس حقیر نذرانے کو، ان چند رس بھریوں کو اس نے اتنی سعادت بخشی تھی، کاش! اس نے دل نکال کر اسے پیش کیا ہوتا۔

اک مسرت بھرا گنگناتا ہوا قہقہہ اس کے حلق سے پھوٹ نکلا .... یہ وہ

کیسی باتیں سوچ رہا تھا۔ یہ اس کا دماغ کن بھول بھلیوں میں الجھ رہا تھا۔

ایزد! یہ تم کیا کر رہے ہو! بیٹے جی! سیدھی سیدھی طرح ملازمت کرو! ورنہ ۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ ۔۔۔۔۔۔ اس دل کے معاملات میں الجھے تو پھر خیر نہیں۔ اب نیندیں اڑائے بیٹھے ہو۔ حسین حسین سپنوں میں کھوئے ہو۔ اس کی حسین اور خوش گوار باتوں، حرکتوں اور یادوں کے ساتھ بیٹھے رت جگا منا رہے ہو۔ اس شب بیداری کے بعد دن کو کام کیسے کر سکو گے؟ کیا ملازمت سے ہاتھ دھونے کا ارادہ ہے ؟

اور ابھی وہ خود کو کوئی جواب نہیں دے پایا تھا کہ پھر گم ہو چکا تھا۔ خیالات کے انہیں نخلستانوں میں کھو چکا تھا۔ پھر معنی خیز انداز میں مسکرائی تھی۔

اس نے تو مردانہ ہمت اور دلیری کے ساتھ اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دے دیا تھا۔ مگر اس پاگل لڑکی کو جانے کیا ہو گیا تھا۔ اس سے نگاہ ہی نہیں ملا رہی تھی۔ جیسے کوئی چوری کر بیٹھی تھی۔

ایزد کو صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا سارا وجود لرز رہا تھا۔ بند مٹھی اور دوسرا ہاتھ دونوں ہی کپکپائے جا رہے تھے۔ ایزد کو اس پر ترس آ گیا۔ جھٹ پٹ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس سے پہلے کہ سحر محسوس کر کے کچھ کہے۔ حیران ہو، یا مذاق اڑائے وہ جلدی سے بول پڑا۔

یہ تم کس پتھر کے بت کو پکنک منوانے لے آئی ہو۔ واہ سحرو! اچھی تمہاری سہیلی ہے۔ ہم انہیں کھا تھوڑا جائیں گے جو یہ ہم سے ایک آدھ بات کر لے گی

وہ پھر بھی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی

آپ سے شرماتی ہے بھائی جان!

سحر نے بغیر کچھ محسوس کیے اس کی حمایت کر دی تھی

اور وہ جب ہم سے لڑائی کی تھی

اس وقت ہم سب پاس تھیں۔ اگر آپ اسے کھانے کی کوشش کرتے تو ہم نے اسے بچا لینا تھا نا! اس لیے یہ اس وقت نہیں ڈری تھی۔

سحر ایک ہی شریر تھی۔ باتیں تو اس کے پاس گھڑی گھڑائی موجود رہتی تھیں۔

آؤ گیتی! امی واپس چلنے کو کہہ رہی ہیں

انہیں آنے کی بھی جلدی ہوتی ہے اور واپس جانے کی بھی

ڈیڈی بغیر اداس ہو جاتی ہوں گی

اس کی اس بات پر گیتی ہنس پڑی تھی

شکر ہے! ایزد نے دل میں سوچا آپ میں ابھی جان ہے ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ ہمارا نذرانہ قبول کرتے ہی وفات پا گئیں۔

اس وقت تو اس سوچ کے ساتھ ہنسی آ گئی تھی مگر اس وقت! گیتی کو خدانخواستہ کچھ ہو جائے تو۔۔۔۔۔۔۔؟ اس کا دل بیٹھ سا گیا یہ وہ کیسی باتیں سوچ رہا تھا۔

انسان کے خیالات کس طرح دم بدم اور لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہیں۔ پختہ ہوتے ہیں اور ابدیت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اب تو اسے مذاق میں بھی کوئی ایسی ویسی بات کہنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

گیتی نے بند مٹھی پر رومال لپیٹ لیا تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ کھیل رہی تھی۔ کھانے کا موقع نہ ملا تھا تو کس ہوشیاری سے اس نے سب سے چھپا لی تھیں۔

حسن معصوم ہوتا ہے مگر عشق و محبت! یہ جذبہ انسان کو ہر داؤ پیچ سکھا دیتا ہے۔ یقیناً اسے بھی کوئی لگاؤ اس کے ساتھ تھا۔

اور اسی احساس نے خود ایزد کے جذبات کو کچھ اور بھی تقویت بخش دی تھی۔ گیتی اس کی تھی۔ گیتی صرف اس کی تھی۔ اس کی زندگی کا مدھر گیت!

بیٹھا تھا۔ یہ کونسا جوگ تھا جو وہ لینے جا رہا تھا

محبت! محبت!! محبت!!!

جانے کہاں کہاں سے صدائیں آنے لگیں؟ سینے کے اندر سے، دماغ کے اندر سے، ایک ایک سانس سے

نہیں نہیں! یہ سب فرسودہ باتیں، فرسودہ قصے ہیں، اس نے سر جھٹکا تو سلجھنے کی بجائے پھر انہی الجھاؤں میں الجھ گیا۔

واپس گھر آئے تو ایزد کا کتنا جی چاہا تھا کہ گیتی کو اس کے گھر پہنچانے کی ذمہ داری اس کے ذمے پڑے۔ مگر۔۔۔۔۔۔۔

یہ سحر کی بچی! پتہ نہیں مجھے کیا سمجھتی ہے۔ اپنی سہیلی کو مجھ سے کیوں اتنا بچا بچا کر اور چھپا چھپا کر رکھتی ہے۔ بڑی اماں بن کر خود اسے اس کے گھر چھوڑنے گئی کہ شاید کہیں میں اس کا گھر نہ دیکھ لوں۔

پھر رکشے میں دونوں بیٹھ کر شوں کر کے نکل گئیں تو اسے بے حد غصہ آیا۔

گیتی پر نہیں۔ اس بے چاری کا کیا قصور؟ سحر پر! بھلا بہنیں ایسی ہوتی ہیں۔ وہ تو خود بیچ پڑ کر بھائیوں کے معاملات سلجھاتی ہیں۔

اچھا سحر! تو دیکھ تو سہی! تیرے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ ایسی جگہ بیاہوں گا۔ ایسی جگہ بیاہوں گا کہ بس! نہیں! نہیں!! میری پیاری بہن! خدا تجھے سدا سکھی رکھے۔ تو نے تو میری زندگی کو بہاروں سے ہمکنار کیا ہے۔

یکا یک سحر کی محبت رگ و پے میں دوڑنے لگی

تو، مہر، ممی، ڈیڈی، اتنی محبتیں دینے والی ہستیاں، خوش نصیبوں کے نصیب میں آتی ہی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر۔۔۔۔۔۔۔ گیتی! میری حیات کا سہانا اور مدھر گیت! میرے دل کی یہ آبادی بھی تو تیری ہی وجہ سے ہے

وہ بے اختیار مسکرا رہا تھا

تو لاکھ اسے مجھ سے چھپا کے رکھ! ایک دن آئے گا کہ وہ اگر لاکھ پردوں میں بھی چھپی ہوگی تو میری خاطر تو اسے خود ڈھونڈنے کی کوشش کرے گی۔ ارے!

اچانک سامنے میز پر نظر جا پڑی ٹائم پیس دو بجا رہا تھا۔

سو جا ایزد رضا! ورنہ ایسا نہ ہو کہ کل تیری ملازمت کا آخری دن ہو جائے۔ ایدز بتی گل کر کے لیٹ گیا۔

پھر تجھے اس چنبیلی کی کلی کی مہک بھی نصیب نہ ہوگی کہ ہر لڑکی کے والدین لڑکے کی ملازمت بھی دیکھا کرتے ہیں۔ بے کار کو تو کوئی لڑکی نہیں دیتا۔ اور مجھے ------ تجھے حاصل کرنا ہے۔ شب بخیر! میری عزیز ہستیو! میٹھی میٹھی نیند سو جاؤ !

جانے کیا کیا بڑبڑاتے ہوئے وہ نیند کی آغوش میں سماتا چلا گیا۔

☆

سحر نے ایک طویل انگڑائی لی۔ چند لمحے مسرت بھرے انداز میں کچھ گنگناتی رہی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آپ ہی آپ مسکرائے جا رہی تھی۔

رات وہ بڑی پر سکون نیند سوئی تھی۔ پچھلی کئی راتوں کی نسبت زیادہ پر سکون۔۔۔۔۔۔۔!

یوں جیسے انسان کوئی عائد شدہ فرض ادا کر بیٹھے۔ کسی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے۔ کچھ اسی طرح اسے محسوس ہو رہا تھا۔

گیتی کی امی بانو بیگم سے اسے عجیب قسم کا لگاؤ تھا۔ خود وہ بھی نہ سمجھ سکی کہ کیسا۔۔۔۔۔۔؟ اس کی سہیلی کی ماں تھی۔ اس لحاظ سے تو وہ عزیز تھیں ہی!

اس کے علاوہ بھی کوئی بات تھی۔ وہ شاید ان کی نیکی اور پرہیز گاری تھی۔ ان کے چہرے کا تقدس تھا جو ہمیشہ ان کی عزت کرنے کو جی چاہتا ان کے کسی کام آنے کو جی چاہتا۔

ان کے پاس بیٹھ کر ان کی باتیں سننے کو جی چاہتا۔ اور سحر جب بھی گیتی سے ملنے آتی تو بانو بیگم کے تقدس کے حضور ضروری حاضری دیتی۔

اور یہی بانو بیگم تھیں جنہوں نے اس کے سپرد ایک کام کیا تھا۔ سحر چاہتی تھی یہ کام ضرور انجام کو پہنچے۔ زندگی میں پہلی بار تو انہوں نے اس کی عقیدت و لگاؤ کا زمایا تھا۔

اور وہ اس آزمائش میں پورا اترنا چاہتی تھی۔ گو انہوں نے مجبور نہیں کیا تھا۔ بس چلتے چلتے اپنی پریشانی بتائی تھی۔ مگر سحر تو خود ہی ان کی اس پریشانی کو دور کرنا اپنا فرض سمجھ بیٹھی تھی۔ ان کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے شاید!

اور پھر اسی لیے اس نے یہ تمام پاپڑ بیلے تھے۔ اتنے جھوٹ بولے تھے اتنی مکاریاں کی تھیں! اتنی چالاک بنی تھی۔

بے شک ابھی واضح طور پر نتیجہ کوئی نہیں نکلا تھا۔ مگر گیتی اور ایزد کے انداز سے

اسے یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا۔ کہ کام انتہائی تسلی بخش ہو رہا تھا۔

یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔ بہت لوگوں سے میل ملاپ تھا۔ اس لیے کافی سمجھ دار ہو گئی تھی۔ اور خصوصاً ایسے معاملات کا تو اسے بڑا تجربہ تھا۔

کل کا سارا دن بظاہر اس نے سیر و تفریح کی شوقین لڑکیوں کی طرح ہنس کھیل کر اور کھا پی کر گزارہ تھا مگر دراصل اس کی نگاہ ان دونوں پر ہی رہی تھی۔

ایزد کے انداز تو واضح طور پر گیتی کے لیے پسندیدگی عیاں تھی وہ اس کی اس پر بار بار اٹھنے والے نگاہیں! لبوں پر رقصاں دھیما دھیما تبسم! آنکھوں کی چمک! شوخ شوخ فقرے بازی! بار بار اسی سے الجھنا!!!

سب کچھ ہی اس کی دلالت کرتا تھا۔

یوں بھی گیتی ایسی تھی کہ شاعر کا تخیل، مصور کا تصور اور بت تراش کا ماڈل بن سکتی تھی۔

پھر ایزد پتھر کا بت نہیں تھا۔ خدا کا بنایا ایک گوشت پوست کا انسان تھا۔ سینے میں آرزوؤں اور امنگوں بھرا دھڑ دھڑ دھڑکتا دل رکھتا تھا۔ اور جذبات میں جوانی۔

وہ کیسے نہ اس سے متاثر ہوتا۔ وہ کیسے نہ اپنی امنگوں بھری دنیا اس کے قدموں میں نچھاور کرتا۔ سب سے بڑی بات وہ ایک مرد تھا۔

خود سحر کو یہ کہنے میں کوئی باک نہ تھا کہ گیتی ایسی شرم کی پڑیا مانند لڑکیوں کو ناپسند کرنے کے باوجود اس نے اسے اپنی سہیلی بنایا تھا۔

کیوں؟ صرف اس کے چاند ایسے حسن سے متاثر ہو کر!! اس کی کلیوں ایسی معصومیت سے متاثر ہو کر! اس کی پھولوں ایسی نزاکت سے متاثر ہو کر اس کی ستاروں ایسی چمک دمک سے متاثر ہو کر!!!

ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔ نہ وہ کسی کی اعلٰے عادات کی قائل تھی! نہ صفارت کی، نہ ذہانت کی

عادات وصفات کے معاملے میں تو اس کا خیال تھا کہ جیسے ماں باپ خود ہوتے ہیں، اسی قسم کی تربیت اولاد کو دیتے ہیں۔تب ویسی ہی اولاد بن جاتی ہے۔

کوئی بھی بچہ ماں کے پیٹ سے اچھی یا بری عادات لے کر پیدا نہیں ہوتا۔اور کردار کی تعمیر میں کسی کا اپنا قصور یا اچھائی کم ہی ہوتی ہے۔

کچھ خون کے اثر سے ملی ہوئی اچھی یا بری باتیں اور کچھ اچھی یا ناقص تربیت! پھر ایک انسان جو بھی بن جائے۔بن جائے۔

البتہ شکل صورت اللہ میاں کا بہت بڑا عطیہ ہوتا ہے جسے مل جائے وہ خوش قسمت !

اور اس لحاظ سے گیتی بڑی خوش قسمت تھی

وہی قابلیت اور ذہانت کی بات تو جس نے توجہ دے دی وہ ذہین ہو گیا اور بے پرواہی برت لی تو غبی۔

ویسے ذہانت کی خود اس کے پاس کمی نہیں تھی۔اسے اپنی ذہانت پر اعتماد تھا۔کسی دوسرے کی دیکھنے پرکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

اور یوں صرف گیتی کا حسن ان کی دوستی کا باعث بن گیا تھا۔ایک عورت ہو کر جب اسے گیتی کے حسن نے متاثر کیا تھا تو ایزد کو کیوں نہ کرتا اور اگر نہ کرتا تو اسے ایزد کے انسان ہونے پر ہی شک گزرتا۔

کہ انسان کی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے۔اور حسن اپنے اندر کشش ثقل رکھتا ہے۔ہر کوئی انسان اس کی طرف کھنچ جاتا ہے۔

اور پھر جہاں مخالف جنس کا معاملہ ہو! عورت اور مرد کا انسانی فطرت کا۔جبلت کے تقاضوں کا!!

ایزد کی طرف سے تو پہلے ہی اسے یقین تھا کہ پہلی ملاقات میں ہی مات کھا جائے گا البتہ گیتی کی طرف سے اسے ذرا پریشانی تھی۔

اور وہ پریشانی تو آدھی اسی وقت کم ہوگئی تھی جب اس نے ایز دکو دیکھا تھا۔ تین گھنٹے اس کے ساتھ کیفے میں گزارے تھے۔

وہ وجیہہ تھا، وہ قابل تھا، بہت سارے دکھوں سے سینہ تارتار ہونے کے باوجود زندہ دل تھا اور بڑی خوب صورت باتیں کرنے کا سلیقہ اسے آتا تھا۔

اور ایک مرد کی یہی خصوصیات تو ہوتی ہیں جو کسی جوان لڑکی کا دل موہ سکتی ہیں۔

رہا خلوص دوفا کا معاملہ تو؟

اس کے متعلق سحر کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ جن دو انسانوں کی نبھ گئی وہ مخلص اور باوفا ہو گئے۔ جن کی نبھ نہ سکی وہاں جفا بھی آ گئی۔ وہاں خلوص کی کمی بھی ہوگئی۔

یہ سب تو حالات پر منحصر ہوتا ہے۔ ورنہ انسان کا دل۔ اور خصوصاً ایک مرد کا دل ــــــــ وہ ان خلوص ووفا کے چکروں سے علیحدہ ہوتا ہے۔

وہ ہر نئے لمحے اور ہر حسین عورت سے دل لگا سکتا ہے۔ اس پر کوئی خلوص ووفا کی پابندی اور کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ــــــــ وہ آزاد مخلوق ہوتا ہے، کسی بھی پابندی اور کسی بھی ذمہ داری سے مستثنےٰ

مرد قوم، زندہ باد!

سحر نے سوچوں میں کھوئے مسکرا کر نعرہ لگایا۔

اور پھر اٹھ کر جلد جلد یونیورسٹی کے لیے تیار ہونے لگی۔

لباس تبدیل کرتے ہوئے، بال سلجھاتے ہوئے، ناشتہ کرتے ہوئے، غرض اس کا ذہن ایک لمحے کو بیکار نہیں بیٹھا تھا۔

گیتی کی طرف سے بھی وہ خاصی پرامید تھی۔ اسے پیاس و یاس بالکل نہیں لگی تھی۔ وہ تو اس نے محض بہانہ بنایا تھا۔ ان دونوں کو تنہا چھوڑنے کے لیے۔

ایسا نہ ہو خود اس کی ہر لمحہ کی موجودگی ہی کام بننے نہ دے کیونکہ ایسے معاملات ــــــــ یعنی دلوں کے معاملات کسی کی موجودگی میں طے نہیں پا

سکتے۔۔۔۔۔۔

حسن و عشق تنہا ہی ہوں تو معاملہ ٹھنتا ہے۔

سحر اپنی سوچوں پر خود ہی مسکرائے جا رہی تھی۔

زندگی بھی کیا چیز ہے؟ اس میں انسان کو کیسے کیسے عجیب رول ادا کرنا پڑتے ہیں

۔۔۔۔۔۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ کبھی اسے زندگی میں دو انسانوں کے درمیان

عشق و محبت کی پینگیں بڑھوانے کا رول بھی ادا کرنا پڑے گا۔

کتنا عجیب رول تھا۔ منفرد سا، یہ تو شاید حقیقی زندگی میں کبھی بھی کسی کو نہ ملا ہو۔

وہ سوچے جا رہی تھی! مسکرائے جا رہی تھی۔ اور ناشتہ کیے جا رہی تھی۔

باجی! جلدی کیجئے! دیر ہو جائے گی!

مہر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ جھٹ سے گھڑی دیکھی!

ارے!

ناشتہ ابھی پورا نہیں کیا تھا۔ اسی طرح ادھورا چھوڑ کر، اٹھ پڑی۔

ذہن پھر اپنے اس رول کو، جو اچانک ہی اس کے ذمے پڑ گیا تھا، بطریق احسن

پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سوچ و بچار میں مصروف ہو گیا۔

کیا خیال ہے؟ گیتی اور ایزد بھائی! آج فلم کا پروگرام نہ بن جائے؟

خیالوں ہی خیالوں میں ان دونوں سے مشورہ کرنے لگی

☆

ہیلو!

ہیلو!

ہیلو!

ہیلو!

آپ کون بول رہے ہیں؟

وہ الجھ پڑی

آپ کون بول رہی ہیں؟

توبہ! معلوم نہیں کون جاہل ہے جسے فون کرنے کا بھی شعور نہیں۔ وہ ہولے سے بڑبڑائی

جی۔ کیا کہہ رہی ہیں؟ ذرا بلند آواز میں بولئے

وہ پلیز! مینجر صاحب کو بلا دیجئے

کیا کہنا ہے انہیں؟

لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟

اس لیے کہ مجھے یہی حکم ملا تھا

کیا؟

یہ اگر کسی لڑکی کا فون آئے [illegible]

آپ آخر ہیں کون؟

وہ بری طرح جھنجھلا اٹھی

آپ کیوں نہیں بتا دیتیں کہ آپ کون ہیں؟

میں خواہ مخواہ ہی بتا دوں! میں تو لڑکی ہوں!

اور میں لڑکا!

اوہ یو۔۔۔۔۔۔

بس بس! آگے زبان سنبھال کر بولنا

اوہو! سحر کی ہنسی چھوٹ گئی

تو آواز بدل کر لوگوں کو پریشان کرنے کا بہروپ بھی آپ کو آتا ہے؟

لوگوں کو نہیں! صرف اپنی بہن کو

ایز ڈہنس رہا تھا۔۔۔۔۔۔

بہت خوش لگ رہے ہیں؟ کیا مل گیا؟

میری پیاری بہن! یہ میرا دفتر ہے گھر نہیں۔۔۔۔۔۔ جو تم فون سے چمٹ کر بیٹھ گئی ہو۔۔۔۔۔۔

اور میرا بھی گھر نہیں۔۔۔۔۔۔ یونیورسٹی ہے! آپ کیوں مذاق کیے جا رہے تھے؟

مقصد بتاؤ کہ فون کیوں کیا تھا؟

اب وہ بارعب لہجے میں بولا

ابھی دو چار منٹ تک سیٹھ صاحب آنے والے ہیں!

آج آپ کا کوئی پروگرام ہے؟

ہمارے پروگرام تم ہی بنانے والی ہو؟

پھر آج پورے تین بجے پہنچ جایئے گا!

کیوں؟

فلم دیکھنے جانا ہے

کس کس نے؟

میں اور آپ ۔۔۔۔۔۔ اور اگر ممی کا جی چاہا تو ۔۔۔۔۔۔

بس؟

بس سے کیا مطلب؟

گو سحر اس کے انداز سے ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ اور کس کے متعلق جاننا چاہتا تھا۔ مگر وہ دانستہ انجان بن گئی۔

اوہ! نہیں ۔۔۔۔۔۔ کچھ نہیں

وہ یکدم گڑبڑا گیا

مہر ابھی بچی ہے اسے زیادہ فلمیں نہیں دیکھنا چاہئیں

بات بنی نہیں سحر دل ہی دل میں ہنسی

تو مہر پہلے کب ہمارے ساتھ گئی ہے؟

سحر کو ہنسی آئے جا رہی تھی

اچھا! اچھا

پھر؟ آئیں گے نا؟

وقت ملا تو آ جاؤں گا!

واہ واہ! وقت کیوں نہ ملے گا؟

بھئی کسی کا نوکر ہوں، آزاد انسان نہیں ہوں؟

تو میں اور میری ایک سہیلی دونوں جوان اور حسین لڑکیاں! اکیلی فلم دیکھنے جائیں گی؟

کیا؟

اب ایزد چونکا۔۔۔۔۔۔

کون سی تمہاری سہیلی؟

ہائے بھائی جان! یہ کیسی حرکت ہے؟ آپ بھلا میری سہیلی کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہیں؟

اوہ! وہ بری طرح سٹپٹا گیا

کچھ نہیں! کچھ نہیں

ایزد نے جلدی سے ریسور پٹخ دیا۔ سحر ہنسی سے بے اختیار ہوئی جا رہی تھی۔

کس کو فون کیا ہے؟ کیا کوئی فرینڈ۔۔۔۔۔۔

ایک بے تکلف سی کلاس فیلو آ گئی۔۔۔۔۔۔

اوہ پاگل! اپنے بھائی کو کیا ہے!

مگر ہنس تو یوں رہی تھیں جیسے پتہ نہیں کون ہے؟

کیوں؟ بھائی کے ساتھ بہن کا ہنسنا بولنا منع ہوتا ہے؟

نہیں تو!

وہ کھسیانی سی ہو کر رہ گئی۔۔۔۔۔۔

ہر وقت لوگوں کے بوائے فرینڈز تمہارے دماغ پر کیوں سوار رہتے ہیں؟

اس لیے۔۔۔۔۔۔ اس نے ٹھنڈا سانس بھرا

کہ ہمارا کوئی نہیں

تو جاؤ مرد بنا لو!

سحر نے جھک کر میز سے کتابیں اٹھائیں۔۔۔۔۔۔

اب کہاں؟

چھٹی

چھٹی۔۔۔۔۔۔

ہاں چھٹی کر کے گھر جا رہی ہوں ۔۔۔۔۔۔

کیا بات ہے؟ آج کل تمہارا گھر میں بہت دل لگنے لگا ہے۔ پہلے تو شام تک یہیں گھومتی پھرتی نظر آیا کرتی تھیں۔

دیر سے گھر جاؤں تو بھیا سے ڈانٹ پڑ جانے کا خطرہ ہے۔ انہیں دیر تک میرا یہاں رہنا پسند نہیں۔

سحر نے بڑے تفاخر سے جواب دیا

تو پہلے پسند تھا

باہر گئے ہوئے تھے، اب آئے ہیں

یعنی کہ نکیل ڈال دی، انہوں نے ۔۔۔۔۔۔

بس یہی سمجھ لو!

بڑے مطمئن انداز میں کہہ رہی ہو!

تو اور کیا ۔۔۔۔۔۔ بھائی کی بات کا مان رکھنا ہی پڑتا ہے۔ یوں بھی وہ کچھ غلط تھوڑا ہی کہتے ہیں؟ عین مذہب اور شرع کے مطابق

مولوی ہوں گے؟

سحر کا قہقہہ چھوٹ گیا

مذہب اور شرع پر چلنا کیا صرف مولویوں کا ہی فرض ہے؟

سحر چمک کر بولی!

پاگل! میرے بھائی کو دیکھ لو تو ایک منٹ میں اس پر فدا ہو جاؤ۔ ایسا ہینڈسم! ایسا لائق اور ایسا مزیدار انسان ہے

سحر بڑے انداز سے مسکرائی

بڑی مزے کی باتیں کرتے ہیں۔ کہو تو کل انہیں یہاں لاؤں؟

دفان ہو! سحر کی بچی! تم سدا کی بدتمیز ہی رہیں

وہ کلاس فیلو پھر کھسیانی سی ہو گئی

تمہارا بوائے فرینڈ کوئی نہیں نا؟

اب بکواس نہ کیے جا!

باتیں کرتے کرتے وہ سحر کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی سے باہر تک چلی آئی تھی

ارے! تمہیں کلاس نہیں اٹینڈ کرنا تھی؟

اور تمہیں؟

میں نے تو بتایا نا کہ ضروری کام کی وجہ سے جلد جانا ہے اور تم نے مجھے باتوں میں لگا کر دیر کرا دی۔

باتوں میں لگا کر تو تم نے میری کلاس مس کرا دی

میرے بھائی کی باتیں سن کر تم خود اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھیں

دیکھ سحر!۔۔۔۔۔۔

خدا حافظ

اس کی پوری بات سنے بنا، ہاتھ ہلاتے ہوئے اور سر پر احتیاط سے دوپٹہ اوڑھتے ہوئے سحر سڑک پر نکل گئی۔

بڑے چیلنج آیا ہے اس لڑکی میں؟

وہ بڑبڑاتے ہوئے اور مڑ مڑ کر دیکھتے ہوئے اپنی کلاس کی طرف چلی گئی۔

☆

ارے! یہ تم اس وقت؟

گیتی اٹھ کر بیٹھ گئی

اور تم اب تک بستر میں ہو، خیر تو ہے؟

سحر بھی وہیں اس کے پاس ہی پلنگ پر بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔

بس! ایسے ہی۔۔۔۔۔۔طبیعت ذرا کسلمندی تھی

جانے کیوں سحر کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی؟

کس قسم کی کسلمندی؟

نیند اچھی طرح نہیں آسکی

کیوں بھلا؟

اب مجھے کیا پتہ؟

گیتی اس کی جرح سے جھنجھلا اٹھی

اور میں جانتی ہوں سحر مسکرائی

کیا؟ گیتی نے سٹپٹا کر پوچھا

تم کیا جانتی ہو؟

بعض وقت تھکن زیادہ ہو تو تب بھی نیند اچھی طرح نہیں آتی

ہاں! گیتی نے اطمینان کا سانس لیا

شاید یہی وجہ ہو؟

لیکن یہ سحر کیوں اس طرح معنی خیز انداز میں مسکرائے جارہی تھی؟ گیتی کو ذہنی طور پر اس کی مسکراہٹ بوکھلائے دے رہی تھی۔ پریشان کیے دے رہی تھی۔

پھر؟ کیا آج سارا دن ہی بستر میں گزارنے کا ارادہ ہے؟

ہوں! آں! لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟

گیتی کی جگہ پر سحر بڑے سکون سے دراز ہوگئی

گیتی نے ذرا پرے ہٹ کر اسے جگہ دی

فلم دیکھنے کا پروگرام تھا۔ سوچا تمہیں بھی لے لوں۔ سارا دن اکیلی پڑی رہتی ہو

کون کون جا رہا ہے؟

گیتی نے جھٹ سے پوچھا

میں اور تم

سحر بظاہر اپنے سینے پر رکھی کتابوں کو الٹ پلٹ کر رہی تھی مگر دزدیدہ نگاہی سے دیکھ گیتی کو رہی تھی۔

بس؟ صرف میں اور تم؟

شاید ممی کا پروگرام بھی بن جائے؟

سحر مسکرائی

اکیلی عورتیں؟

گیتی نے کہا۔ سحر کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔

ہنستی کیوں ہو؟

گیتی بگڑ گئی

ہنسی اس لیے ہوں کہ کیا پھر رفیقے کو ساتھ لے لیں

سحر نے بات بنائی

یہ تمہیں ہر وقت رفیقا کیوں یاد آتا رہتا ہے؟

مجھے اچھا لگتا ہے اس لیے!

تجھے خدا سمجھے!

اب گیتی بھی ہنس پڑی

پھر؟ چلتی ہو؟

کچھ ایسا موڈ نہیں!

نہ بھئی بنالو! تمہارے ساتھ فلم دیکھے بہت دن ہو گئے

امی کہیں گی اب روز روز ہی گھر سے غائب ہونے لگی ہے

اور جب تو سدا کے لیے اس گھر سے غائب ہو گئی؟

کیا اس عالم شباب میں مر جاؤں گی؟

گیتی مسکرائی

تو بڑی ڈھیٹ ہے فکر نہ کر سو سال زندہ رہے گی

اور تم تو جیسے اتنی خوددار ہو کہ ابھی مر جاؤ گی

نہ بھئی ابھی نہیں

سحر سنجیدگی سے بولی

آج کی فلم دیکھ لوں!

کیوں؟ آج کوئی خاص بات ہے، جو تین گھنٹے کی مہلت مانگ رہی ہو

ایزد بھائی کی جیب پر ڈاکہ ڈالنا ہے

ساتھ ہی سحر نے آنکھوں کے گوشوں سے گیتی کو دیکھا

ایزد کے نام پر اس کا چہرہ یکدم گلنار ہو اٹھا تھا

تو گیتی! مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کر میں نے کل بھی تیرے چہرے پر پھیلتے گلال اور تیرا حیا سے سمٹتا وجود دیکھ لیا تھا اور آج بھی تیرا یہ پوچھنے کا انداز ا کیلی عورتیں؟

میں جان گئی ہوں سب کچھ۔ کیا بھلا پہلے صرف میں اور تم فلم دیکھنے کبھی نہیں گئیں۔ صرف میرے ہی ساتھ جانے کی تو تمہیں والدین سے اجازت ملی ہوئی ہے کہ میں حافظ متین کی بیٹی ہوں

سحر نے دل میں سوچا

لیکن۔۔۔۔۔۔۔وہ دیکھونا

گیتی خواہ مخواہ ہی لیت و لعل کرنے لگی۔صرف ایزد کی طرف سے لاتعلقی کا اظہار کرنے کی خاطر۔۔۔۔۔۔

اب کسی غیر کے ساتھ فلم دیکھنے جائیں

اور ابھی جو تم نے کہا تھا کہ اکیلی عورتیں کیسے جائیں؟

اور یہ بھی تو نہیں کہا تھا کہ ایزد ساتھ چل پڑیں

تو پھر حافظ صاحب کو لے چلتے ہیں

سحر اکثر اپنے باپ کے متعلق ڈیڈی کی بجائے حافظ صاحب کہہ کر بات کر لیا کرتی تھی۔گیتی ہنس پڑی۔خود سحر بھی مسکرانے لگی۔

تو اور کیا؟ ساتھ اکیلی عورتوں کے جانے پر اعتراض ہے اور ساتھ یہ بھی پابندی کہ ایزد بھائی نہ جائیں۔اس کے علاوہ پھر یا حافظ صاحب ساتھ جا سکتے ہیں اور یا سیٹھ امان

توبہ! توبہ! گیتی نے ہنستے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

باوا جان تو ساری فلم میں اتنی باتیں کرتے ہیں کہ مزہ کرکرا ہو جاتا ہے اور یوں بھی اب جب سے عقل و ہوش آئی ہے تو باوا جان کے ساتھ جاتے مجھے شرم آتی ہے

شرم کس بات کی؟

بعض سین عشق و محبت اور رقص وغیرہ کے ایسے ہوتے ہیں کہ باپ کے پاس بیٹھ کر نہیں دیکھے جاتے۔

چلو پھر! ایزد بھائی ٹھیک ہیں۔ان کے ساتھ بیٹھ کر سب کچھ دیکھا جائے گا۔

ہائے اللہ! سحر! یہ تم کیسی باتیں کرتی ہو؟

بالکل ٹھیک عین فطرت کے مطابق

جاؤ! میں نہیں جاتی

نہ جاؤ!

سحر لاپرواہی سے کندھے جھٹکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی

ہم تو جائیں گے!

کتابیں سمیٹیں! پرس بازو میں لٹکایا

یہ کیا ہو رہا ہے؟

بھئی دیکھ نہیں رہیں۔ ایک بج گیا ہے۔ گھر جا کر ابھی کھانا کھانا ہے۔ پھر تیار ہونا ہے اور ساڑھے تین بجے فلم شروع ہو جاتی ہے۔

پھر سحر بڑبڑائی

میں ہمیشہ آخری شو دیکھنا پسند کرتی ہوں۔ صرف تمہاری خاطر یہ وقت رکھا تھا کہ شام تک واپس گھر بھی تو پہنچ جاؤ۔

سحر یونہی بڑبڑاتے ہوئے اپنی چیزیں اٹھا چل پڑی

خاصی دھیمی چال تھی کہ اتنی دیر میں گیتی اپنے آپ سے کچھ فیصلہ کر لے۔ اس کے انداز سے جان گئی تھی کہ اندر سے وہ بالکل راضی تھی۔ بس اوپر سے ہی نخرے کئے جا رہی تھی۔

خواہ مخواہ میں نے آج کی دو کلاسیں بھی چھوڑیں۔ کیا پتہ کوئی ضروری لیکچر ہی آج ہو جائے۔ اتنا میرا نقصان ہوا۔

یونہی بڑبڑاتے بڑبڑاتے وہ دروازے تک جا پہنچی

سحر! سنو! رک جاؤ!

میں چلتی ہوں! میں چلوں گی!

نہیں! نہیں! تم آرام کرو

بھئی سنو تو۔۔۔۔۔۔۔ ناراض مت ہو!

ناراض نہیں ہو رہی۔۔۔۔۔۔۔ تم بھی ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ایز د بھائی نے ساتھ

جانا ہے۔

اب سحرا سے ستانے پر تل گئی تھی۔

وہ دیکھونا!

گیتی اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئی

گھر میں بھی پڑی بور ہی ہوں گی نا

بور کیوں ہو گی؟ تمہارا یہ دستور ہے۔ سارا دن بستر پر پڑے اینٹھتے رہنا۔

کب سارا دن بستر پر پڑی رہتی ہوں؟ اتنے کام تو کرتی ہوں

صرف شامی کباب ہی بناتی ہونا

گیتی ایکدم ہنس پڑی

اب وہ نہیں بنانا پڑتے

کیوں؟

سحرانجان بن گئی

وہ ۔۔۔۔۔۔ مینجر جو ہے نا؟ کہیں کھو گیا ہے؟

کیا مطلب؟

سحر بڑے انداز سے چونکی

تو اب کوئی اور ۔۔۔۔۔۔

نہیں! میرا مطلب یہ نہیں

گیتی اسے گھسیٹ کر واپس لے گئی

ہماری مل میں مینجر وہی ہے۔ کھونے سے میرا مطلب تھا کہ اب وہ اکثر غائب ہی رہتا ہے۔ کھانا وغیرہ بھی کم ہی یہاں سے کھاتا ہے۔ گیتی ہنس ہنس کر دوہری ہوئی جا رہی تھی۔

باوا جان! بڑے پریشان ہیں آج کل

کیوں؟ اب وہ کام دھیان سے نہیں کرتا؟

کام اسی طرح کرتا ہے۔ اپنے سارے فرائض بالکل اسی طرح تن دہی سے نبھاتا ہے

پھر! خالو جان پھر کیوں پریشان ہیں؟

سحر انجان بنی پوچھے جا رہی تھی

اس لیے کہ وہ قسمت کی پڑیا کسی اور کی قسمت نہ بن جائے

کیا؟

امی سے باتیں کر رہے تھے میں نے سن لیں

کیا باتیں کر رہے تھے؟

وہ کہتے تھے کہ اس کا مجھ سے کرنے کی ان کی بڑی خواہش تھی مگر امی اپنے بھانجے بھتیجوں کے متعلق ہی سوچتی رہیں۔ اور اب شاید وہ کہیں اور دل لگا بیٹھا ہے۔ اسی موضوع پر باوا جان امی سے خوب جھگڑ رہے تھے۔

تو چل اچھا ہوا۔ تو بھی تو اسے پسند نہیں کرتی تھی۔ خود بخود ہی تیرا اس سے پیچھا چھوٹ گیا۔

ہاں!

گیتی بڑی ترنگ میں تھی۔ مزے سے مسکرا دی!

اب انیس اور صادق وغیرہ میں سے جو بھی تجھے پسند ہے مجھے بتا دے میں خالہ جان تک تمہاری مرضی پہنچا دوں گی

آن گیتی نے عجب بے بسی اور بے چارگی سے سحر کو دیکھا پھر روہانسی ہو کر دھیرے سے بولی

مجھے شادی کرنا ہی نہیں

کیوں؟

ہونٹوں تک پھسل پھسل آتی مسکراہٹ کو سحر نے بڑی مشکل سے قابو میں کیا

بس!

لیکن تم نے یہ فیصلہ کیوں کیا؟

ایسے ہی

مگر پہلے تو تم شادی کے خلاف نہ تھیں

مصنوعی تعجب سحر نے یوں چہرے پر سجالیا تھا جیسے وہ سچ مچ حیران تھی

اچھا چھوڑو اس معاملے کو

ہنستی کھلکھلاتی گیتی یکدم ہی دکھی سی ہوگئی تھی

اچھا بھئی! اس معاملے پر پھر کبھی تم سے تفصیلی بات کروں گی۔ ارے! ڈیڈی رے! ڈیڑھ بج گیا۔

عجلت میں بھی بذلہ سنجی اس کے ساتھ رہتی تھی۔ پھر اس نے واپسی کے لیے قدم اٹھائے۔

بس پانچ منٹ رک جاؤ سحر!

اور پانچ منٹ رک کر کیا کروں گی؟ میری اور تمہاری باتیں تو سینکڑوں ہزاروں سالوں میں بھی ختم نہیں ہوسکتیں۔

نہیں! باتیں نہیں کرنا۔ میرا مطلب ہے میں ذرا تیار ہو جاؤں۔

تو چل رہی ہو؟

ہاں!

گیتی گردن جھکا مجرمانہ اور پھیکے پھیکے سے انداز میں بولی

سوچ لو! بھائی جان ساتھ ہوں گے۔ بعد میں مجھے نہ کوستی رہنا سالگرہ والے دن کی طرح

وہ دیکھونا

گیتی قدرے رک رک کر بولی

آج جی بڑا اداس سا ہے

تمہاری اداسیوں کو میں اچھی طرح سمجھتی ہوں گیتی رانی!

سحر دل ہی دل میں مسکرائی

تمہارے ساتھ ذرا بہل جائے گا

اور بھائی جان؟

بھئی سینما ہال میں اور بھی تو بہت لوگ ہوتے ہیں۔ اور وہ پھر بھی تمہارا اپنا بھائی ہے

ہپ ہپ ہرّا! سحر کا دل جیسے تالیاں بجا بجا کر ناچ اٹھا

سکول میں، کالج میں، اس نے بڑے ڈرامے کھیلے تھے۔ مگر جتنا لطف اسے یہ ڈرامہ کھیلنے کا آ رہا تھا۔ اتنا کبھی نہ آیا تھا۔

گیتی تیار ہو رہی تھی اور سحر گیتی والے بستر پر دراز بڑے مسرور انداز میں گنگنا رہی تھی۔

چلو آؤ!

گیتی تیار ہو کر آ گئی۔ سحر نے نگاہ اٹھائی۔ اور پھر ------- جیسے وہ نگاہ لوٹانا ہی بھول گئی ہو۔

ہلکے پیازی لباس میں اس کا پیازی پیازی چہرہ بے حد پرکشش لگ رہا تھا۔ رات اچھی طرح سو نہیں سکی تھی اس لیے آنکھوں میں پیازی پیازی ڈورے جھلک رہے تھے جو اسے اور بھی خوبصورت بنائے دے رہے تھے۔

ستم بالائے ستم! آج اس نے بال بڑے اچھے طریقے سے بنائے تھے۔ جیسے ------- جیسے

خاص طور پر ایرز کی خاطر ------- شعوری طور پر وہ ذرا احتیاط سے تیار ہوئی

تھی۔ کسی کی نگاہوں کا مرکز بننے کے لیے۔۔۔۔۔۔کسی کے دل کا ارمان بننے کے لیے! اور کسی کی چاہت بننے کے لیے!!!

اس کے دل میں یہ خواہش تھی، یہ آرزو تھی، یہ تمنا تھی۔۔۔۔۔۔

سحر پر سب کچھ عیاں ہو گیا تھا۔ وہ اس کے جذبات و واقعات سے اچھی طرح واقف ہو گئی تھی۔ لیکن۔۔۔۔۔۔گیتی پر اس کی کسی تبدیلی کا اس نے اظہار نہیں کیا۔

یہ جو کچھ ہو رہا تھا۔ عین اس کی مرضی کے مطابق ہی تو ہو رہا تھا۔ اور ۔۔۔۔۔۔دل کے ویرانے گیتی کے آباد ہو رہے تھے اور خوشی سحر کی رگ و پے میں سمائی جا رہی تھی۔

اس کی گنگناہٹ تیز ہو گئی اور وہ کچھ بولے بنا اٹھ کھڑی ہوئی۔

ارے! خالہ جان سے تو پوچھا ہی نہیں

تم مجھ سے ایسی توقع رکھتی ہو؟ امی سے اجازت لے کر ہی تیار ہوئی تھی ۔۔۔۔۔۔تمہاری طرح نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔

نہیں بھئی! اب تو ہم بھی اپنی امی کی اجازت کے بغیر گھر سے قدم نہیں نکالتے۔۔۔۔۔۔

سحر نے کھرے دل سے اپنی نافرمانی کا اعتراف کر لیا اور ساتھ ہی آئندہ سے فرماں بردار رہنے کا بتا بھی دیا۔

سچ؟ گیتی خوش ہو گئی

ہاں!

لیکن یہ تبدیلی کیوں؟

گیتی کے متبسم لب ہلے

جب کوئی دو مختلف طبقوں کے انسان ایک دوسرے کے بن جائیں۔۔۔۔۔۔

دونوں میں خلوص ہو، جذبے سچے ہوں تو دونوں میں سے ایک کو بدلنا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ گزارہ نہیں ہوتا۔

میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی

تم سدا کی کوڑھ مغز ہی رہیں۔ چلو جلدی! دیر ہو رہی ہے۔ سحر نے پھر بکھری چیزیں سمیٹیں

سحر نے لپک جھپک چیزیں سمیت کر گیتی کا بازو پکڑ لیا اور کھینچ کر کمرے سے نکال لے گئی۔

☆

تین بج گئے تھے مگر ایزد ابھی تک نہیں آیا تھا۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر سحر اور گیتی بیٹھی گپیں مار رہی تھیں۔

ممی کب کی آرام کرنے کے لیے اور در حقیقت شروع کیا ہوا ایک ناول ختم کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔

بھائی جان نے تو حد کر دی

سحر تھوڑی دیر بعد یہ فقرہ کہہ دیتی

گیتی بظاہر بے پرواہ اور لاتعلق سی بنی بیٹھی تھی۔ مگر ذرا ذرا سی آہٹ پر چونک کر ایک دم سرخ ضرور ہو جاتی تھی۔

پھر سحر دل ہی دل میں مسکرا پڑتی ۔۔۔۔۔۔

کیوں پھر! کیسی رہی گیتی جان! اب ساری زندگی شامی کباب بنانا میرے لیے۔ ہائے وہ لمحہ کیسا ہوگا؟ جب تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ ایزد بھائی کون ہیں؟

ساتھ ساتھ یہ سوچ کر وہ محفوظ بھی بہت ہو رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

ساڑھے تین بج گئے۔ فلم شروع ہو گئی ہوگی اور ایزد کا دور دور کہیں پتہ ہی نہ تھا۔

اب سحر تھوڑی دیر بعد جا کر کھڑکی سے باہر جھانکنے بھی لگی تھی۔

جانے کیا ہو گیا ہے؟ وہ باآواز بلند بڑبڑاتی پھر رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

انہوں نے تو ہمیشہ وقت کی پابندی ہی کی ہے۔ آج پتہ نہیں کیا معاملہ ہو گیا؟

گیتی کی طرف سے بھی شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔ کہ ایزد کے کردار کی کوئی خامی وہ اس کی نگاہ میں آنے نہیں دینا چاہتی تھی اور ایزد نے اتنی سخت وعدہ خلافی کر دی تھی۔ بہت برا ہوا تھا۔ وہ تو گیتی کے سامنے اتنی اس کی تعریفیں کیا کرتی تھی۔

تھی۔ گیتی کی آج کی سج دھج نے ایزد کے رہے سہے تو اس یقیناً چھین لینا تھے۔ یہ اسے یقین تھا۔

اور یوں اسے آج ضرور آنا چاہیے تھا۔ ایک بار پھر سحر نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔

ارے! یہ تو چار بج گئے

اب تو فلم کا وقت بالکل بالکل ہی نکل گیا تھا۔ دونوں ہکا بکا بیٹھیں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ مہر ہی آ جاتی۔ کچھ اسی کی ادھر ادھر کی باتوں میں اس طرف کا خیال ہٹ جاتا۔ اس سے تو گیتی سے بات کرنے کے لیے بھی اب کوئی موضوع نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس تو گیتی سے آنکھ نہیں ملائی جا رہی تھی۔

پریشانی سی پریشانی تھی۔ سحر الجھی جا رہی تھی۔

گھر میں کیسے آرام سے وہ آرام کر رہی تھی۔ خواہ مخواہ اسے پریشان کیا۔ جھنجھلاہٹ اور ندامت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

اچھا ایزد بھائی! ایسا بدلہ لوں گی کہ۔۔۔۔۔۔

اسلام علیکم!

وہ دل ہی دل میں اپنے غصہ سے سوجے رخ پر ہاتھ پھیر پھیر کیا ایزد کو کوئی دھمکیاں دیئے جا رہی تھی کہ مہر ایک سہیلی کے ساتھ آ پہنچی۔

وعلیکم اسلام! لیکن یہ تم نے اتنی دیر کیوں لگائی؟

ایزد کا سارا غصہ خود بخود ہی مہر پر اترنے لگا

وقت پر گھر آیا کرو؟ آئندہ اگر۔۔۔۔۔۔

سحر! گیتی نے مہر وکا پریشان چہرہ بھانپتے ہی یکدم سحر کی بات قطع کر دی۔

آؤ ہم ادھر تمہارے کمرے میں چل کر بیٹھیں۔۔۔۔۔۔

سحر مہر کو گھورتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مہر انتہائی حیرت سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

باجی نے پہلے تو کبھی اسے یوں دیر سے آنے پر نہیں ڈانٹا تھا۔وہ تو اس سے بھی زیادہ دیر دیر سے آیا کرتی تھی۔اور آج۔۔۔۔۔۔۔اس کی سہیلی کے سامنے بے عزتی کر ڈالی۔

اب میں اور بھی دیر سے آیا کروں گی

وہ بڑبڑاتے ہوئے اور بڑی تیکھی نگاہ سے سحر کو گھورتے ہوئے اپنی سہیلی کو بازو سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

سحر شاید اسے کچھ اور بھی کہتی مگر گیتی اسے کھینچ کر اس کے کمرے کی طرف لے گئی۔

اس کی سہیلی کے سامنے تو کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا نا۔۔۔۔۔۔۔شرمندہ ہوگئی ہو گی بے چاری!

اب تم بھی مجھے ہی قصوروار ٹھہراؤ۔۔۔۔۔۔۔

وہ بچی ہے سحر!اور سچی بات۔۔۔۔۔۔۔شروع سے تم نے اور آنٹی نے خود ہی یہ سب عادات اسے ڈالی ہوئی ہیں۔

سحر بڑی صاف دل اور عالی ظرف لڑکی تھی۔اپنی کسی غلطی یا خامی کا جھٹ سے اعتراف بھی کرلیا کرتی تھی

وہ تو درست ہے اور اس وقت دراصل مجھے ایزد بھائی پر غصہ آیا ہوا ہے اور نکل گیا اس پر۔۔۔۔۔۔۔

کس پر؟ کس پر؟

ایزد ہانپتے ہوئے اس کے کمرے میں آ داخل ہوا

میرا غصہ کس پر اتر گیا؟ ارے!

پھر وہ گیتی کو بھی وہاں موجود پا کر ٹھٹک گیا۔۔۔۔۔۔۔

تو آپ بھی تشریف فرما ہیں؟

جی۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔۔تسلیم۔۔۔۔۔۔۔!

گیتی گھبرا کر، لال گلال ہو کر جلدی سے پرے ہٹتے ہوئے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

جیتی رہو! عمر دراز!! نیک نصیب!!!

بڑی بوڑھیوں کی طرح اسے دعائیں دیتے ہوئے ایزد سحر کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اسے دیکھتے ہی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے رخ پھیر لیا تھا۔

بات دراصل یہ ہوئی کہ۔۔۔۔۔۔۔

ایزد اس کی خفگی کو سمجھ گیا تھا مگر صفائی میں اس نے جو کچھ کہنا چاہا سحر نے سنا ہی نہیں۔ درمیان میں ہی بات کاٹ دی۔

بس! بس! میں آپ کے ساتھ بالکل نہیں بولتی۔

سحر اسی طرح روٹھی کمرے سے باہر نکل گئی

مگر سنو تو سحر! سنو تو سحر!

ایزد اس کے پیچھے پیچھے لپکا

کیا سنوں؟ آج آپ نے مجھے بے حد شرمندہ کرایا ہے۔ گیتی کیا سوچتی ہو گی کہ میرا بھائی ایسے وعدے کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

لیکن سحر! میری مجبوری تو سنو

بس میں نے کہا نا کہ میں کچھ بھی سننے کو تیار نہیں۔ جو شرمندگی اٹھانا تھی وہ اٹھا لی۔ اب کیا سنوں؟

وہ ڈرائینگ روم سے گزر کر جانے کہاں چلی جا رہی تھی؟ ایزد نے اس کا بازو پکڑ

ایزد کی بارعب انداز سے مرعوب ہو کر وہ دھیمی پڑ گئی

میں اتنی شرمندہ جو ہوئی۔۔۔۔۔۔۔

تو تم نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بھی ساتھ جا رہی ہے؟

میں نے اس لیے نہیں بتایا تھا کہ اچانک اسے دیکھ کر آپ کو خوشی ہو گی!

کیوں؟ مجھے بھلا کیوں خوشی ہونا تھی؟

ایزد کا چہرہ یکدم سرخ ہو اٹھا۔ یہ سحر بڑی سیانی تھی۔ ساتھ ہی نگاہیں بھی جھک گئیں۔ کہیں اس کی آنکھوں میں پھیلا رات والا بے خوابی کا خمار بھی وہ نہ دیکھ لے۔

میں سب کچھ جانتی ہوں؟

ایزد کی جھکی نگاہیں اور سرخ چہرہ دیکھ کر سحر مسکرا دی۔

کیا سب کچھ جانتی ہو؟

ایزد نے اس سے آنکھیں چراتے ہوئے اسے باورچی خانے کی طرف دھکیل

دیا۔

جاؤ! میرے لیے چائے بناؤ!

اور آپ۔۔۔۔۔۔؟

سحر نے معنی خیز نگاہوں سے ایزد کی طرف دیکھا۔

میں۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔۔ میں یہاں ڈرائنگ روم میں بیٹھتا ہوں سحر کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی، ترس آ گیا اور پیار آ گیا۔۔۔۔۔۔۔

ادھر میرے کمرے میں چل کر بیٹھئے! میری مہمان اکیلی ہے

تمہاری مہمان ہے تم اس کے پاس بیٹھو!

تو پھر آپ جا کر چائے بنایئے!

یہ کام تو اپنے بس کا نہیں!

ایزد سر کھجانے لگا

میں پہلے ہی جانتی تھی کہ یہ بس کا نہیں اور آخر میں وہی بس کا ہو گا۔ چل شریر

سحر ہنس کر بھاگ گئی

ایزد چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے ہولے ہولے قدم اٹھاتا سحر کے کمرے میں چلا گیا۔

گیتی چپ چاپ سحر کی مسہری پر ٹانگیں لٹکائے اور ہاتھوں کے کٹورے میں چہرہ سجائے بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔

لباس کے ہم رنگ پیازی سینڈل میں سے اس کے پیازی پیازی پاؤں جھانکتے بڑے اچھے لگ رہے تھے۔ ایزد انہیں ہی دیکھتے ہوئے اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔

مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ فلم پر جانے کا آپ کا بھی پروگرام تھا جی ------

جی ------ جی ہاں ------ وہ ------ سحر نے ہی کہا تھا۔

وہ جلدی سے سیدھی ہو بیٹھی تھی اور ہکلانے اور گھبرانے کا شغل اس نے جاری کر دیا تھا۔ عجیب سی اس کی حالت ہوئے جا رہی تھی۔

پھر جانے کیا ہوا؟ خود ایزد کو ابھی احساس نہ ہوا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔ حسن کے سامنے دو زانو بیٹھ کر اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

معاف کر دیجیے! مجھے معلوم ہوتا کہ آپ نے بھی ساتھ جانا ہے تو کبھی ایسی حرکت نہ کرا۔

جی ------ جی کوئی بات نہیں۔

گیتی نے گھبرا کر اس کے بندھے ہوئے ہاتھ تھام لیے

آپ کی کوئی مجبوری ہو گئی ہو گی

گیتی گھبرا گھبرا کر اسے معاف کرنے لگی اور اس کی طرف سے خود ہی صفائی پیش کرنے لگی۔

مجھے اسی نے تو زیادہ پریشان کیا ہے کہ مجبوری کوئی نہیں تھی۔ ایزد بڑی معصومیت

سے کہہ رہا تھا۔

وہ تو میں نے جان بوجھ کر دیر کی تھی صرف سحر کو ستانے کے لیے

جی؟

جی ہاں! اور اب میں پچھتا رہا ہوں

بے اختیار گیتی کی ہنسی چھوٹ گئی

تو پھر جا کر سحر سے معافی مانگیے! اور اٹھیے یہاں سے! کوئی آ جائے گا

اوہ!

ایزد جلدی سے اٹھ گیا۔

سحر سے کیوں معافی مانگوں؟

وعدہ تو آپ نے اسی کے ساتھ کیا تھا!

مگر وعدہ خلافی تو آپ کے ساتھ ہو گئی نا! جو میں نہیں کرنا چاہتا تھا پھر ایزد مسہری کے قریب ہی کرسی گھسیٹ لے آیا۔ گیتی مزید گھبرا گئی۔

آپ! آپ وہاں ------

لیکن وہ مزید کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ تو بڑے اطمینان سے وہاں بیٹھ بھی گیا تھا۔ اور سرگوشی کے سے انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

وہ رس بھریاں کھائی تھیں۔

ہائے اللہ! کیسا سوال اس نے کر دیا تھا! گیتی کی جبیں بھیگ اٹھی۔

جی۔۔۔۔۔۔۔جی ہاں!

ایزد کی نگاہیں بے حد والہانہ اس کا طواف کر رہی تھیں اور وہ شرم و حیا کے بوجھ تلے دبی جا رہی تھی۔ اب تو اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ میں نے اتنی ساری کھائی تھیں مگر ان کا اتنا مزہ نہیں آیا جتنا ان کا آیا جو آپ نے کھائی تھیں۔

گیتی کو پھر ہنسی آ گئی۔

وہ تو میں نے کھائی تھیں۔ آپ کو کیسے مزہ آ گیا؟

ایزد نے چپکے سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ہولے سے بولا

تمہیں نہیں معلوم!

یہ انداز! یہ لہجہ!!

جی! جی۔۔۔۔۔۔۔

گیتی گھبرا گھبرا کر اپنا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

ہائے! کوئی آ جائے گا۔

تو آ جائے

ایزد نے بڑی بہادری سے مردوں والی لاپرواہی کا اظہار کیا۔

نہیں! نہیں! پلیز

گیتی کا لہجہ تو تھا ہی ملتجی مگر ایزد کی نگاہوں سے اس کی جو نظریں ملیں تو ان میں کچھ اس انداز سے رحم کی اپیل تھی کہ اس نے جلدی سے گیتی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

تم مجھے بے حد اچھی لگتی ہو۔ جانے کیوں؟

کرسی کی پشت پر سر ٹیک کر نیم دراز ہوتے ہوئے ایزد جیسے اپنے آپ سے گنگنایا۔

پچھلی ساری رات میں بہت کم سویا، جاگتا رہا، اور تمہارے بارے میں ہی سوچتا

رہا۔ جانے کیا ہو گیا ہے مجھے؟

عجیب ہی اتفاق تھا نا۔ گیتی نے سوچا۔ وہ اس کے متعلق سوچتی رہی تھی پروردگار! یہ کیا ہونے والا تھا؟ ان کی سوچیں ایک دوسرے کے لیے کیوں وقف ہو گئی تھیں؟

اور اب تمہیں سامنے دیکھ کر جی چاہنے لگا ہے کہ تمہارے گھٹنوں پر سر رکھ کر سو جاؤں۔ اور پھر ساری عمر ہی سوتا رہوں۔ پتہ نہیں کیوں یہ سب کچھ میرے ذہن میں آئے جا رہا ہے اور میرے دل میں آئے جا رہا ہے۔

ایز دکی آنکھیں مندی ہوئی تھیں۔ اور وہ جیسے بند پپوٹوں سے بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

یہ تمہارا شرمیلا شرمیلا سا انداز۔ مجھے ایسی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں اور پھر جو کبھی جھگڑ بھی پڑیں۔ تیز ہو کر الجھ بھی پڑیں۔ اور بے بسی کے مارے آنکھوں میں یہ موٹے موٹے آنسو لا کر بڑبڑانے بھی لگ جائیں۔

گیتی کا چہرہ سرخ ہو کر اب قرمزی ہوا جا رہا تھا۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے پھوٹ رہے تھے۔ کانوں کی لویں تپ گئی تھیں، ہاتھ لرز رہے تھے۔ یہ وہ کیسی باتیں کیے جا رہا تھا؟ ہائے اللہ! کوئی اسے خاموش کرائے۔

اور عین اسی لمحے سحر کھنکھارتے ہوئے کمرے میں آ گئی۔ گیتی پھر شرمندہ ہو اٹھی۔

سحر بے حد شریر تھی۔ بھلا کھنکھارنے کی کیا ضرورت تھی لیکن اس کی اس شرارت کا اتنا فائدہ ضرور ہوا۔ اس آنکھیں میچے بیٹھے بت میں سے آواز نکلنا بند ہو گئی۔

گیتی نے بڑا لمبا سا اطمینان کا سانس لیا۔

ارے!

سحر کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھی۔

یہ سو رہے ہیں؟

وہ گیتی سے پوچھنے لگی

مجھے کیا معلوم؟

گیتی نے گھبرا کر جواب دیا۔ سحر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ـــــــــ

وزدیدہ نگاہوں سے گیتی کی طرف دیکھا۔ عجیب سا حلیہ ہو رہا تھا اس کا۔۔۔۔۔۔۔

ہائے بے چاری!

سحر کو ترس آ گیا۔۔۔۔۔۔

میں نے کسی مصیبت میں دونوں کو ڈال دیا ہوا ہے۔ دونوں ہی کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ دونوں ہی ہر وقت سٹپٹائے سٹپٹائے، گھبرائے گھبرائے اور بوکھلائے بوکھلائے رہنے لگے۔ دونوں ہی بے چارے!

سحر کو ہنسی بھی آ رہی تھی۔

ٹرے میز پر رکھی اور دبے دبے پاؤں چل کر ادھر ادھر کچھ ڈھونڈنے لگی۔ گیتی چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ جب مطلوبہ چیز نہ ملی تو سحر نے دوپٹے کے پلو سے دھاگہ کھینچ لیا۔

ساتھ ساتھ مسکرائے جا رہی تھی۔ ساتھ دھاگے کو دوہرا کر کے بٹ لیا۔ گیتی بھی اس کی شرارت کو سمجھ گئی تھی۔ مسکرانے لگی۔ سحر نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

پھر ہولے ہولے ایزد کے قریب چلی گئی وہ اسی طرح چپ چاپ آنکھیں میچے آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔ اس کی ناک میں وہ بٹا ہوا دھاگہ گھسیڑنے کے لیے سحر کا ہاتھ جب ایزد کے چہرے کے قریب پہنچا تو ایزد نے جھپٹ کر اس کا بازو تھام لیا۔

دیکھ رہا تھا

گیتی ہنسنے لگی

ہاں! سحر نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا

تو دوسروں کو دکھانے کے لیے بظاہر آنکھیں بند کر چھوڑتے ہیں مگر چپکے چپکے کسی

کو دیکھتے رہتے ہیں۔

گیتی کا چہرہ جو سحر کی شرارت کے دوران کچھ بحال ہو گیا تھا پھر سرخ ہوا تھا۔اس نے بات جو ایسی کر دی تھی۔

اوئے چڑیل! کس کو دیکھتا رہتا ہوں؟

اب میری زبان نہ کھلوایئے

سحر قالین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگی۔

تو تمہاری زبان بندھی کس دن رہی ہے؟

تو پھر بولنا شروع کروں؟

سحر! اس کے کچھ بولنے سے پہلے گھبرا کر گیتی بول پڑی

اب میں جاؤں گی! امی انتظار کر رہی ہوں گی

میری جان! وہ سات بجے کے بعد انتظار کرنا شروع کریں گی

سحر بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

لیکن مجھے کام ہے

کوئی کام وام نہیں۔اگر فلم دیکھنے چلے جاتے پھر؟ آدھی فلم چھوڑ کر کام کے لیے اٹھ آتیں۔

پھر لڑکیو! آج کا پروگرام ٹھپ ہونے کا جو جرمانہ لگے وہ میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔

ایزد ترنگ میں آ کر بولا۔گیتی سے ایک اور ملاقات کا بہانہ!

آہا! اب آئے نا سیدھی راہ پر

سحر زور سے ہنسی

اور سحر! تم نے ان سے وعدہ خلافی کی وجہ نہیں پوچھی

گیتی بھی کچھ موڈ میں آئی۔۔۔۔۔۔۔۔

کیا بتائی؟

سحر تجسس بھرے انداز میں گیتی سے ہی پوچھنے لگی۔۔۔۔۔۔

وہ سحر! یہ جو کچھ کہے گی جھوٹ کہے گی

ایزد درمیان میں ہی بول پڑا۔ مگر سحر تو دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔

کہیں گی کی بجائے کہے گی۔ اور میں آئی تو سوتے بن گئے۔ اچھا اب مزہ چکھاؤں گی۔

صرف تمہیں ستانے کے لیے سحر!

کیا؟

گیتی کی آواز کان میں اتری تو وہ چونک پڑی

مجھے ستانے کے لیے؟ اچھا بھائی جان بچو جی!

ایزد ہنسنے لگا۔ سحر نے چہرے پر ہاتھ پھیرا

بس پھر ٹھیک ہے!

یہ لڑکی تو خواہ مخواہ ہی بی جمالو بن کر ہمارے درمیان پھوٹ ڈلوا رہی ہے۔

یہ گیتی کیا ڈلوائے گی؟ میں خود آپ کو مزہ چکھاؤں گی

تم دونوں ہی سہیلیاں انتہائی خراب ہو۔

ایزد نے گیتی کی طرف شکوہ بھری نگاہ سے دیکھا۔ دل میں یکایک اس خدشے نے بھی سر ابھار لیا تھا کہ سحر کہیں اب پریشان کرنے پر نہ تل جائے۔ گیتی سے میٹھی میٹھی ملاقاتیں اور ایسی ایسی حسین ساعتیں ایک اسی کے دم سے تو آباد تھیں۔

وہی تو ان دونوں کے ملاپ میں ایک ڈور تھی، ایک واسطہ تھی، اور ایک ضروری مہرہ تھی۔ وہی اگر ان کی شرارت سے کٹ پٹ گئی ستانے پر تل گئی تو؟

یہ گیتی بڑی بے وقوف تھی۔ اس سے تو بنا کر رکھنا چاہیے تھی۔ اسے منا ہی لینا چاہیے۔

ایزد کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس قالین پر نیچے ہی جا بیٹھا۔۔۔۔۔۔۔بہنیں جو ہوتی ہیں نا۔۔۔۔۔۔۔

اسی کی پیشانی پر جھولتی لٹیں ہٹا کر بڑے پیار، بڑے لاڈ سے اسے سمجھنے لگا۔

بھائیوں کی شرارتوں کا برا نہیں منایا کرتیں۔

سحر کو جی ہی جی میں ہنسی آئے جا رہی تھی۔اس کی چاپلوسی کو سمجھ گئی تھی۔برا نہیں منایا کرتیں مگر شرارت کا جواب شرارت سے تو دے سکتی ہیں۔

نہیں! نہیں! چھوٹے بھائی ہوں تو پھر دے سکتی ہیں مگر بڑے بھائیوں کی تو صرف عزت ہی کی جاتی ہے۔احترام ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

مگر ان بڑے بھائیوں کا جو تنک کے ہوں۔

اور میں کیا بے تکا ہوں؟

ایزد یکدم چمک اٹھا گیتی دونوں کی باتیں سن سن کر ہنسے جا رہی تھی۔تو اور نہیں کیا؟

دیکھ سحر! تمہیں ابھی مجھ سے بہت کام پڑنا ہیں۔مجھ سے بنا کر رکھو۔

کیا کام؟

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے دولہا کا انتخاب مجھے ہی کرنا ہے پھر ایسی چیز تمہارے پلے ڈال دوں گا کہ بس!

اور آپ بھی سوچ سمجھ کر رہا کیجئے۔آپ کی بھی دلہن کا انتخاب مجھے ہی کرنا ہے۔

ہم تو کر بھی چکے

ایزد بڑی دیدہ دلیری سے بولا۔گیتی کا جی دھک کر کے رہ گیا۔

وہ منہ پھٹ تو تھا ہی، جانے کیا کہہ دے؟ چائے کی ابھی آدھی پیالی باقی تھی۔ جلدی سے آخری گرم گرم ہی گھونٹ خلق سے اتار کر، منہ کو جلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

بھئی میں تو اب چلی

سحر یکدم قہقہہ لگا اٹھی

تم تو گیتی یوں شرما کر بھاگ رہی ہو جیسے ان کا انتخاب تم ہی ہو۔

ساتھ ہی اس نے عجب سے شوخی بھرے انداز میں آنکھیں گھمائیں۔ہائے اللہ!

گیتی سٹپٹا کر، بوکھلا کر، پریشان ہو کر پھر واپس بیٹھ گئی۔

آج تمہاری زبان خاصی تیز رفتار میں چل رہی ہے۔

ایزد نے ترحم آمیز نگاہ سے بوکھلائی، گھبرائی ہو گیتی کی طرف دیکھا۔

آج آپ نے مجھے تنگ بھی بہت کیا ہے۔

معافی تو مانگ لی ہے۔جرمانہ بھی ادا کرنے کو تیار ہوں

انٹر کون میں چائے، باغ جناح میں آئس کریم پارٹی اور ایک شاندار سی فلم

جرمانہ لیتے لیتے میرا دیوالیہ تو نہ نکال دو

آپ کی مالی حالت کو اچھی طرح جانتی ہوں!بس جلدی سے کہہ دیجیے

ہاں!ورنہ-------

سحر نے پھر گیتی کی طرف نگاہ اٹھائی

منظور بھئی منظور!

ایزد گھبرا کر یکدم پکار اٹھا۔کہیں اور کچھ نہ کہہ دے۔پہلے ہی اس بے چاری کا برا حال تھا۔

جھکی ہوئی نگاہیں تھیں، پلکیں لرز رہی تھیں۔ہاتھوں کو جیسے اچانک ہی رعشہ کی بیماری ہو گئی تھی۔دورے ہی کپکپاتے صاف دکھائی دے رہے تھے۔اور ایزد کو اس پر بے اختیار ترس آئے جا رہا تھا۔

ارے گیتی!سحر کو بھی شاید احساس ہو گیا تھا۔

تمہیں تو میں نے بتایا ہی نہیں۔وہ تمہاری چہیتی مہرو ہے نا!سہیلی کو لے کر باورچی خانے میں گھسی ہوئی ہے۔اور پتہ نہیں کیا کیا پکا کر دونوں کھا رہی ہیں۔

موضوع بدلا تو ساتھ ہی گیتی کی حالت بھی قدرے بدل گئی۔

آؤ چل کر دیکھیں!

وہ اس وقت ایزد کی محفل سے فرار چاہتی تھی۔

چائے کی ایک پیالی اور پی لو۔اور یہ کیک تو تم نے لیا ہی نہیں

تم نے بیچاری کو کچھ لینے کے قابل چھوڑا کب؟

ایزد اس کے پہلو سے پہلو بھڑائے بیٹھا تھا۔اتنی آواز میں بڑبڑایا کہ صرف وہی سن سکے۔

آپ چپ رہیے۔یہ ہم سہیلیوں کا معاملہ ہے

سحر نے بھی اتنی ہی آواز میں جواب دیا اور پھر جھٹ سے گیتی سے مخاطب ہوگئی۔

آؤ چل کر ان کی چیزیں کھائیں

بے حد چٹوری ہو ایزد مسکرا دیا

چھوٹی بچیوں کو بھی نہیں بخشتیں

بھائی جان! وہ حلوا بنا رہی ہیں اور آپ کو علم ہونا چاہیے کہ میں حافظ متین کی بیٹی ہوں۔حلوا مجھے بہت پسند ہے۔

سحر کی بات پر ایزد اور گیتی دونوں ہی کھلکھلا پڑے۔

پھر تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا!

ایزد بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

منہ بولا ہی سہی! مگر رشتہ ہمارا بھی حافظ متین کے ساتھ تمہارے والا ہی ہے۔

پھر میں بھی آپ کو چٹورا کہوں گی

☆

گیتی آنکھیں میچے چپ چاپ لیٹی تھی ۔۔۔۔۔۔۔خوبصورت ہونٹوں پر بڑا دلآویز سا تبسم بکھرا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔

جیسے کوئی ننھا سا معصوم سا بچہ سوتے میں کسی حسین فرشتے کو خواب میں دیکھ کر مسکرا دے ایک طویل سی مسکراہٹ۔۔۔۔۔۔!

یہ پچھلے تین دن ۔۔۔۔۔۔۔خوشگوار اور رنگین دن ۔۔۔۔۔۔۔!پر بہار اور پر لطف دن ۔۔۔۔۔۔!!ان کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل ذہن میں گھوم گھوم کر ان کی رنگینی اور لطف و بہار کو اس کے ہونٹوں پر بکھیر رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

بند آنکھوں سے وہ پچھلے تین دنوں کا ایک ایک واقعہ دیکھ رہی تھی اور ۔۔۔۔۔۔۔ اور ۔۔۔۔۔۔۔ یہ محسوسات بھی کیسے عجیب سے ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔۔یوں احساس ہو رہا تھا کہ اب بھی وہ وہیں تھی ۔۔۔۔۔۔۔

اس کے ساتھ ۔۔۔۔۔۔ اس کے قریب ۔۔۔۔۔۔۔ اس کے مضبوط ہاتھوں کا مسحور کن ملن وہ اب بھی اپنے نرم و نازک ہاتھوں پر محسوس کر رہی تھی ۔۔۔۔۔۔!

اس کی مزیدار اور پر لطف باتیں اب بھی جیسے اس کے کانوں میں امرت کی طرح ٹپک رہی تھیں۔۔۔۔۔۔!

اس کی آنکھوں میں اب بھی اس کی وجیہہ اور پر کشش شخصیت جلوہ گر تھی ۔۔۔۔۔۔!

گیتی نے اور زور سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔۔۔۔۔۔جیسے ذرا سی بھی اگر کھلی رہ گئیں تو کہیں ایسا نہ ہو وہ وہاں سے نکل بھاگے ۔۔۔۔۔۔اس کے لیے تو وہ کوئی انمول اور گرانقدر سی چیز بن کر رہ گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔

سینما ہال۔۔۔۔۔۔باغ جناح کی شملہ پہاڑی ۔۔۔۔۔۔۔اور انٹر کون کا

خوبصورت کیبن۔۔۔۔۔۔

کس کو یاد کرے۔۔۔۔۔۔؟ کس کو بھلائے۔۔۔۔۔۔۔

ایک لمحہ بھی تو ایسا نہ تھا جو آیا اور گزر گیا والی بات ہوتی۔۔۔۔۔۔گو گزر سب لمحات گئے تھے۔۔۔۔۔۔مگر اس کی آنکھوں میں اور اس کے ذہن میں جیسے ابدیت بن کر چپک گئے تھے۔۔۔۔۔۔

وہ، ایزد اور سحر فلم دیکھنے گئے تو ایزد کے ساتھ والی جگہ پر سحر بیٹھی تھی۔۔۔۔۔۔۔ خود وہ سحر سے اگلی سیٹ پر تھی۔۔۔۔۔۔ایزد سے دور۔۔۔۔۔۔!

گیتی دل چاہنے کے باوجود اس کے بہت قریب بیٹھنا نہ چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔۔ تبھی اسے سحر کی یہ عقلمندی بے حد اچھی لگی کہ وہ ان دونوں کے درمیان میں بیٹھی تھی ۔۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔۔۔ جانے اس دل کو کیا ہوا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔گیتی کو سحر کی یہ حرکت اچھی لگی، مگر دل کو سخت بُری۔۔۔۔۔۔

اور اس لمحے گیتی نے اس ننھے سے باغی کو کئی طرح سمجھانے کی کوشش کی ۔۔۔۔۔۔کئی دلائل دیئے۔۔۔۔۔۔مگر وہ مان ہی نہیں رہا تھا۔۔۔۔۔۔

فلم چل رہی تھی۔۔۔۔۔۔مگر وہ دل و دماغ کی اس حجت بازی میں ایک بھی سین اچھی طرح نہ دیکھ سکی۔۔۔۔۔۔نگاہیں پر وہ سکرین پر ٹکی ہوئی ضرور تھیں۔۔۔۔۔۔لیکن وہ دل و دماغ کی کشمکش میں ہی مصروف تھی تو فلم کا کیا سمجھ پاتی۔۔۔۔۔۔

پھر اچانک ہی کی آواز سن کر اس کا جھگڑتا، مچلتا، بکھرتا دل ٹھہر گیا۔۔۔۔۔۔۔ جیسے اسے قرار آ گیا تھا۔۔۔۔۔۔

بھائی جان! آپ ذرا میرے ساتھ جگہ بدل لیجئے۔۔۔۔۔۔آگے بیٹھا آدمی کبھی ادھر پہلو بدلتا ہے اور کبھی ادھر۔۔۔۔۔۔مجھ سے ٹھیک طرح دیکھا نہیں جا

رہا۔۔۔۔۔۔۔

اس لمحے گیتی نے محسوس کیا جیسے ایزد خود یہی چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔اس کا دل بھی اس کے دل کی دھڑکن کی لے پر دھڑک رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ ایک ہی انداز! ۔۔۔۔۔ایک ہی تمنا۔۔۔۔۔۔!ایک ہی خواہش۔۔۔۔۔۔۔!!!

ایزد نے سحر کی اس تکلیف کا کوئی اور حل نہیں ڈھونڈا۔۔۔۔۔۔۔آگے بیٹھنے والے کو ٹھیک طرح بیٹھنے کی ہدایت نہیں کی۔۔۔۔۔۔بس جھٹ سے سحر کے ساتھ جگہ بدل لی۔۔۔۔۔۔

اس کے قریب کی خوشبو پا کر گیتی کا ٹھہرا ہوا دل بڑی خوبصورت اور خوشگوار سی دھڑکنوں میں بج اٹھا۔۔۔۔۔۔۔

اپنے ہی آپ سے خوفزدہ، وہ جلدی سے پہلو بدل کر پرے ہٹ گئی ۔۔۔۔۔۔ یہ کیا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ وہ اکٹھے فلم دیکھنے آئے تھے ۔۔۔۔۔ ہال میں اور بھی بے شمار لوگ موجود تھے ۔۔۔۔۔۔مگر ۔۔۔۔۔۔یہ اسے کیا ہوا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔؟

وہ ایزد کو اور خود کو وہاں تنہا سمجھ کر خوفزدہ کیوں ہوئی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔گھبرائی کیوں جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

بڑی عجیب سی کیفیت اس کی ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔اس کا پاس بیٹھنا بُرا بھی نہیں لگ رہا تھا۔۔۔۔۔۔پھر۔۔۔۔۔۔؟

جانے سامنے کیا ہو رہا تھا۔۔۔۔۔۔؟ نگاہیں اب بھی پر وہ سکرین پر تھیں۔۔۔۔۔۔مگر صرف سنائی کچھ نہیں دے رہا تھا۔۔۔۔۔۔ بلکہ اب تو دکھائی بھی کچھ نہیں دے رہا تھا۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔ستم بالائے ستم۔۔۔۔۔۔گود میں پڑا لرزتا کپکپاتا اس کا ہاتھ ایک مضبوط گرفت میں آ گیا۔۔۔۔۔۔

اس نے چھڑانے کی کوشش کی ۔۔۔۔۔۔لیکن چھڑا نہ سکی ۔۔۔۔۔۔گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی ۔۔۔۔۔۔اور اس کی حالت اور بھی دگر گوں ۔۔۔۔۔۔!!

آنکھوں کے گوشوں سے اس نے ایزد کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔۔اس کی نگاہیں سامنے چلنے والی فلم پر لگی تھیں اور وہ بڑے سکون سے بیٹھا تھا۔۔۔۔۔۔

گیتی بے بس ہو کر رہ گئی ۔۔۔۔۔۔عجب ساختہ سی بے بسی تھی ۔۔۔۔۔۔!!

جانے کیوں ۔۔۔۔۔۔؟ دل کو ایزد کی یہ حرکت بری نہیں لگی تھی ۔۔۔۔۔۔

اس کے ہاتھ کی مضبوط اور گرم گرفت میں نہ جانے ایسا کونسا سحر تھا کہ وہ مسحور سی ہوئی جارہی تھی ۔۔۔۔۔۔

پھر ۔۔۔۔۔۔پھر خود اسے بھی پتہ نہیں چلا ۔۔۔۔۔۔کب اس کا اپنا دوسرا ہاتھ ایزد کے ہاتھ پر ٹک گیا تھا۔۔۔۔۔۔بالکل بے اختیاری اور غیر ارادی حرکت تھی ۔۔۔۔۔۔

اور اسی لمحے اس نے محسوس کیا کہ ایزد نے چونکتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔۔۔۔۔۔گیتی کی بھی نگاہ اٹھی ۔۔۔۔۔۔ملجگی سی روشنی میں اسے محسوس ہوا کہ ایزد کی آنکھیں عجیب سے انداز میں چمک اٹھی تھیں ۔۔۔۔۔۔

اور ۔۔۔۔۔۔اس نے اپنی آنکھوں کی چمک میں جانے گیتی کے چہرے سے کیا پڑھ لیا تھا۔۔۔۔۔۔بڑے والہانہ انداز میں اس نے گیتی کے دونوں ہاتھ بھینچے تھے ۔۔۔۔۔۔

یہ مضبوط گرفت ۔۔۔۔۔۔! جیسے گیتی کی ساری ہستی اس میں محفوظ ہو سکتی تھی ۔۔۔۔۔۔اس میں سما سکتی تھی ۔۔۔۔۔۔اس وقت اس ہاتھ میں اتنی وسعت بھی تھی ۔۔۔۔۔۔

ایزد کے ساتھ ہاتھ کے لمس میں دباؤ میں جانے کیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ عجیب سی

لذت اس کی رگ و پے میں سرائت کرتی چلی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔عجیب سا سحر اس پر طاری ہوا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

اور پھر وقت گزرنے کا اسے احساس ہی نہ ہوا۔۔۔۔۔۔جھٹ پٹ ہی فلم ختم ہو گئی

فلم ختم ہونے کے بعد۔۔۔۔۔۔کاش! ہر طرف یہ قمقمے نہ روشن ہو جاتے۔۔۔۔۔۔جانے کیا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ ایزد کے ساتھ نظر ہی نہ ملائی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

اور سحر خواہ مخواہ ہی مسکرا رہی تھی۔۔۔۔۔۔مسکرانا حالانکہ اس کی عادت تھی مگر اس وقت خود گیتی کے دل میں چور گھسا بیٹھا تھا۔۔۔۔۔۔اسے سحر کی یہ مسکراہٹ سٹپٹائے دے رہی تھی اور پریشان کیے دے رہی تھی۔۔۔۔۔۔

اسی گھبراہٹ اور پریشانی میں وہ ان دونوں سے کئی قدم آگے نکل گئی۔۔۔۔۔۔

گیتی! تم اکیلی نہیں ہو۔۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔۔!

سحر کی بات سن کر وہ وہیں رک گئی۔۔۔۔۔۔

خاصی بے وقوف تھی۔۔۔۔۔۔اپنا راز خود ہی برملا کیے دے رہی تھی۔۔۔۔۔۔اپنی احمقانہ حرکت سے خواہ مخواہ ہی سحر کو شک میں مبتلا کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔کتنی پاگل تھی وہ۔۔۔۔۔۔!!

اس نے خود کو سمجھایا۔۔۔۔۔۔اور پھر۔۔۔۔۔۔چند لمحوں بعد وہ خود پر طاری گھبراہٹوں پر قابو پا چکی تھی۔۔۔۔۔۔اب وہ نارمل تھی۔۔۔۔۔۔ہمیشہ کی طرح باہوش و حواس۔۔۔۔۔۔!

تب وہ ان کے قدم بقدم چلتے ہوئے ہمیشہ والی خود اعتمادی سے ہال سے باہر

آئی۔۔۔۔۔۔

سحر سے اسی طرح باتیں کرتی رہی۔۔۔۔۔۔جس طرح دونوں سہیلیاں کیا کرتی تھیں سحر لوگوں کو دیکھ کر باتیں بنا بنا کر انہیں ہنساتی رہیں۔۔۔۔۔۔گیتی ہنستی رہی۔۔۔۔۔۔

لڑکیوں کے عجیب وغریب فیشن کو اس نے ہدف بنایا۔۔۔۔۔۔کسی کے انداز کو اس نے جاہلانہ کہا۔۔۔۔۔۔کسی کی اکڑی ہوئی گردن دیکھ کر مغرور کا خطاب دیا۔۔۔۔۔۔

گیتی اس کے ساتھ باقاعدہ شریک رہی۔۔۔۔۔۔البتہ۔۔۔۔۔۔ایزد سے بات کرنا تو کجا نظر ملانے کی بھی اس میں ہمت نہ تھی۔۔۔۔۔۔اور ہر وہ لمحہ اس نے بڑی خوبصورتی سے گزر دیا جس میں ایزد سے نگاہوں کے تصادم کی توقع ہو سکتی تھی۔۔۔۔۔۔

ان کی اگلی شام انٹرکون کے خوبصورت کیبن میں گزری۔۔۔۔۔۔ایزد نے پہلے سے ہی وہاں اتنی پرتکلف چائے کا انتظام کیا ہوا تھا کہ سحر بے اختیار پکار اٹھی۔۔۔۔۔۔

ارے! کسی برات نے تو نہیں آنا تھا۔۔۔۔۔۔؟

تم اکیلی ہی کسی برات سے کم ہو۔۔۔۔۔۔؟

ایزد بڑا حاضر جواب تھا۔۔۔۔۔۔اس کی برجستگی نے سحر کے ساتھ لڑائی کا میدان تو گرم کر دیا مگر گیتی کا دل اندر ہی اندر کچھ عجیب طرح سے مسرور ہوا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔یہ اتنا اہتمام صرف اس کی خاطر تھا۔۔۔۔۔۔صرف اس کی خاطر۔۔۔۔۔۔!!

یہ اسے یقین ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔اور اس یقین نے اس کے دل میں بڑی خوشگوار سی دھڑکنوں کا اضافہ کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔

ارے۔۔۔۔۔۔!

سحر کی متحیر آواز پر گیتی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔۔وہ پردہ ہٹا کر ہال میں جھانک رہی تھی۔۔۔۔۔۔

یہ تو سمیرا اور اس کا منگیتر ہیں۔۔۔۔۔۔میں ابھی آئی۔۔۔۔۔۔

وہ چٹکی بجا کر بگٹٹ بھاگی۔۔۔۔۔۔

لیکن سحر۔۔۔۔۔۔!

گیتی یکدم پکار اٹھی۔۔۔۔۔۔وہ اسے روکنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔

بس دو منٹ میں آئی۔۔۔۔۔۔

اس کی پوری بات سنے بنا وہ تیز تیز بولی۔۔۔۔۔۔

جب سے اس کی منگنی ہوئی ہے اس نے پڑھائی چھوڑ دی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔ اور میرا اس سے ملنے کو بے حد دل چاہ رہا تھا۔۔۔۔۔۔

سحر نے کچھ اور سنا ہی نہیں بھاگ کر باہر نکل گئی۔۔۔۔۔۔نہ ہی گیتی کے کپکپاتے وجود کو دیکھا جو ان تنہائیوں، ان خلوتوں سے ڈرا سہما جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

خود اپنے آپ سے ہی خائف تھی وہ۔۔۔۔۔۔اس کا اپنا دل ہی اس کے قابو میں نہیں رہتا تھا۔۔۔۔۔۔ایزد کے لیے کھلم کھلا پسندیدگی اور محبت بھرے جذبات اس میں سمائے جا رہے تھے۔۔۔۔۔۔

اور وہ جوان اور کنواری لڑکی تھی۔۔۔۔۔۔اس کا خاندان، اس کا مذہب اور اس کا معاشرہ ایسی آزادیوں کی اجازت نہیں دیتا تھا۔۔۔۔۔۔

وہ اپنے باغی دل کے ہاتھوں پریشان یکدم اٹھ کر سحر کے پیچھے لپکی۔۔۔۔۔۔

میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔دو قدم سے آگے تیسرا نہ اٹھا سکی تھی۔۔۔۔۔۔اس کا بازو

اسی مانوس ہاتھ کی مضبوط گرفت میں تھا۔۔۔۔۔۔

یہ تم کیوں اس کے پیچھے بھاگی جا رہی ہو۔۔۔۔۔۔؟

مدھم سی سرگوشی اس کے کان میں اتری۔۔۔۔۔۔ساتھ ہی رخسار پر اس کے سانس کا گرم گرم لمس محسوس ہوا۔۔۔۔۔۔

وہ۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔

گیتی نے ٹھٹک کر نگاہ اٹھائی۔۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔اپنے چہرے کے بالکل قریب جھک آئے ایزد کی نگاہوں میں جانے کیا تھا۔۔۔۔۔۔وہ بے طرح بوکھلا اٹھی۔۔۔۔۔۔اس کے پیچھے جانے کا جواز بھی نہ پیش کر سکی۔۔۔۔۔۔سب کچھ بھول بھال ہکلانے لگی

ایک منٹ میں وہ اپنی سہیلی کو مل کر آتی ہے۔۔۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔۔لیکن

اور پھر بڑی مشکل سے اس نے چند الفاظ ادھر ادھر سے جمع کیے۔۔۔۔۔۔

میرا جی بھی اس کی سہیلی سے ملنے کو چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔

تمہاری اپنی سہیلی جو موجود ہے یہاں۔۔۔۔۔۔تم اس سے ملو۔۔۔۔۔۔

ایزد کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز سی تھی۔۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔؟

پاگل۔۔۔۔۔۔!

ایزد نے اسے واپس اس کی نشست پر دھکیل دیا۔۔۔۔۔۔

اپنی چائے ختم کرو۔۔۔۔۔۔ٹھنڈی ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔۔! گیتی بڑی سخت کھسیانی ہو گئی تھی

یہ جو اچانک ہمیں تنہائی مل جاتی ہے نا۔۔۔۔۔۔مجھے تو یقین ہے کہ میرے دل کے جذبے صادق ہیں۔۔۔۔۔۔

جی ۔۔۔۔۔۔جی ۔۔۔۔۔۔

یہ سب کچھ صرف تمہاری خاطر ہے گیت ۔۔۔۔۔۔!

گیت ۔۔۔۔۔۔ اتنا خوبصورت نام ۔۔۔۔۔۔ یہ ایزد نے اسے دیا تھا ۔۔۔۔۔۔ وہ مدہوش سی ہوگئی ۔۔۔۔۔۔

ایزد نے اس کے جھکے سر کو اونچا کیا ۔۔۔۔۔۔

ادھر میری طرف دیکھو ۔۔۔۔۔۔

چہرہ اٹھا ہوا تھا مگر پلکیں اتنی جھک گئی تھیں کہ اس کے دہکتے رخساروں کو چھو رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔ ایزد کی طرف دیکھنے کی اس میں ذرا ہمت نہ تھی ۔۔۔۔۔۔

صاف بات بتا دوں ۔۔۔۔۔۔ سحر تو ہے ہی پیٹو ۔۔۔۔۔۔ یہ سارے جرمانے میں صرف تمہاری خاطر ادا کر رہا ہوں ۔۔۔۔۔۔

وہ اسی طرح تپتے کانوں، دہکتے رخساروں اور لرزتی پلکوں کو لیے بیٹھی تھی ۔۔۔۔۔۔ کچھ ہوش ہی نہ تھا ۔۔۔۔۔۔ بات کیسے کرتی ۔۔۔۔۔۔؟

تم اگر اجازت دو گیت! تو سحر سے بات کروں ۔۔۔۔۔۔؟

نہیں نہیں ۔۔۔۔۔۔ خدا کے لیے نہیں ۔۔۔۔۔۔

یکدم گھبرا کر اس نے پلکیں اٹھائیں ۔۔۔۔۔۔

کیا نہیں نہیں ۔۔۔۔۔۔؟

ایزد نے حیرت سے اسے گھورا ۔۔۔۔۔۔

تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی ۔۔۔۔۔۔؟

جی ۔۔۔۔۔۔ نہیں ہاں ۔۔۔۔۔۔ اوہ ۔۔۔۔۔۔! نہیں ۔۔۔۔۔۔

ٹپٹائی ۔۔۔۔۔۔ گھبرائی ۔۔۔۔۔۔ بوکھلائی

یہ ایزد نے کیسا سوال کر دیا تھا ۔۔۔۔۔۔ جس کا کوئی جواب ہی اس کے پاس نہیں تھا۔

کیا میں اس قابل نہیں ہوں ۔۔۔۔۔۔؟

ایزد پوچھے جا رہا تھا ۔۔۔۔۔۔

جی ۔۔۔۔۔۔جی ۔۔۔۔۔۔

اس کا چہرہ یکدم سپید پڑ گیا ۔۔۔۔۔۔ ایزد کی اس بات کا بھلا وہ کیا جواب دے ۔۔۔۔۔۔؟ اس کے باوا جان تو اس کی شادی اپنے مینجر کے ساتھ کرنا چاہتے تھے ۔۔۔۔۔۔ یہ تمہیں کیا ہو رہا ہے ۔۔۔۔۔۔؟ ڈرو نہیں مجھ سے ۔۔۔۔۔۔ میں ایک شریف انسان ہو ایزد اس کی ٹھوڑی چھوڑ کر اس کے سامنے جا بیٹھا ۔۔۔۔۔۔ گیتی کی حالت بڑی عجیب ہوئی جا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

خود وہ خاندان کے کسی لڑکے کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی ۔۔۔۔۔۔ اور اس کا دل ۔۔۔۔۔۔ دل ۔۔۔۔۔۔ ایزد تو سب سے اچھا تھا ۔۔۔۔۔۔ اسے پسند بھی بہت تھا ۔۔۔۔۔۔ صادق اور انیس وغیرہ سے بہت زیادہ ۔۔۔۔۔۔!

مگر ۔۔۔۔۔۔ سحر کیا کہے گی ۔۔۔۔۔۔؟ اچھا اس نے اپنے کزن سے تعارف کرایا

یوں ۔۔۔۔۔۔ بہت سارے لوگوں اور مسائل کے ساتھ ایک اس کے تنہا دل کا مقابلہ تھا ۔۔۔۔۔۔ یہ کیا ہو گیا ۔۔۔۔۔۔؟

وہ بوکھلائی جا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے تھے ۔۔۔۔۔۔ ہاتھوں میں کپکپاہٹ ۔۔۔۔۔۔!

ایزد بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ اس کی حالت کو فطری شرم و حیا پر محمول کیا ۔۔۔۔۔۔

لو یہ رس گلا کھاؤ ۔۔۔۔۔۔ کچھ تقویت پہنچے ۔۔۔۔۔۔ تاکہ یہ تنہائی کے چند لمحات خدا بھلا کرے سحر کا، جو وہ دے گئی ہے ۔۔۔۔۔۔ اچھی طرح اور

خوشگوار طریقے سے گزار لیں ۔۔۔۔۔۔

ایزد نے ہنس کر ایک پورے کا پورا رس گلا اس کے منہ میں ٹھونس دیا ۔۔۔۔۔۔ گیتی کا چہرہ سرخ ہو اٹھا ۔۔۔۔۔۔

دیکھو رس گلا کھاتے ہی تمہارے چہرے پر رونق آ گئی ہے ۔۔۔۔۔۔ لو ایک اور کھاؤ ۔۔۔۔۔۔

گیتی مسکرا دی ۔۔۔۔۔۔ ایزد واقعی بڑا پیارا انسان تھا ۔۔۔۔۔۔ اس کی پریشان حالی کو ایک دو فقروں میں ہی بحال کر دیا تھا ۔۔۔۔۔۔

نہیں ۔۔۔۔۔۔ اب آپ کھائیے ۔۔۔۔۔۔

گیتی قدرے بلا جھجک اور بغیر ہکلائے بولی ۔۔۔۔۔۔

میں نے اتنی چاہت سے تمہیں اپنے ہاتھ سے کھلایا ہے اور تم ۔۔۔۔۔۔ ایزد کے ہونٹوں پر بکھرا تبسم یکدم ہی مفقود ہو گیا ۔۔۔۔۔۔

پلیٹ میں ہی نکال کر بھی مجھے پیش نہیں کر سکیں ۔۔۔۔۔۔ منہ میں ڈالنے کی تو بہت بڑی بات تھی ۔۔۔۔۔۔ اس قابل نہیں ہوں نا میں ۔۔۔۔۔۔!

نہیں نہیں ۔۔۔۔۔۔

گیتی نے پورے خلوص کے ساتھ اس کی تردید کر دی ۔۔۔۔۔۔

آپ بھلا کیوں اس قابل نہیں ۔۔۔۔۔۔

اور پھر اسے خود کو بھی احساس نہ ہوا کہ وہ کیا کر رہی تھی ۔۔۔۔۔۔؟ ایزد ہی کی طرح ایک رس گلا انگلیوں میں تھام کر اس کی طرف بڑھا دیا ۔۔۔۔۔۔

خوشی کے مارے بے اختیار و بے خود ہوتے ہوئے ایزد نے یہ بڑا سا منہ کھول دیا اس کے منہ میں بڑی احتیاط سے رس گلا رکھ کر وہ ہاتھ پیچھے ہٹا رہی تھی کہ ایزد نے اس کا بازو تھام لیا ۔۔۔۔۔۔

بس! مجھے اتنا بتا دو کہ میں تمہیں ۔۔۔۔۔۔

کھوں ------ کھوں ------ کھوں ------

سحر کھنکارتے ہوئے اندر داخل ہو رہی تھی ------

ہائے اللہ! یہ سحر کیسی چیز ہے ------؟

گیتی پریشان ہو کر بہت ہولے سے بڑبڑائی ------

خود ہی ہمیں تنہا چھوڑ جاتی ہے ------ پھر کھنکار کھنکار کر آتی ہے ------ یہ سحر ہے کیا بلا ------؟

گیتی کچھ پیار سے اور کچھ غصے سے اس کے متعلق سوچ رہی تھی ------

ختم کر دیا نا سب کچھ ------!

اندر داخل ہوتے ہی سحر نے میز کا جائزہ لیا ------

تمہارے طرح چٹورے نہیں ہیں ------

ایزد جلدی سے بول پڑا ------

کون ------؟

ہم دونوں ------ اچانک ہی ایزد کی زبان سے نکل گیا ------

ہم دونوں ------!

سحر قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اور گیتی پھر اسی طرح بوکھلا بوکھلا کر دونوں کو دیکھنے لگی پھر یکدم گڑبڑا کر بولی ------

نہیں نہیں ------ یہ صرف اپنی بات کر رہے ہیں ------

وہ تو سحر کی اس معنی خیز ہنسی کے لیے صفائی پیش کر رہی تھی ------ مگر ایزد درمیان میں ہی بول پڑا ------

اور یہ محترمہ تمہاری طرح چٹوری ہیں دیکھ لو رس گلوں والی پلیٹ ------

نہیں نہیں ------ میں نے بھی ایک کھایا تھا اور انہوں نے بھی صرف ایک ------

ارے بھئی! میں حساب کتاب کب پوچھ رہی ہوں۔۔۔۔۔؟

گیتی کی بڑبڑاہٹ اور حالت پر سحر کو پھر ہنسی آ گئی۔۔۔۔۔۔

بالکل پاگل ہے۔۔۔۔۔۔!

ایزد کو اس پر پیار آ گیا۔۔۔۔۔۔

جانے سحر! تم نے اس لڑکی کو سہیلی کیوں بنالیا۔۔۔۔۔۔؟

میں اسے سہیلی نہ بناتی تو آج آپ بھی اتنی پیاری چیز کے دیدار سے محروم رہتے۔سحر کی ایسی تعریف سے گیتی سٹپٹا گئی مگر ایزد نے بڑے انداز سے سر کو خم کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کر دیا۔۔۔۔۔۔

چلو سحر! گھر چلیں۔۔۔۔۔۔امی انتظار کر رہی ہوں گی۔۔۔۔۔۔

ایسے موقعوں پر گیتی ہمیشہ انار کی کلیوں کی طرح سرخ ہو کر یہی کیا کرتی تھی۔۔۔۔۔۔

لو بھئی! ان کا مقطع تو آ گیا۔۔۔۔۔۔

پھر آپ بل ادا کیجئے۔۔۔۔۔۔

خواہ مخواہ ہی۔۔۔۔۔۔

ایزد بڑے رعب سے بولا۔۔۔۔۔۔

پہلے یہ ساری چیزیں ختم کرو۔۔۔۔۔۔

اور پھر ایزد دونوں کو پلیٹوں میں ڈال ڈال کر زبردستی کھلانے لگا۔۔۔۔۔۔

کہا نا۔۔۔۔۔۔لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔اگر میری حکم عدولی کی تو آئندہ پھر نہ کبھی فلم دکھاؤں گا اور نہ ایسی اچھی قسم کی چائے پلاؤں گا۔۔۔۔۔۔

دونوں چیختی ہی رہیں مگر ایزد نے زبردستی ان کے منہ میں ٹھونس دیا۔اور پھر۔۔۔۔۔۔دونوں وہاں سے قسم کھا کر اٹھیں کہ آئندہ ایزد کے ساتھ کبھی کہیں نہیں جائیں گی۔۔۔۔۔۔

گیتی کے لبوں پر پچوں ایسی معصوم سی مسکراہٹ کی بجائے اب باقاعدہ ہنسی تھی۔یوں چپ چاپ آنکھیں موندے لیٹ کر گزرے لمحات کو یاد کر کے ہنسنا بھی کتنا اچھا لگتا تھا۔۔۔۔۔۔کتنا سہانا محسوس ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔گیتی سوچ رہی تھی۔۔۔۔۔۔اور ہنس اس لیے رہی تھی کہ اگلے ہی دن وہ دونوں پھر اس کے ساتھ سیر سپاٹے کو چل دی تھیں۔۔۔۔۔۔نہ سحر کو اپنی کھائی ہوئی قسمیں یاد رہیں اور نہ خود اسے۔۔۔۔۔۔

اسے یاد تو تھیں مگر اس نے جان بوجھ کر بھلا دی تھیں۔۔۔۔۔۔ایزد کی معیت میں چند گھنٹے گزارنا اتنا پر لطف تھا کہ اسے بھلانا ہی پڑیں۔۔۔۔۔۔اور سحر پتہ نہیں کیوں بھول گئی تھی۔۔۔۔۔۔

اس کے علاوہ خود وہ، وہ پریشانی بھری ساعتیں بھول گئی تھی جب اتفاق سے سحر کو انہیں تنہا چھوڑ کر کہیں نہ کہیں جانا پڑ جاتا تھا۔۔۔۔۔۔اور پھر وہ ایزد کے ساتھ تنہا رہ جاتی تھی۔۔۔۔۔۔

ہر بار ان لمحوں میں وہ دل سے عہد کرتی تھی کہ اب ان دونوں کے ساتھ کبھی کہیں نہیں جائے گی مگر اگلی بار وہ بھول بھال جاتی تھی۔۔۔۔۔۔بلکہ شاید جان بوجھ کر بھلا دیتی تھی۔۔۔۔۔۔

دل کو یہ تسلی دے کر۔۔۔۔۔۔شاید اب ایسا نہ ہو۔۔۔۔۔۔اس تسلی کے باوجود دل اندر سے یہی چاہتا تھا کہ ایسا ضرور ہو۔۔۔۔۔۔

اور پھر اس دن بھی یونہی ہوا۔۔۔۔۔۔ جرمانے کا تیسرا روز تھا وہ ۔۔۔۔۔۔ شملہ پہاڑی اور باغ جناح کی سیر ساتھ آئس کریم پارٹی۔۔۔۔۔۔

باغ جناح میں گھوم پھر کر، ڈھیر ساری آئس کریم کھا کر تینوں شملہ پہاڑی کے اوپر چڑھے بیٹھے تھے۔۔۔۔۔۔ بہت دور نیچے سحر کو پھر اپنی کوئی سہیلی دکھائی دے گئی۔۔۔۔۔۔

ہمیشہ کی طرح اس لمحے پھر گیتی پریشان ہو کر سحر کو جی ہی جی میں کوسنے لگی تھی۔۔۔۔۔۔ ایک تو اس کی بینائی اتنی تیز تھی کہ اتنی دور سے اسے اپنی سہیلی دکھائی دے گئی۔۔۔۔۔۔ دوسرے اس کی سہیلیاں تو اس شہر میں شاید چیونٹیوں کی تعداد کی طرح پھیلی تھیں۔۔۔۔۔۔ ہر جگہ ہی کوئی نہ کوئی مل جاتی۔۔۔۔۔۔

گیتی معمول کی طرح پورے خلوص سے اسے کوس رہی تھی۔۔۔۔۔۔

سحر پاس سے گئی تو چند منٹوں بعد ایزد اپنی جگہ سے کھسک کر اس کے بالکل قریب ہو بیٹھا۔۔۔۔۔۔ اتنا قریب۔۔۔۔۔۔ کہ اس کے سانس اسے اپنی گردن پر محسوس ہو رہے تھے گیتی گھبرا کر ذرا ہٹ گئی۔۔۔۔۔۔

کوئی آ جائے گا۔۔۔۔۔۔

آنے والا ہمیں دکھائی بھی دے جائے گا۔۔۔۔۔۔

ایزد برجستہ بولا۔۔۔۔۔۔ گیتی خفیف سی ہو کر نیچے اترتی سحر کو دیکھنے لگی جو کبھی آنکھ سے اوجھل ہو جاتی اور کبھی دکھائی دینے لگ جاتی۔۔۔۔۔۔ وہ اب بہت دور جا چکی تھی۔۔۔۔۔۔ عجب بات ہے نا۔۔۔۔۔۔

سے دور ہوتے ہیں اور جوں جوں وہ دور ہوتی چلی جاتی ہے ہم قریب ہوتے جاتے ہیں ------

ایزد نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا ------ گیتی چپ چاپ بیٹھی رہی ------ اس سے ہاتھ چھڑانے کے متعلق سوچا بھی مگر چھڑا نہ سکی ------ دل چاہا ہی نہیں ------

اس کا ہاتھ کا گرم گرم لمس اور پیار و محبت بھرا دباؤ اسے بے حد اچھا لگ رہا تھا ------ سارے جسم میں عجیب خوشگوار سی سنسناہٹ دوڑ اٹھی تھی ------

تم نے مجھے اپنے گھر آنے کی کبھی دعوت نہیں دی ------

جی ------؟ جی ------؟

گیتی گھبرا گئی ------ یہ کیسی بات ایزد نے کر دی تھی ------ وہ اسے بتا ہی نہ سکی کہ ان کے گھر کا ماحول ایسا نہیں تھا کہ لڑکیوں کے بوائے فرینڈ بے تکلف چلے آئیں۔

بوئے فرینڈ ------؟ نہیں نہیں ------

اس نے دل ہی دل میں اس لفظ کی تردید کی ------ بوائے فرینڈ اچھا لفظ نہیں تھا ------ ایزد اس کا بوائے فرینڈ نہیں تھا ------ پھر ------؟ پھر ------؟ وہ کیا تھا ------؟ وہ اس کا کیا تھا ------؟؟

کیا سوچ رہی ہو ------؟

اسے گم سم پا کر ایزد نے اس کا نرم و نازک سا ہاتھ زور زور سے ہلایا ------

تم اکیلی نہیں ہو یہاں گیت ------! میں بھی موجود ہوں ------ پلیز!

مجھ سے بات کرو۔۔۔۔۔۔۔وقت کم ہے۔۔۔۔۔۔۔ابھی سحر آ جائے گی۔۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔

وہ حسب معمول گھبرانے اور ہکلانے لگی۔۔۔۔۔۔

تمہاری لغت بڑی مفلس ہے۔۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔۔جی کے سوا اور وہاں کچھ ملتا ہی نہیں۔ گیتی صرف مسکرا دی۔۔۔۔۔۔۔زبان اب بھی نہیں کھولی۔۔۔۔۔۔

یا پھر دانت نکالنے لگ جاتی ہو۔۔۔۔۔۔۔

ایزد اس کی خالی خولی مسکراہٹ سے جھنجھلا اٹھا۔۔۔۔۔۔۔

میرا جی چاہتا ہے تم مجھ سے بہت ڈھیر ساری باتیں کرو۔۔۔۔۔۔۔اتنی۔۔۔۔۔۔۔کہ پورے کے پورے دونوں کان کھا جاؤ۔۔۔۔۔۔۔

گیتی پھر ہنسی۔۔۔۔۔۔

مجھے تنگ کرو۔۔۔۔۔۔۔مجھے ستاؤ۔۔۔۔۔۔۔مجھے پریشان کرو۔۔۔۔۔۔

پگلی! یہ سب کچھ بے تکلفی میں ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔اور بے تکلفی میں پیار ہوتا ہے اور میرا جی چاہتا ہے تمہیں مجھ سے۔۔۔۔۔۔۔

اوہ بس۔۔۔۔۔۔!

گیتی نے گھبرا کر جلدی سے اس کے منہ پر اپنا لرزتا کپکپاتا ہاتھ رکھ دیا۔۔۔۔۔۔

میں اتنا ہی برا ہوں۔۔۔۔۔۔؟

نہیں تو۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔

کچھ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کچھ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ایزد نے منہ بگاڑ کر اس کی نقل اتاری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تمہاری اردو بڑی کمزور ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بس دو چار ہی لفظ تمہیں آتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اب گیتی شرارت سے مسکرائی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ایزد بے اختیار ہوا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ایسے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ! بڑے والہانہ انداز میں مسکرا کر گیتی کی طرف دیکھنے لگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک بات پوچھوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جانے کیا پوچھ بیٹھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ گیتی اس وقت عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی ۔

نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ ایزد متحیر سا اسے گھورنے لگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

لیکن کیوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

جانے آپ کیا پوچھ بیٹھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

گیتی نے دل کی بات صاف کہہ دی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کیا مجھ سے کچھ چھپا رکھا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

نہیں تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

آپ سے ڈر لگتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مجھ سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ ایزد چیخ سا پڑا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آپ سے نہیں ۔۔۔۔۔۔ میرا مطلب تھا آپ کے سوالوں سے اور اپنے جوابوں سے ۔۔۔۔۔۔

کیوں ۔۔۔۔۔۔؟

آپ عجیب عجیب سی باتیں پوچھتے ہیں! اور پھر ۔۔۔۔۔۔

گیتی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی ۔۔۔۔۔۔

پھر کیا ۔۔۔۔۔۔؟

ایزد نے اس کے قریب ہوتے ہوئے بڑی بے تابی سے پوچھا ۔۔۔۔۔۔

پھر میں جانے کیا جواب دے بیٹھوں ۔۔۔۔۔۔

گیتی کھوئی کھوئی سی بولے گئی ۔۔۔۔۔۔

کیا پتہ دل کی کوئی بات زبان پر آ جائے ۔۔۔۔۔۔

کیا مطلب ۔۔۔۔۔۔؟

ایزد خوشی و بے قراری کے ملے جلے جذبات سے بے اختیار ہو کر بولا ۔۔۔۔۔۔ تمہارا دل تمہاری زبان سے علیحدہ ہے کیا ۔۔۔۔۔۔؟

جی ۔۔۔۔۔۔ جی ۔۔۔۔۔۔

گیتی چونک پڑی ۔۔۔۔۔۔ یہ وہ کیا کہہ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔؟

نہیں تو ۔۔۔۔۔۔

پھر وہی گردان ۔۔۔۔۔۔! ایزد ہنس پڑا ۔۔۔۔۔۔

بہر حال ۔۔۔۔۔۔ گیتی کی پیشانی پر جھولتی لٹوں کو پرے ہٹاتے ہوئے بڑے پیار سے بولا ۔۔۔۔۔۔

مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے میری گیت ۔۔۔۔۔۔!

کیا ۔۔۔۔۔۔؟ گیتی کی جبین یکدم عرق آلود ہو گئی ۔۔۔۔۔۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا شرم ہی کی بات تھی نا، وہ جان گیا تھا کہ گیتی اس کو ایک غیر مرد کو دل و

جان سے چاہنے لگی تھی۔۔۔۔۔۔اس کے دل میں اس کی دھڑکنیں رچ بس گئی تھیں۔۔۔۔۔۔ اس کی آنکھوں میں اس کی شبیہہ ہر وقت جلوہ گر رہتی تھی۔۔۔۔۔۔

ایزد نے اس کے یکلخت گلنار ہوتے چہرے کو دیکھا۔۔۔۔۔۔ مسکرایا۔۔۔۔۔۔گیتی کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر ہولے ہولے تھپتھپاتے ہوئے بڑے مدھم لہجے میں بولا۔

کسی کو پسند کرنا۔۔۔۔۔۔کسی کو چاہنا۔۔۔۔۔۔کوئی گناہ کی بات تو نہیں۔۔۔۔۔۔ ہم اللہ میاں کے کلموں سے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامیں گے۔۔۔۔۔۔اور انہی کلموں کی برکت سے انشاءاللہ زندگی کی تمام مشکلات اور خوشیاں اکٹھے مل کر کاٹیں گے۔۔۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔۔

لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔تم کوئی فکر نہ کرو۔۔۔۔۔۔مجھے یقین ہے میرے مقدر کی تابناکی یہاں بھی قائم رہے گی۔۔۔۔۔۔

ایزد بڑے پر اعتماد انداز میں مسکرا رہا تھا۔۔۔۔۔۔گیتی کانپ رہی تھی۔۔۔۔۔۔ایزد کو اپنے مقدر پر بھروسہ تھا اور ادھر اس کے باوا جان بھی ایک خوش قسمتی کا پیکر اس کے واسطے لیے بیٹھے تھے۔۔۔۔۔۔باوا جان کو اس کی خوش بختی پر ایمان کی حد تک یقین تھا۔۔۔۔۔۔

کہیں سچ مچ ہی ایزد کی قسمت اس کے مقابلے میں مات نہ کھا جائے۔۔۔۔۔۔!وہ یکدم خوفزدہ ہو گئی۔۔۔۔۔۔

آپ ہاتھ کی لکیروں پر یقین رکھتے ہیں۔۔۔۔۔۔؟

بات کیا ہو رہی تھی اور گیتی کیا لے بیٹھی۔۔۔۔۔۔

بیوقوف سی لڑکی۔۔۔۔۔۔!

ایزد مسکرا دیا۔۔۔۔۔۔بڑے پیار سے اسے دیکھا۔۔۔۔۔۔

پہلے تو یقین نہیں تھا۔۔۔۔۔مگر اب ہوتا جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔!

گیتی بے انتہا پریشان ہو گئی۔۔۔۔۔ ایزد بھی ایسا یقین رکھتا تھا۔۔۔۔۔۔پھر تو ایزد کا مینجر سے ٹکراؤ ہو جانا لازمی تھا۔۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔مینجر کا مقدر تو مستند اچھا تھا۔۔۔۔۔۔عابدی جیسے عظیم باعلم اور فنکار کا بتایا ہوا۔ اس میں تو شک و شبہے کی گنجائش ہی نہ تھی۔۔۔۔۔۔بے شمار وسوسوں نے اس کے دل میں سر ابھارا۔۔۔۔۔۔

اور یہ ایزد۔۔۔۔۔! ہائے کہیں اس کا مقدر مینجر کے مقدر کے ہاتھوں شکست نہ کھا جائے۔۔۔۔۔۔ورنہ وہ تو کہیں کی نہ رہے گی۔۔۔۔۔۔

یہ تصور ہی بڑا جانکاہ تھا کہ ایزد کے علاوہ وہ کسی اور کے ساتھ حیات کی منزلیں طے کرے۔۔۔۔۔۔اور اگر سچ ایسا ہو جائے تو۔۔۔۔۔۔؟

تو۔۔۔۔۔۔؟ وہ کانپ اٹھی۔۔۔۔۔۔

یہ۔۔۔۔۔۔یہ کیا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ اس کا احساس تو اب ہی اسے شدت سے ہوا کہ ایزد اس کے جذبوں کی اہم ضرورت بن گیا تھا۔۔۔۔۔۔ایزد کے بغیر زندگی کا ایک لمحہ بھی گزارنے کا تصور بڑا تکلیف دہ تھا۔۔۔۔۔۔

گیتی پریشان ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔۔۔۔

کہاں۔۔۔۔۔۔؟

ایزد گردن اٹھائے سفید لباس میں ملبوس اس کے حسین سراپا کو اوپر سے نیچے تک تکے جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

سحر ابھی تک نہیں آئی۔۔۔۔۔۔

ابھی آ جائے گی۔۔۔۔۔۔

پتہ نہیں اس نے اتنی دیر کیوں لگا دی۔۔۔۔۔۔؟

میری معیت ناگوار گزر رہی ہے۔۔۔۔۔۔؟

یکدم ایزد کے چہرے سے مسکراہٹیں مفقود ہو گئیں۔۔۔۔۔۔

نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔

گیتی تڑپ کر آگے بڑھی اور ایزد کے بالوں میں اس نے اپنی انگلیاں الجھا دیں۔۔۔۔۔۔

ایسی بات تو نہیں۔۔۔۔۔۔

پھر قدرے توقف کے بعد کھوئے کھوئے سے انداز میں اسے دھیرے سے پکارا

۔۔۔۔۔۔

ایزد۔۔۔۔۔۔!

کہو جان ایزد۔۔۔۔۔۔!

گیتی کی انگلیوں کے لمس اور اس کے قرب کی مست کن مہک نے ایسا محسور کیا، ایسا مدہوش کیا کہ اسے نہ اپنی زبان پر قابو رہا اور نہ ہوش و حواس پر۔۔۔۔۔۔

قریب کھڑی گیتی کے ساتھ اپنا سر ٹیک دیا۔۔۔۔۔۔

اگر آپ کا مقدر کسی اور کے مقدر کے مقابلے میں ہار جائے تو۔۔۔۔۔۔؟

تو ہم زندگی سے ہی ہار جائیں گے۔۔۔۔۔۔

ایسا نہ کہیے۔۔۔۔۔۔

گیتی نے تڑپ کر اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔۔۔۔۔۔

ویسے تم فکر نہ کرو۔۔۔۔۔۔ مجھے اپنی قسمت پر پورا یقین ہے۔۔۔۔۔۔

تمہیں میری اصل خوش قسمتی ہو گیت۔۔۔۔۔۔!

اور ایزد نے بڑے والہانہ انداز میں ہونٹوں پر دھرے اس کے ہاتھ کو چوم لیا۔ تم میری قسمت کی طرف سے فکر مند مت ہو۔۔۔۔۔۔

وہ ۔۔۔۔۔۔۔وہ سحر آ گئی ۔۔۔۔۔۔۔

بہت دور اسے نیچے سحر آتی دکھائی دی ۔۔۔۔۔۔۔گیتی جلدی سے پرے ہٹ گئی

۔۔۔۔۔۔۔ایزد سے بہت فاصلے پر ۔۔۔۔۔۔۔!

تم کیا سمجھتی ہو ۔۔۔۔۔۔۔وہ یقین کر لے گی کہ اس وقت سے اب تک ہم ایک دوسرے سے اتنے ہی فاصلے پر رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔

ایزد مسکرایا ۔۔۔۔۔۔۔گیتی جھینپ کر رہ گئی ۔۔۔۔۔۔۔

بالکل پاگل ۔۔۔۔۔۔۔!

ایزد کے دیئے اس خطاب میں ہزاروں پیار بھرے القاب پوشیدہ تھے ۔۔۔۔۔۔۔گیتی مسکراتے ہوئے سحر کو ہانپ ہانپ کر اوپر چڑھتے دیکھنے لگی ۔۔۔۔۔۔۔

اور پھر ۔۔۔۔۔۔۔جب سحر ان سے صرف دو تین گز دور رہ گئی تو ایزد نے یکدم واپسی کا اعلان کرتے ہوئے نیچے اترنا شروع کر دیا ۔۔۔۔۔۔۔

ٹھہریئے تو ۔۔۔۔۔۔۔

ایزد کو نیچے اترتے دیکھ کر سحر نے ہانپتے ہوئے وہیں سے پکارا ۔۔۔۔۔۔۔

نہیں نہیں ۔۔۔۔۔۔۔اب واپس ۔۔۔۔۔۔۔

ہائے اللہ ۔۔۔۔۔۔۔! مجھے دو منٹ سانس تو لے لینے دیجیے ۔۔۔۔۔۔۔

تم ہمیں اکیلا کیوں چھوڑ گئی تھیں ۔۔۔۔۔۔۔! اس کی یہی سزا ہے ۔۔۔۔۔۔۔

ایزد بڑے اطمینان سے اس کے پاس سے گزر گیا ۔۔۔۔۔۔۔گیتی بھی اتری آ رہی تھی ۔وہ اکیلی وہاں کیا کرتی ۔۔۔۔۔۔۔؟

آپ بڑے خراب ہیں بھائی جان ۔۔۔۔۔۔۔! انتہائی احساس فراموش ۔۔۔۔۔۔۔! مرتا کیا نہ کرتا ۔۔۔۔۔۔۔بڑبڑاتے ہوئے سحر نے بھی

واپس اترنا شروع کر دیا۔۔۔۔۔۔ہائے بے چاری۔۔۔۔۔۔!

ایزد کی اس شرارت پر ہنسی کے ساتھ ساتھ گیتی کو اس پر ترس بھی آ رہا تھا۔۔۔۔۔۔

لو سحر! میرا ہاتھ تھام لو۔۔۔۔۔۔

گیتی نے بڑے خلوص سے پیشکش کی تھی۔۔۔۔۔۔مگر سحر کو ایزد پر سخت غصہ تھا۔۔۔۔۔۔اور اس کی دانست میں گیتی اور ایزد کوئی دو نہیں تھے۔۔۔۔۔۔

لہٰذا اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔۔۔۔۔۔تم دونوں کو مزہ نہ چکھایا تو میرا نام سحر نہیں۔۔۔۔۔۔

غصے اور تھکن کے آمیزے نے سحر کے چہرے پر پھیل کر اس کو اتنا پیارا بنا دیا تھا کہ گیتی اسے دیکھے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔بڑی اچھی لگ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

سحر! اس وقت تمہیں رفیقا دیکھ لے نا تو نہ صرف گھر کے بلکہ سارے ملک کے شامی کباب اور چائے لا کر تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دے۔۔۔۔۔۔

گیتی تو اس وقت کسی نہ کسی طرح اس کا جی بہلانا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔باتوں میں لگ کر تھکن کا احساس نہیں ہونا تھا۔۔۔۔۔۔مگر سحر کا موڈ کچھ اور کہہ رہا تھا۔۔۔۔۔۔

ہاں ہاں۔۔۔۔۔۔خود تو میرے اتنے اچھے، اتنے قابل بھائی پر ہاتھ صاف کر لیا اور میرے لیے رفیقا۔۔۔۔۔۔

خدا کے لیے چپ کرو سحر۔۔۔۔۔۔!

گیتی اپنے سرخ سرخ چہرے پر پھیلی جھنپی جھنپی مسکراہٹ کو روک رہی تھی اور ساتھ اس کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

میں تو ساری دنیا کو بتاؤں گی۔۔۔۔۔۔

سحر ساتھ ساتھ نیچے اترنا نہیں بھولی تھی۔۔۔۔۔۔البتہ زبان کی تیزی کے

مقابلے میں رفتار بہت سست پڑ چکی تھی ۔۔۔۔۔۔

سن لو لوگو ۔۔۔۔۔۔

وہ بازو ہوا میں لہراتے ہوئے بلند آواز میں بولی ۔۔۔۔۔۔

یہ جو گیتی ہے نا ۔۔۔۔۔۔ اس نے میرے بھائی پر جادو ڈال دیئے ہیں ۔۔۔۔۔۔ اور نجانے سحر کیا کیا بکتی رہی ۔۔۔۔۔۔ **گیتی تازہ دم تھی** ۔۔۔۔۔۔ اس کی نہ سننے کے لیے بھاگ کر پہلے ہی نیچے چلی گئی ۔۔۔۔۔۔

گیتی کے ذہن میں، گیتی کی آنکھوں میں یہ سارے واقعات گھوم رہے تھے اور اس کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ واضح ہو کر کبھی ہنسی کی صورت اختیار کیے جا رہی تھی اور کبھی ہلکے پھلکے قہقہے کی ۔۔۔۔۔۔!

پھر سحر سارا راستہ روٹھی رہی تھی اور وہ دونوں اسے مناتے رہے تھے ۔گیتی جانتی تھی کہ اس کی خفگی بالکل مصنوعی تھی ۔۔۔۔۔۔ ایزد نے جب بھی جرمانہ ادا کرنے کے متعلق ایک لفظ بھی منہ سے نکال دیا تو وہ فوراً راضی ہو جائے گی ۔۔۔۔۔۔

اور ہوا بھی ایسے ہی ۔۔۔۔۔۔ گھر قریب آ گیا تو ایزد نے ایک اور فلم جرمانے کے طور پر دکھانے کا وعدہ کر لیا ۔۔۔۔۔۔ دوسرے ہی منٹ سحر راضی ہو گئی تھی ۔۔۔۔۔۔

اور اب ۔۔۔۔۔۔ گیتی انتظار میں تھی ۔۔۔۔۔۔ شاید آج ہی وہ اسے لینے آ جائے دن اور وقت تو کوئی مقرر ہی نہیں ہوا تھا کیونکہ سحر کے ڈیڈی خلاف معمول ڈرائینگ روم میں موجود تھے ۔۔۔۔۔۔ اور وہ شاید ان کے سامنے بات کرنا نہیں چاہتی تھی ۔۔۔۔۔۔

ایزد نہیں گھر چھوڑ کر خود چلا گیا تھا ۔۔۔۔۔۔ اس وقت کتنا جی چاہا تھا گیتی کا کہ وہ اسے اس کے گھر پہنچانے کی پیشکش کرتا ۔۔۔۔۔۔

اور عین اسی لمحے ایزد نے کہہ بھی دیا۔۔۔۔۔۔کیسے دونوں کے دل ایک ہی بات سوچتے تھے۔۔۔۔۔۔گیتی سرشاری ہو اٹھی۔۔۔۔۔۔

مجھے خالہ جان سے ایک کام ہے۔۔۔۔۔۔ابھی ٹھہر کر ہم خود ہی چلی جائیں گی۔۔۔۔۔۔سحر نے ایزد کی پیشکش رد کر دی تھی۔۔۔۔۔۔

اس معاملے میں سحر جانے اتنی کنجوس کیوں تھی۔۔۔۔۔۔کئی مواقع ایسے آئے مگر اس کے گھر اسے پہنچانے کا ذمہ ہمیشہ اس نے اپنے سر ہی لیا۔۔۔۔۔۔ جانے کیوں۔۔۔۔۔۔؟

لمحہ بھر کے لیے گیتی کی سوچ الجھی۔۔۔۔۔۔کہیں سحر کو یہ علم تو نہیں ہو گیا تھا کہ وہ دونوں سنجیدہ تھے۔۔۔۔۔۔وہ ایک دوسرے کے لیے جینا اور ایک دوسرے کے لیے مرنا چاہتے تھے۔۔۔۔۔۔

اور سحر۔۔۔۔۔۔یہ نہیں چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔وہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔دوسرے ہی لمحے گیتی نے اپنا سر جھٹک کر اس غلط سوچ کو بھگا دیا۔۔۔۔۔۔

سحر ایسی نہ تھی۔۔۔۔۔۔وہ تو بلکہ خود علیحدہ ہو کر ان کے لیے راہیں ہموار کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔پھر بھلا وہ ایسا کیوں کرتی۔۔۔۔۔۔؟ ایزد اس کا عزیز ترین بھائی تھا اور وہ خود اس کی بے حد پیاری سہیلی۔۔۔۔۔۔!

پھر۔۔۔۔۔۔؟ پھر۔۔۔۔۔۔؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔اس کے لیے امی سے اجازت وہ خود ہی لیا کرتی تھی، اس لیے اسے بحفاظت گھر پہنچانا وہ اپنی ہی ذمہ داری سمجھتی تھی۔

[illegible]

وہ خود اس دل کی لگی کے ہاتھوں ہوش و حواس گم کر بیٹھی تھی ۔۔۔۔۔۔وہ پاگل تھی ۔۔۔۔۔۔!

خود اسے ہی ایک لمحہ کے لیے بھی دل میں یہ خیال نہیں لانا چاہیے تھا کہ ایزد کے ساتھ اکیلی گھر جائے ۔۔۔۔۔۔اس کی تو اس کا مذہب بھی اجازت نہیں دیتا تھا ۔۔۔۔۔۔اور معاشرہ تو انسان خود بنالیتا ہے ۔۔۔۔۔۔جیسا الٹا سیدھا غلط سلط بنا لے ۔۔۔۔۔۔**مگر یہ مذہب**۔۔۔۔۔۔اس کے عائد کردہ قوانین و ضوابط پر تو اسے چلنا ہی چاہیے ۔۔۔۔۔۔

عین اسی لمحے عصر کی اذان کی آواز اس کے کان میں پڑی ۔۔۔۔۔۔وہ چونک کر اٹھ بیٹھی ۔۔۔۔۔۔

کچھ دنوں سے وہ نماز کی بھی اتنی پابند نہیں رہی تھی ۔۔۔۔۔۔یہ تو غلط بات تھی ۔۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کو فراموش کر کے وہ کس طرح اپنی دلی مرادیں حاصل کر سکتی تھی ۔۔۔۔۔۔

اور ایزد کو پانا اس وقت اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی ۔۔۔۔۔۔ سب سے بڑی تمنا اور سب سے بڑی آرزو ۔۔۔۔۔۔!

☆

سحر اکیلی ہی بیٹھی ہنس ہنس کر دوہری ہوئی جا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔۔کوئی اور اسے اس عالم میں دیکھ لیتا تو یقیناً ہی سمجھتا کہ وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی تھی ۔۔۔۔۔۔۔

مگر ۔۔۔۔۔۔ایسا نہ تھا ۔۔۔۔۔۔وہ بالکل صحیح الدماغ تھی ۔۔۔۔۔۔۔

اور وہ پھر ہنس رہی تھی ۔۔۔۔۔۔۔

کیسا اس دن ایزد اور گیتی نے اسے تنگ کیا تھا ۔۔۔۔۔۔اور اب وہ دونوں سزا بھگت رہے تھے ۔۔۔۔۔۔ بڑا مزیدار بدلہ وہ ان سے لے رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

وہ پھر ہنس پڑی ۔۔۔۔۔۔پورے دس دن گزر گئے تھے، ان دونوں کو ملے ہوئے اور سحر دیکھ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ دونوں ہی مرغ بسمل کی مانند تڑپ رہے تھے ۔۔۔۔۔۔گو اس پر کسی ایک نے بھی اپنی حالت ظاہر نہیں کی تھی بلکہ ہر ممکن چھپانے کی کوشش ہی کی ۔۔۔۔۔۔مگر

وہ بھی سحر تھی ۔۔۔۔۔۔ان دونوں سے بھی زیادہ تجربہ کار ۔۔۔۔۔۔!

اسی مرض کے مریض لوگوں میں رہ بھی چکی تھی ۔۔۔۔۔۔اس کے علاوہ خود وہ ۔۔۔۔۔۔!

اپنی ہی سوچ کو قطع کر کے وہ ہنس پڑی ۔۔۔۔۔۔

ان دنوں بہت پاگل ہوا کرتی تھی وہ ۔۔۔۔۔۔!

اس کے کلاس فیلو شہاب کو اچانک اپنے گھر جانا پڑ گیا تھا ۔۔۔۔۔۔پورے دس دن وہ نہ یونیورسٹی گئی تھی نہ اس نے اچھی طرح کھایا پیا تھا نہ کسی سے ہنسی بولی تھی ۔۔۔۔۔۔بس ہر وقت اسی کی یاد میں اٹوانٹی کھٹوانٹی لیے پڑی رہتی تھی ۔۔۔۔۔۔

اور پھر دس دن بعد جب وہ واپس آیا اور بڑے اطمینان سے اس نے سحر کو یہ خبر

سنائی کہ اس کے والدین نے زبردستی اس کے عقد وہیں کہیں ملنے والوں میں کر دیا۔۔۔۔۔۔

سحر حیران ہی تو رہ گئی۔۔۔۔۔۔۔۔**یہ وہ شہاب تھا جو اس کی خاطر زمانے سے لڑ سکتا تھا**۔۔۔۔۔۔۔وہ جو اس کی خاطر جان دے سکتا تھا۔۔۔۔۔۔۔جو اس کی خاطر سب کچھ کر سکتا تھا۔۔۔۔۔۔

آخر کیسے وہ اتنا بے بس ہو گیا جو والدین نے اس کی مرضی کے خلاف اس کا عقد کر ڈالا۔۔۔۔۔۔

اور اگر بفرض محال کر ہی دیا تو وہ اسے یہ خبر سنانے کے لیے زندہ کیسے رہا ۔۔۔۔۔۔۔؟وہ تو اس کے بغیر خودکشی کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔اور اب ۔۔۔۔۔۔۔

اس کی یہ سانسیں۔۔۔۔۔۔!یہ کیسے آ جا رہی تھیں ط؟ کہ اس کے بغیر اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا کرتا تھا۔

اس کے چہرے پر سحر جیسی پریشانی اور مردنی کیوں نہ تھی۔۔۔۔۔۔؟ کہ ان دونوں نے اکٹھے جینے مرنے کی قسمیں کھائی ہوئی تھیں۔۔۔۔۔۔وہاں زندگی کیوں تھی۔۔۔۔۔۔؟؟

اس حادثے کے باعث سحر بستر سے جا لگی۔۔۔۔۔۔ایسا ذہن کو دھچکا لگا تھا کہ بیمار پڑ گئی۔۔۔۔۔۔اور پھر وہیں بستر پر ہی اس کی ایک سہیلی نے انکشاف کیا کہ شہاب ولایت جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

شہاب اور ولایت ۔۔۔۔۔۔؟ وہ چونک پڑی۔۔۔۔۔۔وہ تو خاصے غریب والدین کا بیٹا تھا۔۔۔۔۔۔

جلد ہی اس کی حیرت کو اس کی سہیلی نے دور کر دیا کہ والدین نہیں اس کے سسرال والے اسے ولایت بھیج رہے تھے۔۔۔۔۔۔

انہی شرائط پر تو شہاب کا وہاں رشتہ طے ہوا تھا اور پھر اسی لیے فوراً نکاح ہو گیا

تھا۔۔۔۔۔۔۔

اور اب سے بڑی بات یہ کہ سب کچھ شہاب کی مرضی سے ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔

اسے فارن جانے کا بڑا شوق تھا۔۔۔۔۔۔۔

بس! اتنے سے ہی انسان بک جاتا ہے۔۔۔۔۔۔؟ اس کی آرزوئیں اور امنگیں بک جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔؟؟

مگر ۔۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔۔ اس نے اپنی آرزوئیں تو نہ بیچی تھیں۔۔۔۔۔۔ اس نے تو خریدی تھیں ۔۔۔۔۔۔ یہ تو بکنے والی سحر تھی۔۔۔۔۔۔ جس کے بدلے میں اس نے اپنے شوق اور خواہشات خرید لیں ۔۔۔۔۔۔

اور۔۔۔۔۔۔ اس کی زندگی کو اس نے محبت جیسے موذی مرض کا روگ لگا ڈالا تھا۔۔۔۔۔۔ اس نے تو اس کی آرزوئیں اور امنگیں بیچ ڈالی تھیں۔۔۔۔۔۔

ہائے شہاب! یہ تم نے کیا کیا۔۔۔۔۔۔؟

تب سحر نے اسی دن بستر چھوڑ دیا۔۔۔۔۔۔ اور پھر۔۔۔۔۔۔ **وہ ہر ایک سے محبت کے عہد و پیمان باندھ سکتی تھی۔۔۔۔۔۔**

باندھ لیتی تھی مگر صرف توڑنے کے لیے۔۔۔۔۔۔

اس کے خیال میں محبت نام کا کوئی جذبہ انسان کے اندر نہ تھا۔۔۔۔۔۔ صرف خود غرضی تھی جو کبھی محبت کے روپ میں ظاہر ہو جاتی تھی ۔۔۔۔۔۔ کبھی نفرت کے روپ میں اور کبھی انتقام اور کبھی انس کے روپ میں ۔۔۔۔۔۔!!

[illegible]

تھیں۔۔۔۔۔۔۔وہ اپنی بھیگی بھیگی آنکھوں کو ہتھیلیوں سے رگڑ کر خشک کرتے ہوئے پھر ہنس پڑی۔۔۔۔۔۔۔اسی خلوص اور مزے کے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔!!

تیسرے دن ہی ایزد کے دوسرے جرمانے کی فلم کا پروگرام تھا۔۔۔۔۔۔۔سحر چپکی ہو رہی۔۔۔۔۔۔۔گیتی کو اس نے بلایا ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔

فلم کے وقت سے دس پندرہ منٹ پہلے ہی ایزد بڑا خوبصورت اور بانکا سا بنا گنگناتا ہوا آ پہنچا۔۔۔۔۔۔۔

ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔۔۔۔۔۔۔بڑی بے تابی سے کسی کو ڈھونڈنے والی نگاہ تھی وہ! سحر مسکرا پڑی۔۔۔۔۔۔۔اس کی اس نگاہ کا مطلب سمجھ گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔مگر پھر بھی چپکی ہو رہی بلکہ۔۔۔۔۔۔۔بالکل ہی نظر انداز کر گئی۔۔۔۔۔۔۔

کہو پیارے! پروگرام ڈراپ ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔؟

وہ کئی بار سحر سے مردانہ انداز میں دوستوں کی طرح بات کیا کرتا تھا۔۔۔۔۔۔۔

اس وقت بھی وہ اسی زندہ دلی سے پوچھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

نہیں تو

سحر نے اپنی مسکراہٹ ہونٹوں ہی میں بھینچ لی۔۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔۔؟

بس آپ ہی کا انتظار تھا۔۔۔۔۔۔۔

سحر اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔۔۔۔۔

دو منٹ میں تیار ہو کر آئی۔۔۔۔۔۔۔

کنکھیوں سے اسے دیکھتے اور دل ہی دل میں ہنستے وہ تیار ہونے چلی گئی اور جب تیار ہو کر آئی تو وہ کھڑکی میں کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

سحر کو پھر ہنسی آ گئی۔۔۔۔۔۔۔

ڈھونڈو اب چراغ رخ زیبا لے کر۔۔۔۔۔۔۔ایزد بھائی! جتنا آپ نے مجھے

اس دن ستایا ہے نا۔۔۔۔۔۔اب تو اس کا بدلہ جب اترے گا تب ہی آپ کو اس کی شکل نظر آئے گی۔۔۔۔۔۔

ہیلو۔۔۔۔۔۔!

ہوں۔۔۔۔۔۔وہ جلدی سے پیچھے گھوما۔۔۔۔۔۔

چلیے۔۔۔۔۔۔تیار ہوں میں۔۔۔۔۔۔

بس۔۔۔۔۔۔؟

تو اور کیا۔۔۔۔۔۔؟

وہ۔۔۔۔۔۔صرف ہم دونوں۔۔۔۔۔۔؟

ہماری ہی شرط تھی۔۔۔۔۔۔

سحر نے لاپرواہی سے کہا اور آگے بڑھ کر ایزد کا بازو تھام لیا۔۔۔۔۔۔

مہر دین کہاں ہے۔۔۔۔۔۔؟

کسی سہیلی کے گھر ہو گی۔۔۔۔۔۔لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔؟

کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔یونہی۔۔۔۔۔۔

اس وقت وہ اس کے ساتھ چل تو دیا مگر سحر کو اندازہ ہو گیا کہ اس کا موڈ یکدم خراب ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔

پھر وہ سارا راستہ سحر سے بات بے بات لڑتا رہا۔۔۔۔۔۔فلم میں بھی اداکاروں کہانی اور موسیقی پر خواہ مخواہ کی نکتہ چینی کرتا رہا۔۔۔۔۔۔

حالانکہ فلم بھی بڑی اچھی تھی۔۔۔۔۔۔اداکار بھی شہرت یافتہ تھے۔۔۔۔۔۔کہانی اور موسیقی میں بھی کوئی خامی نہ تھی مگر وہ تمام وقت بڑبڑاتا رہا۔۔۔۔۔۔

سحر لطف اندوز ہوتی رہی اور مسکراتی رہی۔۔۔۔۔۔انٹرول میں اس نے

سوائے کوکا کولا کے اور کچھ بھی نہ اسے پوچھا۔۔۔۔۔۔۔ورنہ پہلے جب گیتی ساتھ تھی تو باوجود اس کے کہ گھر سے چائے کے ساتھ بہت کچھ کھا کر آئے تھے ۔۔۔۔۔۔۔یہاں بھی اس نے بے شمار چیزیں اکٹھی کرلی تھیں ۔۔۔۔۔۔۔

سحر اس کے اس انداز سے بے حد محظوظ ہورہی تھی۔۔۔۔۔۔۔بڑا اچھا اور بڑا معصوم لگ رہا تھا وہ اسے۔۔۔۔۔۔۔!

اس کی اس جھنجھلاہٹ پر وہ اندر ہی اندر قہقہے لگاتی رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ایزد تو اس کی توقعات سے بھی زیادہ دلچسپ اور پیارا انسان ثابت ہورہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

بالکل اس ضدی بچے کی مانند جسے اس کی پسند کا کھلونا نہ ملے تو وہ دوسروں کو بھی توڑنے پھوڑنے پر آمادہ ہوجائے۔۔۔۔۔۔۔**اور سحر اس وقت ایزد کے ساتھ اسی بچے کا سا سلوک کررہی تھی۔جیسے پیار سے بہلا پھسلا کر۔۔۔۔۔۔۔**

فلم دیکھ کر ہال سے باہر نکلے تو اس نے وہیں اعلان کردیا کہ وہ گھر سے باہر ہی سحر کو اتار دے گا۔۔۔۔۔۔۔خود اندر نہیں جائے گا۔۔۔۔۔۔۔کوئی بہت ضروری کام تھا اسے۔۔۔۔۔۔۔!

سحر اس کا ضروری کام جانتی تھی۔۔۔۔۔۔۔گھر جاکر، بستر پر دراز ہوکر اس نے تارے گننا تھے۔۔۔۔۔۔۔اور گیتی کو یاد کرنا تھا اور سحر کو کوسنا تھا۔۔۔۔۔۔۔یہ سب کام اس نے کرنا تھے۔

سحر ہنس کر اس کی رضا پر راضی ہوگئی۔۔۔۔۔۔۔

ایزد رضا صاحب! مجھے اور تنگ کرو۔۔۔۔۔۔۔اور ستاؤ۔۔۔۔۔۔۔اور مجھ سے اور چھپاؤ دل کے بھید۔۔۔۔۔۔۔!چوری بھی کس سے۔۔۔۔۔۔۔سحر سے۔۔۔۔۔۔۔کیا دھرا ہی جس کا ہے۔۔۔۔۔۔۔!

وہ چلا گیا۔۔۔۔۔۔۔سحر ہنستی رہ گئی۔۔۔۔۔۔۔

دوسرے دن وہ پھر۔۔۔۔۔۔۔تیسرے دن پھر آیا۔۔۔۔۔۔۔کچھ چپ سا

ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔خاموش نگاہیں ادھر ادھر کسی کو ڈھونڈتی رہتیں۔۔۔۔۔۔

سحر سب کچھ نظر انداز کر چھوڑتی۔۔۔۔۔۔ چائے پلاتی۔۔۔۔۔۔اس کے ساتھ گپ لڑاتی۔۔۔۔۔۔ہمیشہ کی طرح ہنسی مذاق کرتی۔۔۔۔۔۔

مگر وہ بعض وقت خود میں اتنا گم ہوتا کہ سحر سوال گندم کرتی جواب جو ملتا۔۔۔۔۔۔تب وہ زور سے ہنس پڑتی۔۔۔۔۔۔

اگر خود ہی ایزد کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا تو ہو جاتا۔۔۔۔۔۔خفت سے مسکرا کر بات بدل ڈالتا۔۔۔۔۔۔ البتہ سحر اس کی غلطی کبھی نہ پکڑتی۔۔۔۔۔۔ اتنی ضرور اس نے اس کے ساتھ رعایت کی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔کہ خود بھی اس کی غلطی ٹال جاتی۔۔۔۔۔۔

وہ بڑی حد تک بے قصور تھا بلکہ قابل رحم۔۔۔۔۔۔اس حالت اور اس گمشدگی کی کیفیت تک خود اس نے ہی تو اسے پہنچایا تھا۔۔۔۔۔۔ ہائے بچارا۔۔۔۔۔۔اس پر ترس بھر سحر کو بے تحاشا آتا۔۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔کیا کرتی۔۔۔۔۔۔؟ ڈرامے کا خصوصاً یہ حصہ تو سب سے زیادہ لطف اندوز تھا۔۔۔۔۔۔سب سے زیادہ دلچسپ۔۔۔۔۔۔!!

اسی دوران بہانے بہانے ایزد نے کئی پروگرام بنائے۔۔۔۔۔۔کبھی دریا میں کشتی کی سیر کا۔۔۔۔۔۔وہ تو اس بھول میں تھا کہ گیتی کے بغیر سحر اس تفریح کے لیے کبھی نہ جائے گی۔۔۔۔۔۔وہ دونوں اتنی گہری سہیلیاں تھیں۔۔۔۔۔۔

مگر اس دن بھی کشتی کی سیر میں صرف مہر کا اضافہ ہوا۔۔۔۔۔۔گیتی اس دن بھی نہیں تھی۔۔۔۔۔۔ایزد کی حالت ہی دیکھ کر سحر کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کیسا مایوس ہوا تھا۔۔۔۔۔۔!

پہلے کس جوش و خروش اور جذبے کے ساتھ پکنکیں اور فلمیں اور دوسری تفریحات منایا کرتا تھا۔۔۔۔۔۔اب پروگرام بڑے جوش اور ولولے سے بنایا مگر بے دلی

سے اس نے اس میں حصہ لیا۔۔۔۔۔۔۔سارا وقت بجھا بجھا سا رہا۔۔۔۔۔۔

چپو وہ خود تھامے تھا۔۔۔۔۔۔مہر نے چھینٹے اڑا اڑا کر اسے بہت ستایا مگر وہ پھر بھی خاموش رہا۔۔۔۔۔۔کوئی بدلہ اس نے لیا ہی نہیں۔۔۔۔۔۔بس چپو چلانے میں مصروف رہا۔۔۔۔۔۔

ورنہ شالیمار کی پکنک میں کس کس طرح اس نے انہیں ستا کر، پریشان کر کے مزہ دوبالا کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔رونقیں ہی رونقیں بکھیر دی تھیں ہر چہار سو۔۔۔۔۔۔!

پھر مہر نے بہت منتیں کیں کہ وہ کوئی گانا سنائے۔۔۔۔۔۔جانتی تھی وہ بہت اچھا گاتا ہے۔۔۔۔۔۔مگر وہ یہی کہتا رہا کہ اسے تو بس صرف رونا ہی آتا تھا۔۔۔۔۔۔گانا گونا تو اس کا باپ بھی نہیں جانتا تھا۔۔۔۔۔۔

حالانکہ مہر ہی کی خواہش پر اس نے اس دن بیلے ناچ تک کر ڈالا تھا۔۔۔۔۔۔کتنا مزے میں وہ تھا اس دن۔۔۔۔۔۔اور کتنا مزہ آیا تھا باقی سب کو بھی۔۔۔۔۔۔!

پھر مہر نے خود ہی موٹی سی بھدی سی آواز میں گانا شروع کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔باتیں کرتے وقت اس کی آواز بڑی مہین اور پیاری سی ہوتی تھی۔۔۔۔۔۔مگر جانے کیوں گانا گاتے وقت وہی مہین اور نازک سی آواز بھدی ہو جاتی تھی۔۔۔۔۔۔!

اس احساس کے باوجود وہ گانا گاتی رہی۔۔۔۔۔۔آخر کسی نہ کسی طرح تو اس کشتی کی سیر کو دلچسپ بنانا ہی تھا۔۔۔۔۔۔ورنہ یہ کوئی سیر تھی۔۔۔۔۔۔کہ سب منہ تھوتھائے بیٹھے تھے اور کشتی نیلے نیلے پانیوں میں رواں دواں تھی اور بس۔۔۔۔۔۔!

سحر اس کی آواز کے متعلق سے اسے خوب خوب مذاق کرتی رہی مگر ایز دتب بھی

ایک لفظ نہیں بولا۔۔۔۔۔۔مذاق بھی نہیں کیا۔۔۔۔۔۔

بس کبھی افق پر پھیلی سرخ سرخ شفق کو دیکھنے لگ جاتا اور کبھی گردن موڑ کر نیلے نیلے پانی میں نگاہیں گاڑ دیتا۔۔۔۔۔۔

یقیناً یہاں کوئی بڑی خوبصورت اور نازک سی مچھلی تیر رہی ہے تبھی بھائی جان ادھر دیکھے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔

سحر نے اسے چھیڑنے کی کوشش بھی کی۔۔۔۔۔۔مگر وہ ایک ہلکا سا تبسم دے کر پھر کہیں اور دیکھنے لگا۔۔۔۔۔۔

اور تب اسی دن واپسی پر مہر نے اعلان کر دیا کہ اب وہ آئندہ ایزد بھائی جان کے ساتھ کبھی کسی تفریح کے لیے نہیں جائے گی۔۔۔۔۔۔کہ وہ اس قابل نہیں تھے۔۔۔۔۔۔

جانے کیوں وہ اتنے بدمزاج ہو گئے تھے۔۔۔۔۔۔اس کی اس بات اس احتجاج کا بھی ایزد نے کوئی جواب نہ دیا کوئی تردید نہ کی۔۔۔۔۔۔بس اس کے شانوں تک بکھرے خوبصورت بالوں والے سر میں ایک دھپ لگا کر واپس اپنے ضروری کام پر چلا گیا تھا۔۔۔۔۔۔

شاید ہر ستارے میں اسے گیتی کی شبیہہ دکھائی دیتی تھی جو اب وہ سر شام ہی گھر واپس جانے کی رٹ لگا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

ایزد کا تو حال اس کے حلیے اور انداز سے صاف ظاہر تھا۔۔۔۔۔۔سحر کو ایک دن گیتی کا خیال آ گیا۔۔۔۔۔۔اسے بھی تو جا کر دیکھنا چاہیے تھا کہ وہ کس حالوں میں تھی۔۔۔۔۔۔

وہ بھی دل کے ان معاملات میں ایزد کی طرح سنجیدہ تھی یا وہ اپنی فطری شرم و حیا ہی کی وجہ سے اس کی موجودگی میں اکثر گلنار ہو جایا کرتی تھی۔۔۔۔۔۔لجاتی شرماتی رہتی تھی۔۔۔۔۔۔اور اسے دیکھتے ہی اس کے ہاتھ لرزنے کپکپانے لگ

جاتے تھے۔۔۔۔۔۔۔

اب ہی تو اس کا اندازہ ہو گا کہ اس کے اندر کیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ وہ کیا کچھ اپنے سینے میں چھپائے تھی۔۔۔۔۔۔؟ کیا وہ بھی ایزد کو اسی طرح اپنا چکی تھی جس طرح وہ اسے اپنے دل کے نہاں خانوں میں بسا بیٹھا تھا۔۔۔۔۔۔

سحر اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔۔۔۔۔۔ گیتی لان میں کھلنے والی کھڑکی میں کھڑی تھی۔۔۔۔۔۔ لمحہ بھر کے لیے سحر کو خیال آیا۔۔۔۔۔۔ اگر گیتی کی کوٹھی کا یہ حصہ ادھر انیکسی کی طرف ہوتا تو۔۔۔۔۔۔؟ آج کچھ اور ہی حالات ہوتے ۔۔۔۔۔۔

اچھا کیا تھا جو انہوں نے انیکسی الگ ہٹ کر بنوائی تھی۔۔۔۔۔۔ اور اس کا راستہ بھی کوٹھی کے راستے سے بالکل جدا تھا۔۔۔۔۔۔ **گو اندر کی طرف بھی ایک تھا مگر وہ صرف کھانا وغیرہ لے جانے کے وقت کھلتا تھا۔۔۔۔۔۔** باقی وقت اکثر بند ہی رہتا۔۔۔۔۔۔

پاگل تھی گیتی۔۔۔۔۔۔ نہ بھی بند رکھنے کی ہدایت کرتی تو کونسا ایزد نے اپنے آپ ہی ادھر آ جانا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ اتنا شریف اور اتنا اچھا انسان تھا۔۔۔۔۔۔ اس نے تو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا تھا۔۔۔۔۔۔ کہ ادھر گیتی جیسی ایک حور موجود تھی۔۔۔۔۔۔

بہر کیف جو کچھ ہوا بہت بہتر ہوا۔۔۔۔۔۔ ایسے حالات پیش آنے سے اسے اتنا پیارا بھائی مل گیا۔۔۔۔۔۔ اتنی اچھی دل لگی کا سامان مل گیا۔۔۔۔۔۔ کتنا مزہ آ رہا تھا یہ ڈرامہ کھیلنے میں۔۔۔۔۔۔!

ہیلو۔۔۔۔۔۔!

مدتوں کی جدائی کے بعد کوئی عزیز ترین ہستی اچانک سرراہے مل جائے۔۔۔۔۔۔

یہ تم اتنے دنوں سے کہاں تھیں۔۔۔۔۔۔؟

میں یا ایزد بھائی گیتی جان۔۔۔۔۔۔! سحر دل ہی دل میں مسکرائی ۔۔۔۔۔۔

پھر سنجیدگی سے بولی۔۔۔۔۔۔

بس یونیورسٹی نے ہی جکڑ رکھا ہے۔۔۔۔۔۔ جانے کئی لڑکیاں دو دو تین تین ۔۔۔۔۔۔ ایم اے کس طرح کر لیتی ہیں۔۔۔۔۔۔ مجھے تو ایک ہی روگ بن کر چمٹ گیا۔۔۔۔۔۔

آج گیتی نے اسے یہ ارادہ چھوڑ دینے کا ناصحانہ مشورہ نہیں دیا۔۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔۔! میں سمجھتی تھی سیر سپاٹے میں لگی ہو گی۔۔۔۔۔۔

پھر خود ہی گیتی اپنی تنہائی کا رونا رونے لگی۔۔۔۔۔۔

کچھ نہ پوچھو میرے دن بھی آج کل بڑے بور گزر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ واقعی گھر میں پڑے پڑے انسان اکتا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔

سحر نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔۔ یہ وہ گیتی بول رہی تھی جو گھر کے سکون اور گھر کی چار دیواری کو جنت سے مشابہت دیا کرتی تھی۔۔۔۔۔۔

سحر نے بڑی مشکل سے ہونٹوں پر بکھر آتی مسکراہٹ کو ضبط کیا۔۔۔۔۔۔

کوئی پروگرام بناؤ نا سحر۔۔۔۔۔۔!

یہ پروگراموں سے بھاگنے والی گیتی کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

تمہیں پڑھائی سے چند گھنٹوں کے لیے نجات مل جائے گی اور مجھے گھر کی ان تنہائیوں سے۔۔۔۔۔۔ دونوں ہی کی بوریت دور ہو جائے گی۔۔۔۔۔۔

ضرور۔۔۔۔۔۔ ضرور

سحر بڑی سنجیدگی سے بولی تھی۔۔۔۔۔۔

کوئی سا بنالو۔۔۔۔۔۔۔

فلم۔۔۔۔۔۔یا کہیں ننھی منی سے پکنک۔۔۔۔۔۔۔!

گیتی یکدم مسرور ہوکر باآواز بلند سوچنے لگی تھی۔۔۔۔۔۔۔

پکنک ٹھیک رہے گی۔۔۔۔۔۔

اس نے خود ہی فیصلہ کرلیا۔۔۔۔۔۔سحر مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔۔۔۔۔۔

جہانگیر کے مقبرے چلیں گے۔۔۔۔۔۔کون کون جائے گا۔۔۔۔۔۔؟

پھر اسی حساب سے میں شامی کباب بنالوں گی۔۔۔۔۔۔

ممی۔۔۔۔۔۔تمہاری مہرو۔۔۔۔۔۔تم اور میں۔۔۔۔۔۔چاروں ہی۔۔۔۔۔۔

بس۔۔۔۔۔۔؟

گیتی نے عجب مایوسی بھرے انداز میں اسے دیکھا۔۔۔۔۔۔

سحر کا اندر بے شمار قہقہے لگا اٹھا مگر اس نے ہونٹوں پر سنجیدگی کے قفل لگائے رکھے۔۔۔۔۔۔

تو اور کیا۔۔۔۔۔۔؟

عورتیں ہی عورتیں۔۔۔۔۔۔؟ زمانہ نازک ہے۔۔۔۔۔۔

گیتی جان! تم دل کی بات صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں۔۔۔۔۔۔؟

سحر کی سوچ مسکرائی۔۔۔۔۔۔

کہ ایزد کو بھی ساتھ لے لو میں اس کے بغیر اداس ہوں۔۔۔۔۔۔

ایسا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔

سحر نے اپنے اندر بکھری ہنسیوں کو سمیٹ کر سنجیدگی سے بھنچے لبوں کو ادا کیا۔۔۔۔۔۔رفیقے کو ساتھ لے لیں گے۔۔۔۔۔۔کام وام بھی کردے گا اور

ہم خود مزے سے سیر سپاٹا کرتی پھریں گی۔۔۔۔۔۔

اس بات سے گیتی یکدم خاموش ہو گئی۔۔۔۔۔۔پھر جانے کیوں اسے طیش آ گیا تھا۔سحر پر۔۔۔۔۔۔خود پر۔۔۔۔۔۔یا ایزد پر، جو اس کے دل کو عجیب سا روگ لگا کر مرغ بسمل کی طرح تڑپتا چھوڑ کر خود نجانے کہاں کھو گیا تھا۔۔۔۔۔۔!

سحر کو بس ہنسی آئے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

یہ رفیقا بڑا کمبخت ہے۔۔۔۔۔۔ ابھی تک چائے ہی نہیں لے کر آیا۔۔۔۔۔۔اور فیقے! جی بی بی جی۔۔۔۔۔۔

رفیقا چائے کی ٹرالی لیے پہلے ہی چلا آ رہا تھا۔۔۔۔۔۔

تمہیں معلوم نہیں سحر بی بی آئی ہیں۔۔۔۔۔۔کوئی گھر میں آیا کرے تو خود ہی چائے پانی کا انتظام کر لیا کرو۔۔۔۔۔۔

گیتی اسے ڈانٹنے لگی۔۔۔۔۔۔

لے تو آیا بی بی جی۔۔۔۔۔۔!

اتنی دیر سے۔۔۔۔۔۔؟

دیر کب ہوئی۔۔۔۔۔۔؟ ان کے آتے ہی تو میں نے کیتلی لگا دی تھی۔۔۔۔۔۔

آخر پانی کھولتا۔۔۔۔۔۔

تمہیں بکواس کچھ زیادہ کرنی آ گئی ہے۔۔۔۔۔۔چلو جاؤ بھاگو۔۔۔۔۔۔

کسی اور کا غصہ اس بیچارے پر کیوں اتار رہی ہو۔۔۔۔۔۔؟

آخر سحر سے خاموش نہ رہا گیا۔۔۔۔۔۔

کیا۔۔۔۔۔۔؟ گیتی نے چونک کر سحر کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔۔

کسی اور کا کیا مطلب۔۔۔۔۔۔؟

مطلب میرا۔۔۔سحر جلدی سے بات بدل گئی۔۔۔۔۔۔

نہیں نہیں ------

گیتی کو شاید کچھ ہوش آ گیا تھا ------ ایکدم مسکرا دی ------

تم پر مجھے کیوں غصہ ہو گا ------؟

اس لمحے سحر کو احساس ہوا کہ گیتی کی مسکراہٹ بڑی اوپری سی اور آورد سی تھی ------ اس میں وہ ہمیشہ والا جذبہ یا کوئی ندرتی بجلیوں ایسی چمک نہ تھی ------

ہائے بیچاری ------! سحر کو اس پر بھی ترس آ گیا ------

مگر ------ وہی ڈرامے کی لذت والا معاملہ ------!

وصل کے مزے لوٹے تھے ------ اب فراق کی گھڑیاں بھی آنا چاہیے تھیں۔ ورنہ یہ عشق کی داستان مکمل کس طرح ہو سکتی تھی ------؟

سحر نے سوچا ------

اس ڈرامے میں اور تو کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا جو کچھ پیچیدگیاں پڑتیں ------

سیدھا سادا پلاٹ تھا ------

وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کر چکے تھے ------ ہیروئن کا باپ پہلے بھی یہی چاہتا تھا ------ ماں باپ کے اشارے پر چلتی تھی ------ باپ کی جو مرضی ہوتی وہی ماں کی بن جاتی ------

یہ بھید کھلتے ہی کہ ہیرو، ہیروئن ہی کے باپ کی مل کا مینجر تھا ------ فوری منگنی بیاہ ہو جانا تھا ------ چلو جی قصہ ختم ہوا ------!

کیا ہوا [illegible] ؟ پلاٹ میں [illegible] تک وہ غم اور جدائی و فراق کی چاشنی [illegible]

کیسے آپ ہی آپ وہ ڈرامہ نگار، ڈائریکٹر اور پروڈیوسر اور نجانے کیا کیا بن بیٹھی تھی۔۔۔۔۔۔

بہر کیف جو کچھ بھی تھا۔۔۔۔۔۔معاملہ تھا پرلطف۔۔۔۔۔۔! سکول، کالج میں کھیلے جانے والے سب ڈراموں سے زیادہ دلچسپ۔۔۔۔۔۔!!

گیتی کی تڑپ اور بے چینی بھی اس پر عیاں ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔یعنی دونوں طرف تھی آگ برابر۔۔۔۔۔۔

یوں وہ مطمئن تھی۔۔۔۔۔۔ **دونوں کردار بالکل ٹھیک جا رہے تھے**۔۔۔۔۔۔ہائے بیچارے۔۔۔۔۔۔!!

سحر ہنس ہنس کر دوہری ہوئی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔۔بس چند دن اور۔۔۔۔۔۔فراق کی کٹھالی میں چند دن اور تپو۔۔۔۔۔۔کندن بن جاؤ گے۔۔۔۔۔۔اور پھر ایک دوسرے کی قدر کرو گے۔۔۔۔۔۔زندگی سکھ سے گزرے گی میرے پیارو۔۔۔۔۔۔!!

☆

بانو چپ چاپ بیٹھی تھی ۔۔۔۔۔۔**سیٹھ امان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا**۔۔۔۔۔۔بات کرتے ہوئے منہ سے کف اڑ رہا تھا۔۔۔۔۔۔شدت طیش سے ان کے ہاتھ لرز رہے تھے۔۔۔۔۔۔اور وہ بے تکان بولے جا رہے تھے۔۔۔۔۔۔

وہ جب اس عالم میں ہوتے بانو بے قصور اور بے گناہ ہوتے ہوئے بھی یوں مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیتیں جیسے سچ مچ قصوروار تھیں وہ۔۔۔۔۔۔!

سیٹھ امان کی ہر بات، ہر ڈانٹ بڑے صبر و تحمل سے برداشت کرتیں ۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔یہ صرف ان کا ظاہر تھا۔۔۔۔۔۔**اندر سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتیں**۔۔۔۔۔۔

بڑے امیر اور رئیس والدین کی اولاد تھیں ۔۔۔۔۔۔بے حد ناز و نعم میں پلی ہوئیں۔۔۔۔۔۔کبھی کسی کی جھڑکی سننا تو کجا رہا میلی آنک بھی نہیں دیکھی تھی۔۔۔۔۔۔اپنے لیے کسی پیشانی پر سلوٹ کبھی نہیں محسوس کی تھی۔۔۔۔۔۔

پھر قسمت نے انہیں سیٹھ امان کے ساتھ بیاہ دیا۔۔۔۔۔۔ان دنوں سیٹھ امان صرف امان اللہ تھے۔۔۔۔۔۔بی اے پاس کر کے سیکرٹریٹ میں کلرکی کرتے تھے۔۔۔۔۔۔

بانو کے ابا اور امان اللہ کی امی بس دو ہی بھائی بہن تھے ۔۔۔۔۔۔دونوں میں بے حد پیار تھا۔۔۔۔۔۔ بھائی بہن کی کبھی کوئی بات ٹالا نہیں کرتے تھے۔۔۔۔۔۔

پہلے ساتھ کھیلنے، بڑھنے اور خون کی محبت تھی ۔۔۔۔۔۔پھر بیوگی کی تیرہ و تار چادر بہن کے سر پر پڑی تو بھائی کا دل بہن کے لیے ایسا رحم و ہمدردی سے لبریز ہوا کہ جو بھی بہن نے خواہش کی بھائی نے کبھی رد نہ کی۔۔۔۔۔۔

بانو اور امان اللہ کا رشتہ کسی طرح بھی موزوں نہ تھا مگر بہن نے جب بھائی کے آگے دامن پھیلایا تو بھائی کی طبیعت کی اسی ہمدردی اور رحم نے بلا کچھ سوچے سمجھے بہن کی میلی جھولی میں اپنی اجلی اور حسین لڑکی کو ڈال دیا۔۔۔۔۔۔

وہ دوسری بات تھی کہ پھر انہوں نے بھانجے کو کلرکی نہیں کرنے دی مگر خوشحالی اور تنگدستی کی گود میں پلے ہوئے دو بچوں کے درمیان جو بنیادی فرق تھا وہ مٹ نہ سکا۔

بانو کے دل نے امان اللہ کو کبھی قبول نہ کیا۔۔۔۔۔۔ لیکن اس کا اظہار بھی ان کی طرف سے کبھی نہ ہوا۔۔۔۔۔۔ اور امان اللہ کو اس بات کا جانے کیسے علم ہو گیا یا ان کی اپنی داڑھی میں ہی تنکا تھا۔۔۔۔۔۔

تنگدستی کو خوشحالی کے ساتھ جو اندرونی طور پر حسد ہوتا ہے وہ یہاں بھی موجود تھا۔۔۔۔۔۔ بانو ہر معاملے میں امان اللہ سے برتر تھیں اور امان اللہ کا یہ احساس کمتری انہیں دن بدن بانو پر بالادست کرتا گیا۔۔۔۔۔۔

بانو نے گو دل سے یہ رشتہ کبھی قبول نہ کیا مگر باپ کی عزت اور وقار کی خاطر خاوند کو ہمیشہ سچ مچ ہی مجازی خدا سمجھا۔۔۔۔۔۔ ان کے سامنے زیادہ سے زیادہ جھکتی گئیں۔۔۔۔۔۔

پھر باپ کی وفات کے بعد جب ساری جائیداد اور کارخانوں کے حصے بخرے ہوئے تو بانو کے حصہ میں بھی بہت آیا۔۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ شاید بانو کا مقدر ساتھ تھا یا خود امان اللہ کے دن پھر گئے۔۔۔۔۔۔

وہ کچھ ہی عرصے میں امان اللہ سے سیٹھ امان بن گئے۔۔۔۔۔۔ ادھر بانو کے بہن بھائی اپنی پہلی پوزیشن سے کچھ نیچے آ گئے۔۔۔۔۔۔

حاصل کر لی تھی۔۔۔۔۔۔خواہ کسی بھی طرح۔۔۔۔۔۔مگر اب وہ فاتح تھے۔۔۔۔۔۔

اور بانو دن بدن زیادہ سے زیادہ دبتی چلی گئیں۔۔۔۔۔۔اس کے علاوہ جب انسان کی خواہشات اور دلی آرزوئیں پوری نہ ہوں تو ذہن و دل کے گھٹے گھٹے جذبات، تشنہ تمنائیں اور مردہ حسرتیں اس کی صحت کے چہرے پر اپنا عکس ضرور چھوڑ جاتے ہیں۔

ابھی جوانی بڑھاپے کے گلے ملی بھی نہیں تھی کہ بانو کو بڑھاپے کی بیماریوں نے آ گھیرا۔۔۔۔۔۔جوڑوں کے درد کی اتنی تکلیف رہتی کہ گھر میں بھی چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا۔۔۔۔۔۔اور یوں وہ تقریباً اپنے کمرے میں قید سی ہو کر رہ گئیں۔۔۔۔۔۔

تب ان سب حالات نے انہیں خدا کے بہت قریب کر دیا۔۔۔۔۔۔نماز روزے کی پابند تھیں چنانچہ اپنی گیتی کی تربیت بھی انہوں نے عین مذہب اور شرع کی رو سے کی۔۔۔۔۔۔ویسے اس معاملے میں سیٹھ امان نے دخل بھی نہیں دیا۔۔۔۔۔۔مصیبت تو یہ تھی کہ انہیں بانو سے محبت بھی بہت تھی۔۔۔۔۔۔اور جو کچھ بھی وہ کرتیں وہ انہیں درست ہی معلوم ہوتا۔۔۔۔۔۔

بس اک کاش! بانو امیر والدین کی بیٹی نہ ہوتیں اور وہ بیوہ ماں کی اولاد نہ ہوتے۔۔۔۔۔۔پھر۔۔۔۔۔۔پھر زندگی بڑے سکون اور اطمینان سے گزرتی۔۔۔۔۔۔

اب بھی انہیں جب کبھی بھی اپنی ایسی ویسی زیادتیوں کا احساس ہوتا تو بانو کے پاس بیٹھ کر ان کی دلجوئی بھی بہت کرتے مگر۔۔۔۔۔۔کیا کرتے۔۔۔۔۔۔؟ مزاج کچھ ایسا ہو چکا تھا کہ اس بڑھاپے کے زمانے میں بھی جب غصہ آتا تو عادت کے مطابق بانو ہی ہدف بنتیں۔۔۔۔۔۔

خواہ بیٹی کی کوئی بات ہو۔۔۔۔۔۔خواہ کسی ملازم کی۔۔۔۔۔۔مگر نزلہ بر عضو نازک بانو پر ہی گرتا۔۔۔۔۔۔یہ بھی شاید محبت کی نشانی تھی۔۔۔۔۔۔

اور اس وقت بھی معاملہ گیتی کا تھا اور غصہ بانو پر اتر رہا تھا۔۔۔۔۔۔وہ جو اس کی بہتر زندگی، بہتر مستقبل کے لئے فکر مند رہتے تھے۔۔۔۔۔۔اس کا بھلا چاہتے تھے تو وہ کیوں باپ کا اک ذرا سا حکم نہیں مان سکتی تھی۔۔۔۔۔۔

انہوں نے گیتی کے سامنے کوئی پہاڑ کھودنے کو تو نہیں رکھ دیا تھا صرف اتنی ہی خواہش کی تھی نا کہ گیتی کسی طرح ایک آدھ بار مینجر کے ساتھ چلی جائے۔۔۔۔۔۔اس کے ساتھ دو چار باتیں کرلے۔۔۔۔۔۔بس۔۔۔۔۔۔؟

خوانخواستہ اس سے کوئی اور بڑی بات تو نہیں کہہ دی تھی۔۔۔۔۔۔انہیں اپنا تو کوئی لالچ نہ تھا۔۔۔۔۔۔گیتی ہی کے اچھے مستقبل اور خوشگوار زندگی کی خاطر وہ یہ سب چاہتے تھے۔۔۔۔۔۔

اتنی قسمت والا تھا وہ۔۔۔۔۔۔اتنا خوش بخت تھا۔۔۔۔۔۔ہر طرح ہی تو انہوں نے آزما لیا تھا۔۔۔۔۔۔لیاقت اور قابلیت میں وہ اعلیٰ تھا۔۔۔۔۔۔شکل وصورت اس نے شہزادوں ایسی پائی تھی۔۔۔۔۔۔مزاج اس کا بڑا زندہ دل تھا۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔وہ کس طرح اسے ہاتھ سے کھو دیتے۔۔۔۔۔۔؟

اور اگر شومئی قسمت ایسا نہ ہوسکا تو گیتی کے لیے ایسا جیسا کوئی اور رشتہ ملنا ناممکن تھا قطعی ناممکن۔۔۔۔۔۔!

کیوں وہ دونوں ماں بیٹی سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔۔۔۔۔۔؟ اور اب ان دونوں ہی کی کم سمجھی اور ڈھٹائی یہ دن لے آئی تھی۔۔۔۔۔۔

وہ نوجوان تھا۔۔۔۔۔۔زندگی کی باقی آسائشیں اسے میسر تھیں۔۔۔۔۔۔چنانچہ فطری اصولوں اور انسانی جبلت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اس نے

ایک گھر بنانا تھا۔۔۔۔۔۔۔بیوی بچوں والا گھر۔۔۔۔۔۔۔!

کہ انسان کو اصل سکھ اسی پناہ گاہ میں ملتا ہے جہاں زندگی کی یہ سب ضروریات موجود ہوں۔۔۔۔۔۔۔

اور اس کا گھر، آسائشوں بھرا گھر تو تھا مگر سکون و اطمینان کی آغوش نہ تھا۔۔۔۔۔۔۔جو خلوص و وفا اور پیار و محبت بھرا دل رکھنے والی ایک عورت ہی مہیا کر سکتی ہے۔۔۔۔۔۔۔

اور اس کی تلاش میں جانے کہاں کہاں سرگرداں رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔کہیں کچھ پایا بھی یا نہیں۔۔۔۔۔۔۔؟اس کے متعلق سیٹھ امان کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔۔۔۔۔۔۔

مگر اس کے اطوار سے یہ شک انہیں ضرور گزرا تھا کہ اس کی تلاش ناکام نہیں رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔

وہ اب دفتر کا کام جلد جلد نبٹا کر وقت سے پہلے ہی کہیں چلا جایا کرتا تھا۔۔۔۔۔۔۔اس کا چھٹی کا دن بھی باہر ہی گزرتا تھا۔۔۔۔۔۔۔

وہ بہت بدل گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔وہ بے حد خوش رہتا تھا۔۔۔۔۔۔۔اس کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک لہرانے لگی تھی۔۔۔۔۔۔۔بات بے بات اس کے ہونٹ متبسم ہو اٹھتے تھے۔۔۔۔۔۔۔

سیٹھ امان یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔۔۔۔۔۔۔بڑے دکھ سے۔۔۔۔۔۔۔بے حد پریشان ہو کر۔۔۔۔۔۔۔کتنا ارمان تھا انہیں گیتی کی مانگ اس کی خوش بختی کی افشاں سے سجانے کا۔۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔۔وہ کہیں اور کہیں اور۔۔۔۔۔۔۔

اور اب۔۔۔۔۔۔۔چند دن سے وہ پھر خاموش سا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔چپ چاپ سا رہنے لگا تھا۔۔۔۔۔۔۔شاید وہاں سے اسے مایوسی ملی تھی۔۔۔۔۔۔۔

مایوسی۔۔۔۔۔۔؟ مگر اس کے مقدر میں مایوسی تو تھی ہی نہیں۔۔۔۔۔۔

عابدی صاحب نے یہی تو بتایا تھا۔۔۔۔۔۔زندگی کے ہر کام پر کامیابی اس کے ہر کاب ہونا تھا۔۔۔۔۔۔پھر۔۔۔۔۔۔؟ پھر یقیناً ایسی کوئی بات نہیں ہو گی ۔۔۔۔۔۔یونہی ان کا وہم تھا سب اس کی آنکھوں کی چمک اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹیں اس کی فطرت بھی تو ہو سکتی تھی۔ وہ خواہ مخواہ ہی پریشان ہو رہے تھے۔۔۔۔۔۔

سیٹھ امان نے خود کو ہی جھوٹی یا شاید سچی خود ہی تسلی بھی دے لی۔۔۔۔۔۔

البتہ یہ پچھلے دنوں کی اس کی خاموشی۔۔۔۔۔۔! ایک گرہ پھر الجھی۔۔۔۔۔۔لیکن خود ان کے دماغ نے فوراً ہی اسے بھی سلجھالیا۔۔۔۔۔۔

یہ خاموشی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے بھی تو ہو سکتی تھی۔۔۔۔۔۔ ہاں ۔۔۔۔۔۔یقیناً یہی بات تھی۔۔۔۔۔۔اور پچھلے تین چار دن سے اسے بڑا تیز بخار بھی تو تھا۔۔۔۔۔۔

وہ بیمار تھا۔۔۔۔۔۔**وہ بیمار تھا**۔۔۔۔۔۔

اور قسمت آزمانے کا اس سے بہتر موقع کوئی اور ہاتھ نہیں آ سکتا تھا۔ پہلے کوئی بات نہیں بنی تھی۔۔۔۔۔۔اب یقیناً بن سکتی تھی

بیماری میں جو انسان بھی خدمت کرے وہ بڑا اچھا لگنے لگ جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔اس کے علاوہ انہیں گیتی کی شکل وصورت اور دھیمے اور نرم مزاج پر پورا یقین تھا کہ اس کی ایک جھلک اور چند ہمدردی بھری باتیں پتھر سے پتھر دل والے کو بھی موم بنا سکتی تھیں۔۔۔۔۔۔**اپنا گرویدہ کر سکتی تھیں**

یہ موقع اچھا تھا۔۔۔۔۔۔یہ وقت بڑا مناسب تھا۔۔۔۔۔۔اور یوں گیتی کی قسمت اس کی قسمت کے ساتھ سنور سکتی تھی۔۔۔۔۔۔ بس اک ذرا۔۔۔۔۔۔

انہی سوچوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ بانو کو اس کام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔انہیں سمجھا رہے تھے۔۔۔۔۔۔

دل کے اندر جو کچھ تھا وہ بھی تو بانو کو صاف بتا نہیں سکتے تھے۔۔۔۔۔۔

کہ عابدی صاحب نے اس کے ہاتھ پر کامیاب محبت کی لکیروں کی نشاندہی بھی کی تھی۔

اور خود وہ خود غرضی کی بناء پر یہ چاہ رہے تھے کہ گیتی ہی اس کی محبت بنے۔ بیٹی کا باپ ہو کر بھی وہ ایسی بات سوچ رہے تھے۔۔۔۔۔۔

اندر ہی اندر خود ان کے ضمیر نے ایسی بات سوچنے پر انہیں ملامت بھی کی تھی۔۔۔۔۔۔مگر انہوں نے اس ملامت پر کان نہیں دھرا۔۔۔۔۔۔

اکلوتی اولاد کی محبت، اس کے لیے بہتر سے بہتر مستقبل کی چاہت اور اس کے قدموں میں دنیا جہاں کی شادمانیاں اور کامرانیاں ڈال دینے کی آرزو دوسرے ہر جذبے، ہر مصلحت پر غالب آ گئی تھی۔۔۔۔۔۔یہاں تک کہ ضمیر کی آواز پر بھی حاوی ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔

تب وہ بل کھا کھا کر، طیش میں آ آ کر، الجھ الجھ کر بانو کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ دل کی بات صاف طرح کہہ نہیں سکتے تھے اور الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔پھر ساری ذمہ داری انہوں نے بانو پر ڈال دی تھی۔۔۔۔۔۔

کہ انہوں نے ہی اس کی کوشش نہیں کی ورنہ گیتی ایسی نافرمان لڑکی نہ تھی۔۔۔۔۔۔

عین مذہب اور شرع کی رو سے درست تھا کہ لڑکی لڑکا ایک دوسرے کو دیکھ کر شادی کی رضا مندی دیں۔۔۔۔۔۔ دوسرے ۔۔۔۔۔۔ دوسرے ۔۔۔۔۔۔

بانو کو اس کے لئے پوری طرح دنیا تیار کرنے کو انہوں نے ایک اور ہی زاویے

میں سوچا اور سمجھایا۔۔۔۔۔۔

ایک ہمسائے کا بڑا حق ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ **اور وہ تو اسی گھر میں رہ رہا تھا**۔۔۔۔۔۔ اسی چولہے سے کھاتا تھا اور اسی گھر سے اس کی روزی وابستی تھی۔۔۔۔۔۔

وہ ایک ہمسائے کے حقوق سے زیادہ حقوق رکھتا تھا۔۔۔۔۔۔ ان سب پر بہت ساری اخلاقی پابندیاں عائد ہوتی تھیں۔۔۔۔۔۔ کہ اس وقت وہ بستر علالت پر پڑا تھا اور ایک مریض کی عیادت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔

بانو خود تو جا نہیں سکتی تھیں البتہ اپنے اس اخلاقی فرض کو گیتی کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچا سکتی تھیں۔۔۔۔۔۔

سیٹھ امان اس کی خوش بختی کو ہمیشہ کے لیے اپنے قبضے میں لینے کے لیے ایسے ایسے دلائل دے رہے تھے۔ ایسی ایسی توجیہات نکال رہے تھے کہ بانو بے قصور ہوتے ہوئے بھی مجرمانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھی تھیں۔۔۔۔۔۔

جب منہ سے کف اڑا اڑا کر اور غصے سے بول بول کر وہ تھک گئے تو پھر نرمی سے بانو کو سمجھانے لگے۔۔۔۔۔۔

یقین کرو۔۔۔۔۔۔ میری بات مان لینے سے نہ تم اور نہ کبھی گیتی پچھتائے گی اسے زندگی کے اتنے سکھ ملیں گے کہ سدا خوش رہے گی۔۔۔۔۔۔

اور تب بانو نے ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی انہیں یقین دلایا کہ ان کی یہ خواہش انشاء اللہ پوری ہو جائے گی۔۔۔۔۔۔

وہ مطمئن ہو کر وہاں سے اٹھ گئے۔۔۔۔۔۔

بانو سوچوں میں کھو گئیں۔۔۔۔۔۔ اب کیا کریں۔۔۔۔۔۔؟ بہت دن پہلے بھی خاوند نے یہی سلسلہ چھیڑا تھا۔۔۔۔۔۔ تب انہوں نے کوئی اتنی زیادہ

اس معاملے کو اہمیت نہیں دی تھی۔۔۔۔۔۔

ایک دو بار ڈھکے چھپے الفاظ میں سرسری سا گیتی کو سمجھایا۔۔۔۔۔۔**وہ نہ مانی تو اس کی سہیلی سحر سے بات کی**۔۔۔۔۔۔

صاف ظاہر ہے۔۔۔۔۔۔وہ بھی کچھ نہیں کر سکی ہو گی۔۔۔۔۔۔تبھی تو پھر کوئی سلسلہ نہیں چلا۔۔۔۔۔۔وہ بھی خاموش ہو رہی۔۔۔۔۔۔

اور اب۔۔۔۔۔۔آج سیٹھ اماں کو پھر وہی دورہ پڑ گیا تھا۔۔۔۔۔۔وہ بہت غصے میں تھے۔۔۔۔۔۔اس دن سے بہت زیادہ۔۔۔۔۔۔معاملہ غیر معمولی طور پر سنجیدگی سے سوچنے کا تھا۔۔۔۔۔۔

شروع شروع سے ہی ضدی تو تھے ہی۔۔۔۔۔۔ایسا نہ ہو پڑھی لکھی لڑکی سے زبردستی کر دیں۔۔۔۔۔۔اس کے باپ تھے۔۔۔۔۔۔ساری زندگی بیوی پر حکم چلاتے آئے تھے اب گیتی پر بھی چلا سکتے تھے۔۔۔۔۔۔

اور یوں۔۔۔۔۔۔کہیں باپ بیٹی میں تصادم نہ ہو جائے۔۔۔۔۔۔!

بانو نے کوئی بھی طوفان آنے سے پہلے گیتی کو بہلا پھسلا کر، سمجھا بجھا کر راضی کر لینے کے متعلق سوچ لیا۔۔۔۔۔۔

اس معاملے پر بیٹی سے رو برو بات کرتے ہوئے جھجک بھی رہی تھیں مگر آنے والے وقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہوں نے گیتی کو بلا بھیجا۔۔۔۔۔۔

☆

جی امی ۔۔۔۔۔۔

بانو کے کمرے کے دروازے میں ہی کھڑی وہ پوچھ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

یہاں میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ ۔۔۔۔۔۔

بانو نے بڑی شفقت سے کہا ۔۔۔۔۔۔ وہ چپ چاپ قریب چلی آئی ۔۔۔۔۔۔ بڑی ست سی اس کی چال تھی ۔۔۔۔۔۔ بانو نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ بھی کافی اترا ہوا محسوس ہوا ۔۔۔۔۔۔

کیا ہوا گیتی ۔۔۔۔۔۔؟

وہ بار بار چشمہ درست کر کے اسے بغور دیکھ رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔

یہ تم اتنی مرجھائی ہوئی سی کیوں ہو ۔۔۔۔۔۔؟

انہوں نے پریشانی بھرے لہجے میں پوچھا ۔۔۔۔۔۔

نہیں تو امی ۔۔۔۔۔۔

گیتی گڑبڑا اٹھی ۔۔۔۔۔۔ تو اس کی حالت امی پر بھی عیاں ہو گئی تھی ۔۔۔۔۔۔

ہائے اللہ ! یہ اسے کیسا روگ لگ رہا تھا ۔۔۔۔۔۔؟ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں ۔۔۔۔۔۔ ایسے تو پہلے اس کی حالت کبھی نہیں ہوئی تھی ۔۔۔۔۔۔

جانے ایزد نے اس پر کونسا فسوں پھونک دیا تھا ۔۔۔۔۔۔

اب چند دن وہ دکھائی نہیں دیا تھا تو گیتی پاگل سی ہو اٹھی تھی ۔۔۔۔۔۔ ہر وقت دماغ پر اسی کا خیال سوار رہتا تھا ۔۔۔۔۔۔ اسی کی باتیں یاد آتی رہتی تھیں اور اسی کے پاس جانے کو دل مچل مچل کر پریشان کرتا رہتا تھا ۔۔۔۔۔۔

خود پر کوئی اختیار ہی نہیں رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ ان دونوں میں کوئی ایسے عہد و پیمان بھی نہیں ہوئے تھے ۔۔۔۔۔۔ انہوں نے کوئی برسوں اکٹھے وقت بھی نہیں گزارا

تھا۔۔۔۔۔۔۔پھر نجانے اس دل کمبخت کو کیا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔

ایزد کی ایک ایک لمحے کی جدائی اسے بے حد شاق گزر رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔اسے بے چین کیے دے رہی تھی اور اسے تڑپا رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔

گیتی۔۔۔۔۔۔۔!

ماں کی آواز پر اس نے نگاہ اٹھائی۔۔۔۔۔۔۔وہ بہت غور سے اسے دیکھے جا رہی تھیں

جی۔۔۔۔۔۔۔گیتی نے بڑی مشکل سے اپنے ہونٹوں کو ذرا سا متبسم کیا۔۔۔۔۔۔۔

ایک بات کہنا تھی بیٹی۔۔۔۔۔۔۔!

جی امی۔۔۔۔۔۔۔!

وہ بیٹی۔۔۔۔۔۔۔بانو ہچکچا رہی تھیں طسیٹھ اماں نے اتنے دلائل دیئے تھے۔۔۔۔۔۔۔اتنے فائدہ گنوائے تھے۔۔۔۔۔۔۔

مگر جانے کیوں۔۔۔۔۔۔۔؟پھر بھی بانو بیٹی سے ایسی بات کہتے ہوئے بے حد جھجک رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔اپنے تمام تر فوائد اور بہتریون کے باوجود خاوند کی یہ ضد خود انہیں بھی اچھی نہ لگی تھی۔۔۔۔۔۔۔

ان کی ہچکچاہٹ کو گیتی نے قدرے تحیر سے دیکھا۔۔۔۔۔۔۔امی اسے کچھ بھی کہنے سے کبھی جھجکا نہیں کرتی تھیں۔۔۔۔۔۔۔مگر آج ایسی کیا بات تھی۔۔۔۔۔۔۔کیسی انوکھی نوعیت کا معاملہ تھا جو وہ نہ کہہ پا رہی تھیں اور کہنا بھی ضرور چاہتی تھیں۔۔۔۔۔۔۔جو اس وقت خاص طور پر رفیقے کو بھیج کر بلایا تھا۔۔۔۔۔۔۔

آخر بات کیا ہے امی۔۔۔۔۔۔۔؟

وہ۔۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔۔جو اپنا مینجر ہے نا۔۔۔۔۔۔۔تین چار دن

سے اسے بہت بخار ہے تمہارے باوا جان کہتے تھے کہ بیمار کی عیادت ۔۔۔۔۔۔

کون ۔۔۔۔۔۔؟ میں ۔۔۔۔۔۔؟

گیتی نے ان کی بات سمجھتے ہوئے درمیان سے ہی اچک لی ۔۔۔۔۔۔

ہاں ۔۔۔۔۔۔ بانو نے نظریں جھکاتے ہوئے تھرتھراتی آواز میں کہا ۔۔۔۔۔۔

مجھے آج کچھ زیادہ ہی تکلیف ہے ۔۔۔۔۔۔ ورنہ گرتی پڑتی خود ہی چلی جاتی ۔۔۔۔۔۔

آپ دوائی نہیں لے رہیں ۔۔۔۔۔۔؟

گیتی نے شاید قصداً موضوع بدلا تھا ۔۔۔۔۔۔

لے رہی ہوں ۔۔۔۔۔۔ مگر ۔۔۔۔۔۔ مگر ۔۔۔۔۔۔

وہ بیٹی سے نظر ملانے کی خود میں جرأت نہیں پا رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔ انہیں خود ہی پوری طرح اس کا احساس تھا کہ وہ اسے مناسب بات نہیں کہہ رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔

مگر کیا امی ۔۔۔۔۔۔؟

وہ ۔۔۔۔۔۔ وہ ۔۔۔۔۔۔ وہ پھر ہچکچا کر رہ گئیں ۔۔۔۔۔۔

جانے آج امی کو کیا ہو گیا تھا ۔۔۔۔۔۔؟ گیتی نے پریشانی سے ان کے تھرتھراتے وجود، کپکپاتے لہجے میں بے چین انداز میں ایک دوسرے کو مسلتے دونوں ہاتھ دیکھے

امی! بات کیا ہے ۔۔۔۔۔۔؟ مجھے صاف صاف بتائیے ۔۔۔۔۔۔

آخر بانو زیادہ دیر تک یہ گومگو کی سی کیفیت برداشت نہ کر سکیں ۔۔۔۔۔۔ بیٹی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولیں ۔۔۔۔۔۔

تمہارے باوا جان اس کے ساتھ تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں ۔۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔۔؟ گیتی ڈوبتی آواز میں ابھری۔۔۔۔۔۔

سحر کی زبانی اس معاملے کے متعلق کچھ تھوڑی سی بھنک پہلے سے اس کے کان میں پڑ چکی تھی۔۔۔۔۔۔ مگر آج امی کی زبان نے پوری طرح تائید کر دی ۔۔۔۔۔۔ اور نہ صرف تائید بلکہ ان کے انداز سے معاملے کی سنگینی کا بھی اسے احساس ہو گیا۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔ اور اسی لیے وہ چاہتے ہیں کہ تم ایک دوبار اس شخص سے مل لو تاکہ۔۔۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔۔

گزرتے ہوئے بہت سارے دنوں کے بہت سارے لمحات اسے یاد آ گئے

ایزد۔۔۔۔۔۔! ایزد۔۔۔۔۔۔!!

وہ اسے کیا جواب دے گی۔۔۔۔۔۔؟ اپنے دل کو، اپنی حسرتوں کو کیا جواب دے گی۔۔۔۔۔۔؟ اس نے بڑی بے بسی سے ماں کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔۔

بیٹی! تمہاری بھی بات درست ہے کہ خاندان کے دیکھے بھالے لڑکے چھوڑ کر۔۔۔۔۔۔ نہیں امی! میرا مطلب یہ بھی نہ تھا۔۔۔۔۔۔

گیتی نے پھر ماں کی بات کاٹی ۔۔۔۔۔۔ کچھ الجھی ۔۔۔۔۔۔ کچھ پریشان ہوئی۔۔۔۔۔۔ امی نے ہچکچاہٹ کا مطلب یہی اخذ کیا تھا کہ وہ صادق یا انیس وغیرہ میں سے کسی ایک کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔۔! یہ اس نے اپنے اردگرد کس قسم کا جال بن لیا تھا۔۔۔۔۔۔

اب تو وہ یہ بھی نہ چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔ کیسے ماں کو سمجھائے۔۔۔۔۔۔؟

میں جانتی ہوں بیٹی۔۔۔۔۔۔! سب کچھ جانتی ہوں۔۔۔۔۔۔

کیا۔۔۔۔۔۔؟ گیتی ٹپٹا کر بولی۔۔۔۔۔۔

وہ کیا جانتی تھیں۔۔۔۔۔۔؟ کہیں سحر نے ایزد کے متعلق کوئی لگائی بجھائی تو

نہیں کر دی تھی ۔۔۔۔۔۔وہ تب بھی سہم گئی ۔۔۔۔۔۔۔

یہی ۔۔۔۔۔۔بانو آہستگی اور نرمی سے بولیں ۔۔۔۔۔۔۔

کہ تمہیں میری تربیت ملی ہے ۔۔۔۔۔۔۔تم صاف منہ سے بھی اپنی پسند نہ بتا سکو گی کہ صادق، انیس اور جاوید میں سے کس کے ساتھ ۔۔۔۔۔۔۔

اوہ امی ۔۔۔۔۔۔!

اچھا اچھا ۔۔۔۔۔۔اس معاملے کو فی الحال یہیں چھوڑ دو ۔۔۔۔۔۔میں خود ہی سب کچھ ٹھیک کر لوں گی ۔۔۔۔۔۔۔

بانو یہی سمجھے جا رہی تھیں کہ شرم کے مارے وہ کچھ کہنے سے ہچکچا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔؟ وہ ماں سے کوئی ایسی بات کیسے کرتی ۔۔۔۔۔۔۔؟

لیکن ۔۔۔۔۔۔لیکن ۔۔۔۔۔۔یہ اس کے باپ کی ضد ۔۔۔۔۔۔خود انہیں بیٹی کے رو برو ہونا پڑا تھا ۔۔۔۔۔۔جو کہ اس معاملے میں وہ نہیں چاہتی تھیں ۔۔۔۔۔۔ماں بیٹی کے درمیان حجاب رہنا ہی چاہیے تھا ۔۔۔۔۔۔۔

مگر ۔۔۔۔۔۔کیا کرتیں ۔۔۔۔۔۔؟ مجبوری تھی ۔۔۔۔۔۔گھر میں کوئی اور اس کی بہن، بھابھی یا کوئی اور تیسرا ایسا وجود موجود ہی نہ تھا کہ اس کے ذریعے سہولت سے بات کر لی جاتی ۔۔۔۔۔۔۔

تب آخر بانو کو ہی یہ طوق گلے میں ڈالنا پڑا ۔۔۔۔۔۔شوہر پہلے ہی اتنا گرم ہوتا گیا تھا۔ شام تک اس کے حکم کے مطابق بات نہ ہوئی تو انہوں نے اور بھی برسنا تھا ۔۔۔۔۔۔۔

پھر بیٹی ۔۔۔۔۔۔! بانو نے بہت ہولے سے اور انتہائی نرمی سے دوبارہ اسی موضوع پر زبان کھولی ۔۔۔۔۔۔۔

تم گھڑی بھر کے لیے چلی ہی جاؤ ۔۔۔۔۔۔یوں بھی کسی بیمار کی عیادت کرنا سچے مسلمان کا فرض ہے ۔۔۔۔۔۔۔

سیٹھ اماں کی زبان جیسے ان کے منہ سے بول رہی تھی۔۔۔۔۔۔

وہی الفاظ۔۔۔۔۔۔وہی دلیل۔۔۔۔۔۔!

مگر امی! سوچیے تو۔۔۔۔۔۔یہ کیسی نامناسب سی بات ہے۔۔۔۔۔۔وہ شخص کیا خیال کرے گا کہ ایک جوان لڑکی کیوں۔۔۔۔۔۔

بیٹی۔۔۔۔۔۔! تمہارا کہنا بھی مناسب۔۔۔۔۔۔مگر تمہارے باپ کی ضد۔۔۔۔۔۔

امی۔۔۔۔۔۔! میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔۔۔۔۔۔

بڑے حوصلے سے یہ کہتے ہوئے آخر گیتی رو دی۔۔۔۔۔۔

بانو خود بے حد سٹپٹائی ہوئی تھیں۔۔۔۔۔۔سارا وجود تھر تھرا رہا تھا۔۔۔۔۔۔ایک اکلوتی اولاد کے آنسو۔۔۔۔۔۔! وہ بالکل ہی اتھل پتھل ہو گئیں۔۔۔۔۔۔

بیٹی کو قریب کھینچ کر سینے کے ساتھ لگا لیا۔۔۔۔۔۔کتنی ہی دیر اس کا سر سہلاتی رہیں، پھر اُمڈ اُمڈ آنے والے آنسوؤں کو حلق میں ہی ٹپکاتے ہولے ہولے بولیں۔۔۔۔۔۔

تم اس کا قطعی فکر نہ کرو۔۔۔۔۔۔میں تمہاری شادی وہاں نہیں کرونگی۔۔۔۔۔۔یہ تو صرف تمہارے باپ کی ضد ہے۔۔۔۔۔۔دو منٹ کے لیے جا کر پوری کر دو۔۔۔۔۔۔

بانو اسے تسلی دینے لگیں۔۔۔۔۔۔

کیا پتہ پہلے سے ہی کہیں اور اس کی بات طے ہو چکی ہو۔۔۔۔۔۔تمہارے باوا جان تو بس اس کے ہاتھ کی لکیروں پر ہی ایمان دھرے بیٹھے ہیں اور اسی ایمان کے تحت انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔۔۔۔۔۔صرف اپنے دل میں۔۔۔۔۔۔ابھی اس سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔۔۔۔۔۔

بانو اس کا چہرہ اپنے سامنے کئے اس کے رخسار پلو سے پونچھ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔تمہاری مرضی نہیں ہے۔۔۔۔۔۔تو فکر نہ کرو۔۔۔۔۔۔۔ میں خود اس لڑکے کو ملا کر سمجھادوں گی کہ وہ اس چکر میں نہ پڑے۔۔۔۔۔۔یہ تو خواہ مخواہ ہی ان کی ضد ہے۔۔۔۔۔۔

ہائے امی۔۔۔۔۔۔!

گیتی آنسو بہائے جارہی تھی۔۔۔۔۔۔

چپ ہو جا میری جان۔۔۔۔۔۔! چپ ہو جا۔۔۔۔۔۔

گیتی کے آنسو ختم نہیں رہے تھے اور اس کے آنسو دیکھ دیکھ کر ماں کا اپنا دل گریہ کناں تھا۔۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔شوہر کی ضد پوری نہ ہونے پر ان کی زبان کے ہاتھوں جو انہیں ذلت ملنا تھی وہ اس دکھ سے کہیں زیادہ تھی۔۔۔۔۔۔کہیں زیادہ۔۔۔۔۔۔!

تب انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔۔۔۔۔۔

بس میری بیٹی! ایک بار رم دومنٹ کے لیے اس کی عیادت کر آؤ۔۔۔۔۔۔ صرف ایک بیمار جان کر اور اپنا اخلاقی فرض سمجھ کر۔۔۔۔۔۔پھر باقی معاملے سے میں خود نمٹ لونگی۔ان کی ضد پوری کر کے پھر اپنی منواؤں گی۔۔۔۔۔۔جس طرح بھی ہو سکا۔۔۔۔۔۔آج تک میں خاموش رہی ہوں۔۔۔۔۔۔اب دیکھنا۔۔۔۔۔۔

بانو کے الفاظ میں ایک عزم تھا۔۔۔۔۔۔گیتی کو کچھ تسلی ہوئی۔۔۔۔۔۔

لیکن میں اس سے واقف نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔جا کر کیا کہوں گی اور کیا کرونگی مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔۔۔۔۔۔

گیتی جیسے نیم رضامند ہوتے ہوئے بولی۔۔۔۔۔۔

یوں بھی امی وعدہ کر رہی تھیں کہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہ ہوگا تو پھر ان کی

خاطر صرف ان کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ حلق سے اتارنے کو آخر وہ تیار ہو ہی گئی ۔۔۔۔۔۔۔کہ وہ بہت پریشان تھیں ۔۔۔۔۔۔۔

اس نے سوچا ۔۔۔۔۔۔ ایک بار وہ باوا جان کی ضد پوری کر دے ۔۔۔۔۔۔۔پھر شاید ہمیشہ کے لیے اسے اس بلا سے نجات مل جائے ۔۔۔۔۔۔۔

ماں جو وعدہ کرتی تھیں اکثر پورا ہی ہوتا تھا۔

تم ایسے کرنا ۔۔۔۔۔۔۔فرج میں سے کچھ پھل لیتی جانا ۔۔۔۔۔۔۔اور اسے کہہ دینا کہ امی خود نہیں سکتی تھیں اس لیے آپ کی عیادت کو انہوں نے مجھے بھیج دیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔بس یوں حال احوال پوچھنا ۔۔۔۔۔۔۔میری طرف سے پھل دے دینا ۔۔۔۔۔۔۔

ہوں ۔۔۔۔۔۔۔گیتی اپنی سوچوں میں کھوئی سن رہی تھی ۔۔۔۔۔۔۔

اور ہاں ۔۔۔۔۔۔۔ اس کی کسی اور ضرورت کے متعلق بھی پوچھ لینا ۔۔۔۔۔۔۔کہ شاید رفیقا اچھی طرح اس کا خیال نہ رکھتا ہو ۔۔۔۔۔۔۔اس کے علاوہ اس کا کیا چیز کھانے کو دل چاہتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔

اس وقت بانو صرف اخلاقی ہمدردی بھرے دل اور زبان سے بول رہی تھیں۔ ذہن سے اور سب کچھ نکل چکا تھا ۔۔۔۔۔۔۔

کہہ دے گا شامی کباب ۔۔۔۔۔۔۔تو میں نہیں بنا کر دونگی ۔۔۔۔۔۔۔میری خود اپنی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔۔

یکدم گیتی کو اپنے دل کی لگی یاد آ گئی ۔۔۔۔۔۔۔کتنے دنوں سے اس نے ایزد کی شکل نہیں دیکھی تھی جی کیسا ویران ہو کر رہ گیا ہوا تھا ۔۔۔۔۔۔۔

یہ دل کے جذبے سچ مچ اک روگ ہی تو ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔مگر ۔۔۔۔۔۔۔بڑا سہانا سا روگ ۔۔۔۔۔۔۔!

وہ دل میں سوچ رہی تھی اور بانو اس کی شامی کباب والی بچگانہ سی بات پر زیر لب

مسکرا دی تھیں۔۔۔۔۔۔

نہیں بیٹے۔۔۔۔۔۔! بیماری میں وہ شامی کباب نہیں مانگے گا۔۔۔۔۔۔

پھر میں سا گودانہ یا یخنی بنا کر بھی نہیں دونگی۔۔۔۔۔۔

وہ ان کی بات مان کر اب بچوں کی طرح انہیں بلیک میل کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔

نہ بنا کر دینا۔۔۔۔۔۔ بانو نے اپنی ہنسی بڑی مشکل سے روکی۔۔۔۔۔۔

پھر باوا جان بھی مجھے نہ کہیں۔۔۔۔۔۔ میں اس کا کوئی کام نہیں کرونگی

۔۔۔۔۔۔

میں نے کہا نا۔۔۔۔۔۔ نہ کرنا۔۔۔۔۔۔

تو۔۔۔۔۔۔؟ گیتی ابھی تک اسی طرح بیٹھی تھی۔۔۔۔۔۔

ہائے! مجھے ڈر آ رہا ہے۔۔۔۔۔۔

کیوں بیٹی۔۔۔۔۔۔؟

جانے وہ کیسا شخص ہو۔۔۔۔۔۔؟

تمہارے باوا جان تو کہتے ہیں کہ بڑی اچھی طبیعت کا مالک ہے۔۔۔۔۔۔

گیتی نے ان کی بات رکھ لی تھی اس لیے ان کی حالت قدرے سنبھل گئی تھی بڑی سنجیدگی سے بات کر رہی تھیں۔۔۔۔۔۔

مگر بیماری کے عالم میں تو اچھی سے اچھی طبیعت والا انسان چڑ چڑا ہو جاتا ہے

گیتی وعدہ کرنے کے بعد بھی حیل وحجت سے باز نہیں آ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

لیکن بیٹی! اتنا تو وہ بھی سوچ لے گا کہ تم اس کے مالک کی بیٹی ہو۔۔۔۔۔۔

اور اس کی عیادت کے لیے آئی ہو۔۔۔۔۔۔ تم سے چڑ چڑے پن سے پیش نہیں آئے گا۔۔۔۔۔۔

امی تو اس کی ہر بات کا تسلی بخش جواب دیئے جا رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ کوئی بات ایسی نکل بھی آتی جو اس کا جانا رہ جاتا۔۔۔۔۔۔ مگر اے بسا۔۔۔۔۔۔

وہ چپ چاپ اٹھ کر چل دی ۔۔۔۔۔۔ بڑی مردہ سی چال تھی اس کی ۔۔۔۔۔۔ دروازے تک پہنچتے پہنچتے رکی ۔۔۔۔۔۔ لمحہ بھر کے لیے رکی رہی ۔۔۔۔۔۔ پھر مڑ کر عجب بے بسی اور ملتجی سی نگاہ سے ماں کو دیکھا ۔۔۔۔۔۔ جیسے خاموش زبان سے فریاد کر رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

میرے اللہ! کچھ میرے حال پر رحم کیجئے ۔۔۔۔۔۔ اور کچھ سوچیے کہ آپ مجھ سے کیا کرنے کو کہہ رہی ہیں ۔۔۔۔۔۔ جو کسی طور مناسب نہیں ۔۔۔۔۔۔

مگر ۔۔۔۔۔۔ بانو نے اس کی نگاہوں کی زبان سمجھ کر بھی نہ سمجھی ۔۔۔۔۔۔

وہ بھی اس وقت خود غرض بن گئی تھیں ۔۔۔۔۔۔ شوہر کا خوف اتنا ان کی رگ و پے میں سمایا ہوا تھا اور ایسا رعب طاری تھا کہ خاموشی سے بیٹی کی طرف سے نگاہ پھیر لی ۔۔۔۔۔۔

تب گیتی بھی چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئی ۔۔۔۔۔۔ اسے ماں پر اس وقت بے حد رحم آیا ۔۔۔۔۔۔

ساری عمر ہی ان کی یونہی باوا جان سے ڈرتے اور کپکپاتے گزری ۔۔۔۔۔۔ نہ بیچاری کبھی اپنے ذہن سے سوچ سکیں نہ اپنی مرضی سے کبھی کچھ منوا سکیں ۔۔۔۔۔۔

ہر لحاظ سے باوا جان سے بہتر ہو کر بھی وہ دبی ہی رہیں ۔۔۔۔۔۔ کیسی بے بسی تھی ۔۔۔۔۔۔ ! اور پھر ۔۔۔۔۔۔ گیتی نے اپنے لرزتے وجود کو سنبھالا ۔۔۔۔۔۔ کوئی اسے کھا تو نہیں جائے گا ٹھیک تھا ۔۔۔۔۔۔ **وہ اس وقت امی کی خاطر حاضر ہو رہی تھی** ۔۔۔۔۔۔ مگر

اس کے بعد باوا جان نے کوئی بات بڑھائی تو وہ امی کی پناہ اور حمایت کی طلب گار بھی نہیں ہو گی ۔۔۔۔۔۔ وہ اپنا سہارا خود بنے گی ۔۔۔۔۔۔ **وہ اپنے حقوق کے لیے خود تگ و دو کرے گی** ۔۔۔۔۔۔

وہ اب جوان تھی ۔۔۔۔۔۔ بالغ تھی ۔۔۔۔۔۔ دل و دماغ رکھتی تھی ۔۔۔۔۔۔ عقل و ہوش رکھتی تھی ۔۔۔۔۔۔ اور اپنی مرضی کرنے کا حق بھی اسے پہنچتا تھا ۔۔۔۔۔۔

اپنی ہر بات باوا جان سے منوائے گی ۔۔۔۔۔۔ باوا جان کو یہ کیا عادت پڑ گئی تھی کہ دوسرے کے دل و دماغ پر اپنے رعب و دبدبے کے پہرے بٹھائے رکھتے ۔۔۔۔۔۔ امی کی تربیت نے اسے بھی انہیں جیسا بزدل بنا دیا تھا ۔۔۔۔۔۔ مگر وہ اپنے دل و دماغ پر کسی کی قید برداشت نہیں کر سکے گی ۔۔۔۔۔۔ باوا جان کی بھی نہیں ۔۔۔۔۔۔

تب اسے سحر کی کھری کھری باتیں یاد آ گئیں ۔۔۔۔۔۔ سحر صحیح لڑکی تھی ۔۔۔۔۔۔ وہ جینا جانتی تھی ۔۔۔۔۔۔ اس کی طرح نہیں کہ کھونٹے کے ساتھ بندھی گائے کی طرح جہاں اسے کھول کر پہنچا دیا ۔۔۔۔۔۔ پہنچ جائے گی ۔۔۔۔۔۔ جہاں باندھ دیا ۔۔۔۔۔۔ بندھ جائے گی ۔۔۔۔۔۔ وہ گائے نہیں تھی ۔۔۔۔۔۔ وہ انسان تھی ۔۔۔۔۔۔ اشرف المخلوقات ۔۔۔۔۔۔ بہت سارے حقوق اپنے بھی رکھتی تھی ۔۔۔۔۔۔ نہ کسی کا حق لے گی ۔۔۔۔۔۔ اور نہ کسی کو اپنا دے گی ۔۔۔۔۔۔ وہ اس عمر میں تھی کہ جہاں شرع اور مذہب نے بھی شادی بیاہ کے معاملات میں مرضی اور پسند کو ترجیح دی ہے ۔۔۔۔۔۔

اس سوچ کے ساتھ ہی اس کا سارا خوف، ساری پریشانی زائل ہو گئی ۔۔۔۔۔۔ اور اب ۔۔۔۔۔۔ وہ صرف ایک بیمار انسان کی عیادت کو جا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ انسانیت کا عائد کیا ایک فرض ادا کرنے ۔۔۔۔۔۔ بس ۔۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں

وہ پہلے اپنے کمرے میں گئی ۔۔۔۔۔۔ بکھرے الجھے بالوں کو سمیٹ کر رین

سے باندھا۔۔۔۔۔۔۔چہرے پر پانی کی چھینٹے دے کر خود کو ذرا تروتازہ کیا کہ وہ بیمار کی بیمار پرسی کو جارہی تھی خود اس کی بیماروں والی مرجھائی ہوئی سی صورت دیکھ کر وہ مزید بیمار نہ ہو جائے۔

اب وہ صرف انسانیت کے ناطے سے سوچ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔بڑے مضبوط اور پر اعتماد قدم اٹھاتے ہوئے وہ کھانے والے کمرے میں پہنچی۔۔۔۔۔۔رفیقا جانے کہاں تھا۔۔۔۔۔۔؟ خود ہی فرج میں سے پلیٹ میں پھل نکالے ۔۔۔۔۔۔

ٹھنڈے ٹھنڈے سیب و کنوں اور میٹھے میٹھے انار۔۔۔۔۔۔سرخ سرخ دانوں والے موتیوں کی طرح چمکتے آنکھوں کو بڑے بھلے لگ رہے تھے۔

انہیں ہی دیکھتے ہوئے بڑی ساری پلیٹ بھر کر اور فرج بند کر کے مڑی تو سامنے کھانے والی میز کے درمیان میں تازہ پھولوں کا انتہائی بے ترتیبی سے سجا بڑا سارا پھولدان پڑا تھا۔۔۔۔۔۔بالکل کوڑے کی طرح اس میں اتنے سارے خوبصورت پھول ٹھنسے ہوئے تھے

یہ رفیقا کمبخت انتہائی کوڑھ مغز تھا۔۔۔۔۔۔لاکھ بار گیتی نے اسے پھولدان میں پھول ترتیب سے لگانے سکھائے تھے۔۔۔۔۔۔کبھی کبھار جب مالی چھٹی پر ہوتا تھا تو پھر رفیقا گھنٹوں سیکھے ہوئے سبق کو بھول بھال یونہی گٹھڑی سی ڈھیر کر کے چل دیتا تھا۔۔۔۔۔۔گیتی نے پھلوں والی پلیٹ پاس رکھی۔۔۔۔۔۔جلد جلد اس بے ترتیب ڈھیر میں سے بڑا خوبصورت سا گلدستہ بنایا۔۔۔۔۔۔مریض پر پھول بہت خوشگوار اثر ڈالتے ہیں۔۔۔۔۔۔

پھر ایک ہاتھ میں گلدستہ اور دوسرے میں پھلوں کی پلیٹ لیے وہ انیکسی کی طرف چل پڑی۔۔۔۔۔۔راستے میں تنقیدی نگاہ گلدستے پر ڈالی۔۔۔۔۔۔پھلوں والی پلیٹ کو دیکھا دونوں ہی ٹھیک ٹھاک تھے۔۔۔۔۔۔

وہ اچھی نرس بن سکتی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ اسے ایکدم خیال آ گیا ۔۔۔۔۔۔۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد نرسنگ کرنے کا سودا اس کے دماغ میں سما گیا تھا ۔۔۔۔۔۔۔ کتنی اس نے کوشش کی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ مگر کوئی مانا ہی نہیں ۔۔۔۔۔۔۔ انسانیت کی خدمت کرنے والے اس کے اتنے اعلیٰ جذبے کو لوگوں نے عجیب عجیب معنی پہنچائے ۔۔۔۔۔۔۔

رئیس باپ کی بیٹی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ بھلا اسے یہ بدنام زمانہ پیشہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔۔۔۔۔۔۔ ہر ایک نے یہی کہا ۔۔۔۔۔۔۔

حالانکہ وہ جانتی تھی اس سے زیادہ مقدس کام کوئی اور تھا ہی نہیں اور اس سے زیادہ عظیم جذبہ اور کونسا ہو سکتا تھا ۔۔۔۔۔۔۔

انسانیت کی خدمت کرنے والا اگر کسی لڑکی کے دل میں صحیح جذبہ ہو تو صرف اس نرسنگ سے ہی اس جذبے کی تسکین ہو سکتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔

مگر ۔۔۔۔۔۔۔ کسی نے اس کی ایک نہ چلنے دی ۔۔۔۔۔۔۔ اور تو اور باوا جان نے ہی اس کی مرضی نہ ہونے دی کہ انہیں ہمیشہ سے اپنی مرضی کرنے کی عادت تھی ۔۔۔۔۔۔۔

انہیں سوچوں میں کھوئی وہ انیکسی تک چلی گئی ۔۔۔۔۔۔۔ **برآمدہ گزر کر سامنے ہی اس کا کمرہ تھا** ۔۔۔۔۔۔۔ بڑی عجیب اور ہولناک سی خاموشی ہر سو پھیلی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ **یوں** ۔۔۔۔۔۔۔ کہ کسی متنفس کے وہاں موجود ہونے کا گمان تک نہیں ہو رہا تھا ۔۔۔۔۔۔۔

گو دل کو خوب مضبوط کیا ہوا تھا ۔۔۔۔۔۔۔ مگر یہاں آ کر ایک بار پھر اس کی

آئی تھی اس کے علاوہ۔۔۔۔۔۔

وہ تو انسانیت کا فرض ادا کرنے چلی تھی۔۔۔۔۔۔یہ بزدلی کیوں اس کے اندر پھیل رہی تھی۔۔۔۔۔۔نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔ وہ بہادر لڑکی تھی ۔۔۔۔۔۔

کمرے کے دروزے میں کھڑے ہو کر وہ سانسوں کو ہموار کرنے لگی۔۔۔۔۔۔بکھری خود اعتمادی کو سمیٹنے لگی اور حواس کو بحال کرنے لگی۔۔۔۔۔۔

☆

وہ چپ چاپ بستر پر دراز تھا۔ بخار اب بھی کافی تیز تھا۔ ایک ہاتھ سے خود ہی دوسرے کی نبض ٹٹولی۔

سیٹھ صاحب نے بستر کے ساتھ والی میز دوائیوں سے بھر رکھی تھی۔ اسے بخار ہوئے آج چوتھا یا شاید پانچوں روز تھا۔ اور اتنے ہی دنوں میں انہوں نے چار ڈاکٹر بدل ڈالے تھے۔

اپنی دانست میں تو وہ پوری کوشش کر رہے تھے کہ وہ جلد از جلد رو بصحت ہو مگر آگے خدا کی مرضی۔ بخار کم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

ویسے وہ سیٹھ صاحب کا بے حد احسان مند تھا کہ ان دنوں انہوں نے اس کا بہت خیال رکھا۔ اور ان کی نیک نفسی ہی کی بنا پر اس کا اپنا دل بھی بڑی بے تابی سے یہ چاہ رہا تھا کہ جلد صحت یاب ہو جائے۔

بیچارے سیٹھ صاحب! اس کے اس بخار نے ایک تو انہیں اس کے ساتھ ہمدردی اور لگاؤ کے جذبے کے تحت پریشان کر رکھا تھا۔ دوسرے کام کی ساری ذمہ داری اور دیکھ بھال ان کے سر جا پڑی تھی۔

جب سے ایزد نے ان کی مل کی مینجر سنبھالی تھی وہ بڑے مطمئن اور پرسکون ہو گئے تھے۔ سارے کا سارا ہی تو بوجھ ان کے کندھوں سے اس نے اتار لیا تھا۔

وہ تو اب اکثر مل میں بھی نہیں جاتے تھے۔ سارا معائنہ دوسرے چوتھے روز ایزد ہی کر لیا کرتا تھا۔ دفتر میں بھی جب چاہتا اٹھ کر چلے جاتے۔ ورنہ چھٹی بھی منا لیتے۔ کوئی پابندی، کوئی ذمہ داری ان پر نہیں رہی تھی۔

اور اب وہ بیمار پڑا تو سارا دن انہیں دفتر میں اور کبھی کچھ وقت مل میں گزارنا پڑتا تھا۔ کئی مہینوں سے وہی کرتا دھرتا رہا تھا۔ انہیں کچھ علم نہ تھا۔ یوں ان چار پانچ دنوں میں ہی وہ بری طرح بوکھلا گئے تھے۔

تب اسی گھبراہٹ میں وہ روز ہی ڈاکٹر بدل ڈالتے کہ کسی نہ کسی طرح وہ جلد صحت یاب ہو۔

وہ اگر ایزد کی بیماری سے اتنا پریشان تھے تو خود وہ بھی کچھ کم گھبرایا ہوا نہیں تھا۔ سارا دن تن تنہا پڑا بخار میں جلتا رہتا۔

اس گھر میں ایک سیٹھ امان ہی تو تھے جو بیٹوں کی طرح اسے چاہتے تھے اور اس کا خیال رکھتے تھے۔ اور اب وہ بیمار پڑا تو انہیں ہی مل کے کام کی مصیبت پڑ گئی۔

اس کے باوجود گو وہ شام کا وقت اور صبح دفتر جانے سے پہلے کا وقت اس کے پاس گزارتے تھے مگر باقی وقت۔ وہ تو اس کے لئے تنہائیاں ہی لے آتا۔ وہی کاٹا ایزد کے لیے مصیبت بن گیا تھا۔

شاید تبھی اس کا بخار ابھی تک نہیں اترا تھا۔ دن میں دو چار بار بس ان کے ملازم کی شکل دکھائی دے جاتی۔ مگر وہ اسے کیا کرتا؟

ان دنوں میں تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی نازک سے وجود کی خوشگوار سی مہک اسے اپنے آس پاس محسوس ہو۔ کوئی نازک نازک نرم نرم ہاتھوں سے اس کا سر دبائے۔ بڑی محبت، بڑے خلوص سے اسے دوا پلائے۔

بڑے اصرار کے ساتھ پھل وغیرہ چھیل کاٹ کر اپنے ہاتھوں سے اسے کھلائے۔ سریلی اور من موہنی سی آواز میں میٹھی میٹھی، پیاری پیاری باتیں اس سے کرے۔

ان سب کے لئے کتنا کتنا اس کا دل چاہتا تھا مگر اس کے نصیب میں کیسی ویران سی تنہائیاں آ گئی تھیں۔

سوچتے سوچتے اور کوئی بس نہ چلتا تو اسے تحریم پر ہی غصہ آنے لگتا۔ یہ سب کچھ اس کے لئے وہ بھی تو کر سکتی تھی۔ اس کی بیوی تھی۔۔۔۔۔ [illegible]

جانے کس مصلحت کے تحت اس نے کبھی اس کے گھر آنے کی خواہش نہیں کی تھی۔ بلکہ ایزد کے دو چار بار کہنے کے باوجود ادھر ادھر میں ٹال گئی تھی۔ اس کی اس خواہش کا احترام ہی نہیں کیا تھا۔

شاید۔۔۔۔۔۔ ایزد نے خود ہی اس کی طرف سے صفائی بھی پیش کر دی۔ دنیا زمانے کے ڈر سے۔ جوان لڑکی ایک جوان لڑکے کے گھر جائے تو لوگ معنی بھی تو الٹے پہنانے لگتے ہیں۔ بغیر دلوں کے حال جانے بغیر کسی جذبے پرکھے۔!!

اور ان کے دلوں کا حال تو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ ان بیمار اور بیکاری کے دنوں میں ایزد کو خوب اپنا جی ٹٹولنے کا موقع ملا۔ اکیلے اور بے کار انسان کا اور کام بھی کیا تھا۔ لیٹا بخار میں جلتا رہتا اور اپنے خیالات سے الجھتا رہتا۔

اب کوئی کیا جانے کہ سحر اس کے لئے کیا تھی اور اس نے اسے کیا کچھ دیا تھا۔ وہ جو بہن کی محبت کا ترسا ہوا تھا۔ اسے فوزیہ سے کہیں زیادہ اس نے چاہا تھا۔ بہت سارے حقوق دیئے تھے۔ جو فوزیہ نے اسے کبھی نہ دیئے۔ حقیقی بھائی سے بھی شاید کچھ زیادہ ہی۔

وہ بڑی آزادی پسند طبیعت کی مالک تھی۔ یہاں تک کہ اپنی ممی اور ڈیڈی کی مرضی پر بھی ہمیشہ اپنی مرضی کو فوقیت دیتی۔ اپنی پسند کو ترجیح دیتی کہ اصل آزادی یہی تھی۔

اور چھوٹی موٹی باتوں کے علاوہ یونیورسٹی میں سہیلیوں سے زیادہ اس کے دوست تھے۔ باپ کی مخالفت کے باوجود۔

مگر وہ جو اتنا عرصہ اپنی مرضی پر رواں رہی تھی۔ ایزد کی طبیعت کا اندازہ کیا تو اس نے چند دنوں میں ہی خود کو بدل ڈالا عین ایزد کی پسند اور مرضی کے مطابق خود کو ڈھالنا شروع کر دیا۔

دوست تو دوست اب اس کی سہیلیاں بھی کوئی نہ رہی تھیں۔ سوائے سوائے اور تب ایزد کو گیتی یاد آ گئی۔ یوں تو وہ ہر وقت ہی اس کے دل و دماغ پر چھائی رہتی تھی مگر

اس وقت کچھ اس انداز میں یاد آئی کہ

جانے اس کی یاد میں کیا تھا۔ عجیب سی تڑپ اور بے چینی عجیب سی مسرت اور چاہت، عجیب انداز میں مسحور کر دینے والی اس کی یاد تھی۔

مگر کہاں تھی وہ بڑی شدت سے اس کا دل اسے اپنے قریب بالکل قریب پانے کو چاہنے لگا۔

کہاں کھو گئی تھی وہ! اتنی حسین یادیں دے کر۔ ایسے خوشگوار جذبات دے کر۔ ایسے خوبصورت احساسات دے کر۔ اتنے مدھر خیالات اور خواب دے کر۔

اس کے لمحات، اس کی دنیا کو رنگین اور پر مسرت بنا کر نئے نئے انوکھے اور بن پئے مدہوش کر دینے والے جذبات سے آشنا کرا کے۔

وہ کیوں اس کے پاس نہیں آ رہی تھی؟

اس کیوں کے ساتھ پھر اسے سحر یاد آ گئی۔ بڑی بے وقوف تھی وہ جو زمانے سے ڈر کر اس نے اس کا گھر نہیں دیکھا تھا۔ اب اس کی اسے کتنی ضرورت تھی۔ اسی کی وساطت سے تو گیتی بھی اسے مل سکتی تھی۔

اور اگر فی الحال گیتی نہ بھی آتی کہ بظاہر اس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق، کوئی رشتہ نہ تھا۔ خود سحر تو آ سکتی تھی۔ اس کی اتنی پیاری بہن۔!!

جانے کیسے اسے سحر سے اتنا پیار ہو گیا تھا۔ بالکل ایسے ہی لگتا جیسے وہ سچ مچ اس کی حقیقی بہن تھی۔ اتنا خیال اس کا رکھتی تھی۔ اتنا مان اس کا رکھتی تھی۔

اس نے چاہا وہ سر پر دوپٹہ اوڑھا کرے۔ تو اس نے اس کی خواہش کا احترام کیا۔ کئی بار ایزد نے آزمایا۔ اس کی غیر موجودگی میں بھی وہ ایک اچھی اور فرمانبردار بہن کی طرح دوپٹہ اوڑھے رکھتی۔

ایزد نے صرف ایک بار اسے نماز پڑھنے کو کہا۔ تو وہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ کوئی نماز قضا نہ ہو۔

اس نے چاہا وہ گھر کے کاموں میں ممی کا ہاتھ بٹائے کہ گھر گرہستہ کا شوق اور احسن طریقے سے سنبھالنا ہی عورت کا گھڑاپا ہے۔ وہ یونیورسٹی سے آ کر زیادہ سے زیادہ وقت گھر کے کاموں میں گزارنے لگی۔

سحر جیسی بہن قدرت کا ایک خوبصورت عطیہ تھا۔ واقعی وہ بے حد خوش قسمت تھا۔ کہ فوزیہ جیسی سوتیلی بہن کھو گئی تو اسے حقیقی سے بھی زیادہ حقیقی بہن سحر کے روپ میں مل گئی۔

اسے تو یہی محسوس ہونے لگا تھا جیسے خود اس نے بھی ممی کی کوکھ سے ہی جنم لیا تھا۔

ممی یہ وہ ممی تھیں۔ اسے یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہ تھا کہ پہلے دن وہ اسے ذرا اچھی نہیں لگی تھیں۔

جتنا اسے پہلی بار سحر سے مل کر اپنائیت اور مسرت کا احساس ہوا تھا اتنا ہی ممی کو مل کر افسوس کہ سحر کی ماں تھیں وہ!

چست لباس، رنگے ہوئے لمبے ناخن، لپ اسٹک والے ہونٹ، بڑے سٹائل سے بنے ہوئے بال۔

یہ ایک جوان بیٹی کی ماں کا حلیہ تو نہ تھا۔ یہ حافظ قرآن اور شرع شریعت پر چلنے والے ایک شخص کی بیوی کا حلیہ تو نہ تھا۔

پھر جب حافظ متین کو اس نے دیکھا تو اسے اس جوڑ پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ عجیب بے جوڑ سا جوڑ تھا۔ اور اس سے زیادہ حیرت اس بات پر کہ دونوں کی ازدواجہ زندگی بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔

حافظ متین اچھے کھاتے پیتے زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ممی بہت غریب خاندان کی تھیں۔ حافظ صاحب نے ہر آسائش بیوی کو دی۔ ہر خواہش ان کی پوری کی۔ مگر پھر بھی نجانے کیوں ان سے بہت دبے دبے سے رہتے تھے۔

گھر پر سارا اختیار، ساری حکومت ممی کی تھی۔ انہی کی حسب منشاء لڑکیوں کی

تربیت ہوئی۔ حافظ متین مخالفت رکھنے کے باوجود کچھ نہ کہہ سکے۔ غرض جو ممی نے چاہا وہی ہوا۔

یہی سب دیکھ کر ایزد کو ممی ذرا نہ پسند آئیں۔ بس صرف سحر کی خاطر اس نے ممی کو ماں کا درجہ دینا گوارا کر لیا۔ کہ خود سحر پہلی ہی نگاہ میں عین اس کی بہن کی آرزو والے خانے میں فٹ بیٹھ گئی تھی۔

شروع شروع میں ممی نے بھی ایزد کی طرف خاص توجہ نہیں دی وہ گھر آتا۔ بڑی خوش مزاجی سے ملتیں۔ سلام کے بعد ایک آدھ ہی بات ہوتی اور وہ اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتیں۔

سحر نے اسے بھائی بنایا تھا۔ آزادی پسند، نئی روشنی اور مغربی اقدار پسند طبیعت کے تحت انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا شاید اسی طرح وہ اس کے بوائے فرینڈز کو بھی قبول کر لیا کرتی تھیں۔

کتنا غصہ آیا تھا ایزد کو ممی پر کہ انہوں نے پہلے بیٹی سے پھر خود اس سے کڑے انداز میں پوچھ گچھ کیوں نہیں کی تھی۔ کہ وہ کون تھا۔ کس خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور سب سے بڑی بات اکیلا کیوں تھا؟ اس کے باقی گھر والے کدھر تھے؟ انہوں نے بالکل کچھ نہیں پوچھا۔

اس کے برعکس حافظ متین جب اسے پہلی بار ملے تو اس پر پڑنے والی ان کی نگاہ بڑی تیز تھی۔ جیسے سینے کے اندر بند دل کو بھی ٹٹول رہی تھی کہ وہ کیا مقصد لے کر اس بے تکلفی سے ان کی جوان لڑکیوں والے گھر میں آ گیا تھا۔ سچ مچ سحر کا بھائی بن کر یا اس آڑ میں کچھ اور۔

بڑی دیر وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے رہے تھے۔ پھر دو چار دن تک ان کی ایسی ہی نگاہیں ان پر پڑتی رہیں۔ جان بوجھ کر وہ ان کے پاس کتنی کتنی دیر تک بیٹھے رہے۔ حالانکہ سحر کی زبانی ایزد کو معلوم ہو چکا تھا کہ کاروبار کے بعد کا وقت ڈیڈی

صرف اپنے کمرے میں گزارنا پسند کرتے تھے۔

وہ زمانے کا سرد و گرم چکھے تھے۔ انہیں ان کے اس انداز پر ایزد نے حق بجانب ہی سمجھا۔ ان کا یہ وطیرہ اسے پسند ہی آیا زمانہ جس چال چل رہا تھا۔ اس کے مطابق ایک باپ کو اور وہ بھی خصوصاً بیٹیوں کے باپ کو اسی طرح چوکس اور ہوشیار رہنا چاہیے تھا۔

اور یوں ماں کی خامیوں کو باپ کی خوبیاں ڈھکے تھیں۔ شاید تبھی معاملہ درست چل رہا تھا۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ جانے کیا سے کیا ہو جاتا۔

کچھ دن ان کی ایسی ہی تنقیدی اور کڑی نگاہیں اس پر پڑتی رہیں اور پھر وہ بے حد نرمی اور محبت سے اس سے پیش آنے لگے۔ شاید وہ ان کی ان کڑی نگاہوں کی آزمائش پر پورا اتر آیا تھا۔

سحر نے ہی اسے بتایا تھا کہ اگر کبھی ایزد کو کسی وجہ سے ان کے ہاں جانے سے ناغہ

پڑ جاتا تو ڈیڈی کئی کئی بار پوچھتے کہ وہ کیوں نہیں آیا تھا۔ خیریت سے تو تھا؟

بڑھاپے کی دہلیز پر کھڑے لوگ جوان بیٹے کو ضرور محبت اور پیار سے دیکھتے ہیں کہ وہ بڑھاپے کا بوجھ اپنی جوانی کے مضبوط کندھوں پر اٹھانے کی سکت رکھتا ہے وہ بیٹا خواہ کسی کا ہو حسرت اسے اپنانا ضرور چاہتی ہے۔ اپنا سمجھنا ضرور چاہتی ہے۔ اور ایزد تو خود ہی من و سلویٰ کی طرح ان کی جھولی میں آن گرا تھا۔

یکدم ہی وہ اس سے بڑی محبت کرنے لگے تھے۔ اپنے چھوٹے کاموں میں اس کا مشورہ بھی لیتے۔ جیسے باپ اپنے حقیقی جوان بیٹے سے بڑے فخر اور بڑے مان کے ساتھ!!

اپنے بڑھاپے کا تحفظ ایک بہادر بیٹے کی جوانی ہی میں پاتی ہے۔

ممی سحر کی پیدائش سے پہلے دو تین بیٹوں کو جنم دے کر کھو چکی تھیں۔ اس لیے ان کے دل میں بیٹے کی آرزو حسرت بن چکی تھی۔

پہلے تو انہوں نے ایزد کو اس نگاہ سے دیکھا ہی نہ تھا۔ اور اب دیکھا تو حسرت نے دونوں بازو پھیلا کر اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

وہ اب ایک جوان بیٹے کی ماں تھیں۔ ایسے بیٹے کی جسے مشرقی اقدار پسند تھیں۔ جسے مغرب کی آزادی سے نفرت تھی۔ جسے اپنے مذہب سے پیار تھا۔

ایزد نے انہیں کبھی کچھ نہیں کہا تھا۔ ان کے طور طریقوں پر کبھی نکتہ چینی نہیں کی تھی۔ ان کے مذہب کی طرف سے بیگانگی کے متعلق کبھی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ہر معاملے میں ان سے اختلاف رائے رکھنے کے باوجود وہ کبھی زبان پر ایک حرف نہیں لیا تھا۔ کوئی نصیحت کوئی فہمائش نہیں!

مگر آپ ہی آپ ممی بدل گئی تھیں کہ ذہنی طور پر ایزد کو اپنا بیٹا متصور کر لیا تھا۔ اپنی کوکھ سے پیدا کیا ہوا۔ اور اسے وہ سب پسند نہیں تھا۔ جو ممی تھیں۔

ان کے رنگوں کے انتخاب میں تبدیلی ہو گئی تھی۔ وہ اب اکثر سادہ لباس میں دکھائی دیتیں۔ بالوں کا سٹائل عمر کے مطابق سادگی پکڑ گیا تھا۔ سیدھی مانگ اور پیچھے سادی سی چوٹی۔

ناخنوں کی پالش غائب تھی اور ان کے نوکیلے پن میں کمی آ گئی تھی۔ ان سب تبدیلیوں کے ساتھ ایک تبدیلی اور ان میں آ گئی تھی۔

ایزد کا بے حد خیال رکھنے لگی تھیں۔ وہ اکثر اپنے چھوٹے موٹے دکھ درد ایزد کے آگے کھول کر رکھ دیتیں۔ کبھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو بلا تکلف ایزد سے کہہ دیتیں۔ باوجود اس کے کہ انہیں مالی کمی کوئی نہ تھی۔

شاید صرف دل کے اس جذبے کی تسکین کی خاطر کہ وہ ایک جوان اور کماؤ بیٹے کی

ماں تھیں۔ اور اس کی کمائی کو خرچ کرنے کا انہیں پورا حق تھا۔

اس کے علاوہ انہوں نے باقاعدہ ایزد کے لیے دلہن اور سحر کے لئے دلہا ڈھونڈنا شروع کر دیا تھا۔

ایزد وان کے گھر آ جاتا تو جیسے اسی کے انتظار میں ہوں۔

لڑکیوں! بھائی نوکری سے تھکا ہوا آیا ہے کوئی چائے وغیرہ کا بندوبست کرو۔

اس فقرے میں جو ممتا ہوتی اس سے کہیں زیادہ ایزد پر اٹھنے والی نگاہوں میں محبت کے دیپ جل رہے ہوتے۔

پھر ساتھ ساتھ وہ اس کے لیے چائے بناتیں۔ ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی کوئی نہ کوئی چیز اصرار کر کر کے کھلاتی رہتیں۔ اور ساتھ ساتھ سحر کے رشتے کی اور اس کے رشتے کی باتیں کرتی رہتیں۔

میرا جی چاہتا ہے ایزد! کہ تم دونوں کی شادی اکٹھی کروں۔ تمہاری دعوت ولیمہ کے دن سحر کی رخصتی کر دوں۔ بہن اور بھائی کی اکٹھی شادی ہو تو کافی بچت ہو جاتی ہے۔

ایزد سنتا رہتا۔ مسکراتا رہتا۔ عجب سی لذت عجب سا لطف عجب سا سکون! اسے اس وقت حاصل ہوتا۔

پھر وہ بھی سحر کے آنے والے رشتوں کے متعلق باقاعدہ ممی سے پوچھ گچھ کرتا۔ کسی کو ناپسند کر دیتا۔ کسی کے متعلق ان سے وعدہ کر لیتا کہ لڑکے کو دیکھ کر، اچھی طرح پرکھ کر پھر کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔

اپنے متعلق کچھ بھی نہ کہتا۔ کئی بار جی چاہا کہ گیتی کی طرف اشارہ کر دے مگر جھجک کر رہ جاتا۔ جانے ممی نے خود ہی اس کے متعلق کیوں نہ سوچا تھا۔ اور بے شمار لڑکیوں کے نام لے ڈالتیں۔ ایک گیتی ہی تھی جو کبھی اس فہرست میں نہ آتی۔

سحر کو بھی جانے کیا ہو گیا تھا۔ اس کی باتوں سے اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا

کہ گیتی کے متعلق اس کے جذبات وخیالات جان چکی تھی، سمجھ چکی تھی، مگر پھر بھی وہ خاموش تھی۔

پاس بیٹھی ممی کی باتیں سنتی رہتی۔ ایزد کی گڑبڑاہٹ دیکھتی رہتی اور مسکراتی رہتی۔

اس وقت ایزد کا جی چاہتا کہ سحر کو کچا چبا جائے۔ اگر سب کچھ جانتی تھی تو خاموش کیوں تھی؟

ممی سے اس کی مرضی بیان کر دیتی۔ ضروری تو نہیں تھا کہ ماں کے ساتھ ہی زبان کھولے۔

رشتوں کی باتوں کے بعد ممی مہر کی شرارتوں کا ذکر لے بیٹھتیں کہ کس کس طرح وہ انہیں تنگ کرتی تھی۔ اور کتنا وہ اس کی طرف سے دکھی ہو گئی تھیں۔

ایزد کبھی بچی اور کبھی نا سمجھ کہہ کر ٹال دیتا اور کبھی پھر اسے خواب ڈانٹتا کہ وہ کیوں ماں کو تنگ کرتی تھی۔ کیوں ان کا کہا نہیں مانتی تھی۔

اس وقت اکثر ایزد محسوس کرتا ممی کے چہرے پر عجب سا سکون ہوتا جیسے اب وہ مطمئن تھیں کہ ان کے بعد ان کی بیٹیوں کا صحیح معنوں میں عزتوں کا کوئی رکھوالا موجود تھا۔ انہیں غلط اور بھٹکتے ہوئے راستوں سے روک کر سیدھی راہ پر چلانے والا کوئی تھا۔

پھر آخر میں حافظ صاحب کی باری آجاتی۔ خاوند کے ہاتھوں تنگ آئی ہوئی جوان بیٹے کی ماں کی طرح وہ ان کی شکایتیں ایزد کے آگے لگانے لگتیں۔

ہائے! وہ کہاں آپھنسا تھا۔ ان تنہائیوں اور ویرانیوں میں سارا دن اکیلا پڑا بخار میں جلتا رہتا۔

اسے اگر بخار ضرور آنا ہی تھا تو وہیں کیوں نہ آ گیا۔ اس کے پاس ممی کی محبت

ستاتی اور گا ہے اپنی موٹی اور بھدی سی آواز میں گانے گا کر اس کی بیماری کو بہلاتی۔

ڈیڈی آتے جاتے اس کی پیشانی پر محبت سے ہاتھ رکھ کر اس کا حال پوچھتے۔ تیز بخار محسوس کرتے تو گھبرا کر، پریشان اور فکر مند ہو کر ڈاکٹر کو لے آتے۔

یوں تو ڈاکٹروں کی بھرمار سیٹھ امان نے بھی کر دی تھی مگر اس میں وہ جذبہ تو نہ تھا۔ انہیں تو صرف اپنی مل کا فکر تھا کہ جلد اچھا ہو کر سب کام سنبھالے۔ اور ڈیڈی تو شفقت پدری کے جذبے سے سب کچھ کرتے۔ ساتھ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کچھ پڑھ پڑھ کر اسے دم بھی کرتے۔

اور اب تو ممی بھی نماز پڑھنے لگی تھیں۔ یقیناً وہ بھی ہر نماز کے بعد بڑے خلوص سے اسے پھونکیں مارتیں۔ اتنی قدر کرتے تھے وہ سب اس کی اور اتنی اس کی چاہت رکھتے تھے دلوں میں۔

اور یہاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہاں تو اسے پیاس بھی لگتی تو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ گرتا پڑتا خود ہی اٹھ کر تھرماس میں سے نکال لیتا تو پی لیتا۔ اٹھنے کی ہمت خود میں نہ پاتا تو پڑا پیاس سے تڑپتا ہی رہتا۔

ویسے اتنی بات تھی۔ سیٹھ امان چیز ہر ایک اس کے پاس موجود رکھتے تھے۔ صرف ایک یہاں محبت بھرے جذبوں کی کمی تھی۔

ان چار پانچ دنوں میں کئی بار اس نے سوچا کہ بخار کی حالت میں خواہ گرتا پڑتا ہی وہاں ممی اور سحر وغیرہ کے پاس چلا جائے۔ مگر پھر اسے سیٹھ امان کا خیال آجاتا۔

کس خانماں بربادی کے عالم میں انہوں نے اسے سہارا دیا تھا۔ اتنی اچھی ملازمت اور سر چھپانے کو اتنا خوبصورت چھوٹا سا گھر اور دوسری ہر آسائش دی تھی۔

اور وہ اس کے صلاح مشورے کے بغیر کچھ کر نہ سکتے تھے۔ نہ مل ہی اتنے دن بند رہ سکتی تھی۔ اتنی مشکل سے ایزد نے گری ہوئی ساکھ کو سنبھالا تھا۔ صبح شام سیٹھ صاحب کو اس کی ضرورت پڑتی تھی۔ اور وہ بستر پر پڑا پڑا ہی گویا سب ذمہ داریاں

سنبھال رہا تھا۔ وہی سحر کے ہاں چلا جاتا تو سب کچھ ہی چوپٹ ہو جانا تھا۔

یوں اپنی ذمہ داری اور اخلاقی فرض محسوس کرتے ہوئے ان ویرانیوں میں ہی پڑا رہا۔

اس وقت بھی وہ پڑا پڑا الجھ رہا تھا۔ اپنی تنہائیوں سے اپنے بخار سے اور اپنے آپ سے۔

کیسی بے بسی تھی۔! کیسی مجبوری تھی!

کراہ کر اس نے کروٹ بدل لی۔ دوا کا وقت کب کا ہو چکا تھا مگر اس کا پینے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

کاش! کاش!! اس وقت کوئی ایسی ہستی پاس ہوتی جو اسے سہارا دے کر اٹھاتی۔ پیالی میں دوا انڈیلتی۔ اسے پلاتی۔ پھر اپنے ہاتھوں سے کچھ پھل کاٹ کر اسے کھلاتی۔

اتنے دنوں سے اس نے کچھ بھی جی لگا کر کھایا پیا نہ تھا۔ بے حد نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔

اس سے اچانک ہی جانے کیوں اسے سیٹھ امان کے گھر والوں کا خیال آ گیا۔ ملازم ہر وقت اس کے پاس تو نہیں بیٹھا رہ سکتا تھا۔ سیٹھ صاحب بھی سارا دن اپنے دفتر میں گزارتے تھے۔

مروتاً ان کے گھر والوں میں سے ہی کوئی اسے پوچھنے آ جاتا۔ سحر دور تھی اور اس نے اس کا گھر بھی نہیں دیکھا ہوا تھا۔ گیتی اس وقت صرف ایک تصور تھی ایک سپنا تھی وہ حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتی تھی۔

اس کے قریب ترین اس وقت سیٹھ امان کے گھر والے ہی تھے۔ اور وہ ان سے بجا طور پر شکوہ کر سکتا تھا۔ ویسے ان کے متعلق تفصیلی وہ بھی نہیں جانتا تھا۔

سیٹھ صاحب کی زبانی سرسری سا اتنا معلوم ہوا تھا کہ ان کی بیوی اکثر بیمار رہتی

تھی۔ایک ان کی بیٹی بھی تھی۔

چلو مانا بیوی بیمار رہتی تھیں۔ان کی بیٹی تو ثابت ثبوت تھی۔وہ تو آ سکتی تھی۔
امیر باپ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے یقیناً کافی مغرور ہوگی۔ایزد کی ذہنی رو اسی طرف چل نکلی۔

تبھی تو آج تک اس کی شکل نہیں دکھائی دی تھی۔خود کو بڑا آدمی سمجھتی ہوگی نا۔

بڑا آدمی ایزد کو اپنے آپ پر ہنسی آ گئی۔بخار نے دماغ بھی بیکار کر کے رکھ دیا تھا۔بڑی عورت، نہیں، بڑی لڑکی، بڑی لڑکی ہاں تو بڑی لڑکی سمجھتی ہو گی۔اونہوں، غلط ہو گیا سب کچھ۔

سر کو جھٹک کر اس کی سوچ نے ذرا سا راستہ بدل لیا۔اب ہی ایک بیمار کی عیادت کا ثواب لینے کو آ جاتی۔تنہائی کا احساس کچھ تو کم ہو جاتا۔جانے وہ کیوں اتنا چھپ کر رہتی تھی۔

اس نے اس سے شادی کی درخواست تو نہیں کر دینا تھی۔سلامت رہے اس کی گیت۔۔۔۔۔۔گیت جو خوبصورت تھی۔پیاری تھی، اچھی عادات کی مالک تھی۔شرم و حیا کی پتلی تھی۔بے شک کبھی کبھی جھگڑالو بھی ہو جاتی تھی اور کچھ تھوڑی سی بیوقوف بھی۔

اس کی گیت جتنی خوبیاں سیٹھ امان کی لڑکی میں تو کبھی نہیں ہوں گی۔ناممکن!
اس سوچ کے ساتھ ہی ایزد کو پھر ہنسی آ گئی۔بیکار اور بیمار ذہن بالکل ہی شیطان کی آماجگاہ ہوتا ہے۔

بھلا اسے سیٹھ کی بیٹی کیوں یاد آ رہی تھی۔پھر؟ہائے!وہ ان تنہائیوں میں کس کو یاد کرے جو فٹا فٹ اس کے پاس پہنچ جائے۔

سحر کو کس طرح اطلاع کراتا کہ وہی سب اس کے پاس چلی آتیں۔گیتی کی ڈور براستہ سحر بندھی تھی۔وہ سحر کے بغیر کیسے آ سکتی تھی۔

بفرض محال اگر وہ کسی سے پوچھ پاچھ کر چپکے سے آ جائے تو؟ خوش فہمی نے یکدم اس کا دل دھڑکا دیا۔

پھر وہ کیا کرے گا۔۔۔۔۔۔؟

وہ۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔دھڑکتے دل اور ناہموار سانسوں کے ساتھ سوچنے لگا۔ وہ اس کے گھٹنوں پر سر رکھ کر لیٹ جائے گا۔ اور اتنے تکلیف کے دنوں کا ازالہ کرنے کے لئے اس سے ڈھیر ساری میٹھی میٹھی باتیں کرے گا۔ اس سے اپنا سر دبوائے گا۔ اس کی نرم و نازک انگلیوں سے اپنے بالوں میں کنگھی کرائے گا۔ اس کے وجود کی مہک سے مشام جاں کو معطر کرے گا۔

پھر اس کی ساری بیماری، بخار و خار، سر درد وغیرہ، سب کچھ ہی تو دور ہو جاتا تھا۔ اک اس کے تصور سے ہی دل کو چین سا نصیب ہو جاتا تھا اگر وہ خود آ جاتی تو ۔۔۔۔۔۔؟ تو۔۔۔۔۔۔؟

ہائے! کہیں سچ مچ ہی آ جائے نا۔۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔۔۔ کہاں۔۔۔۔۔۔؟ مایوسی نے اس کا سر جھٹک دیا۔ اپنے ایسے نصیب کہاں؟

اور پھر عین اسی لمحے اسے پشت پر کسی کی آہٹ محسوس ہوئی۔

یہ رفیقا کمبخت! وہ اسی طرح پرلی سمت رخ کیے پہلو کے بل لیٹا رہا۔ بس! یہی اس کے نصیب کا رہ گیا تھا۔

یادگیتی کو کیا اور دھم کر کے وہ آ ٹپکا، کیسے دانت نکال نکال کر باتیں کرتا تھا۔ پہلے تو کبھی نہیں لیکن آج اس کی آمد اسے بے حد بری لگی۔ اچھا ہی ہوتا جو وہ بھی اس کے پاس نہ آیا کرتا۔ بغیر دوا دارو اور کھانے پینے کے اس کا قصہ تو پاک ہو جاتا۔

اللہ میاں بھی کیسا بے نیاز تھا۔ اس کی تنہائیاں اس نے کس وجود سے سنوار رکھی تھیں۔

رفیقا۔ پھیکا۔۔۔۔۔۔! بچوں کی طرح بڑبڑا کر غصے کا اظہار کرنے لگا۔ لیکن

چند لمحے گزر گئے۔ رفیقا دانت نکالتا اور باتیں کرتا اس کے عین سامنے نہیں آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ تو کمرے کے اندر پاؤں رکھتے ہی بولنا شروع کر دیا کرتا تھا۔ بے سر پر کی باتیں۔۔۔۔۔۔۔! ادھر ادھر کی باتیں

سیٹھ امان کی بیٹی کی اس نے کبھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ نام تک نہیں کبھی لیا تھا اس کا۔ یا اسے پھر سیٹھ امان کی بیٹی کا خیال آ گیا تھا۔ آج نجانے کیا ہو گیا تھا اسے ہاں تو وہ کیا سوچ رہا تھا؟

رفیقے کو اپنے ہی غم جاناں سے فرصت نہ تھی۔ کسی اور کی بات کرتا۔ جانے کس ناطے سے اس نے اسے اپنا رازدار متصور کر لیا تھا۔ کمبخت! اب اپنے دل کے راز اسے بتانے لگا تھا۔ ایز د نے کبھی اسے لفٹ نہیں دی تھی۔ مگر وہ خود بخود ہی لئے جا رہا تھا۔

کوئی جمعدارنی کی لڑکی تھی جس پر اس کا دل آ گیا تھا مگر مذہب نے درمیان میں حائل ہو کر اس کی زندگی کی کامیڈی کو ٹریجیڈی میں بدل دیا تھا۔ چنانچہ اب وہ بہت غمزدہ رہتا تھا۔ ہر وقت اس کی چندھی چندھی آنکھیں بھیگی رہتی تھیں اور آہیں خود بخود ہی ہونٹوں سے نکلتی رہتی تھیں۔ ساتھ ساتھ اپنے کام بھی کیے جاتا تھا۔

جانے کیا بات تھی۔۔۔۔۔۔؟ ایزد کسی کا بھی دکھ سنتا اس کے اپنے سینے میں وہ دکھ اتر آ گے مگر۔ رفیقے کا یہ نا کام معاشقہ اسے بے اختیار ہنسی آیا کرتی تھی۔ بھلا عشق کرنے کو جمعدارنی کی لڑکی ہی رہ گئی تھی۔ کوئی اپنی ہم مذہب ڈھونڈ لیتا۔

اس کے سامنے تو اس نے کبھی کچھ نہیں کہا تھا مگر بعد میں اکیلا ہی بڑی دیر تک ہنس ہنس کر دوہرا ہوتا رہتا۔

دو تین منٹ اور گزر گئے۔ رفیقا خلاف معمول خاموش تھا۔ جانے کیا بات تھی؟ آج آیا بھی بے حد دبے پاؤں تھا اور اب خاموش کھڑا تھا۔ کوئی نئی کہانی لے کر آیا تھا شاید یا پھر کوئی اور نہ ہو۔

لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔اس گھر میں ایک وہ اور ایک سیٹھ امان ہی تو تھے جن کے قدم یہ کمرہ چومتا تھا۔سیٹھ امان کے بھاری بوٹوں کی دھپ دھپ وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔

یوں بھی ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ اپنے دفتر گئے تھے۔ان کا فوراً پھر آنا ناممکن تھا۔اور یوں ان کے علاوہ بس رفیقا ہی ہوسکتا تھا۔جو اس کے نصیب میں لکھا گیا تھا اور آج چال بدل کر آیا تھا۔

کچھ نقاہت بہت زیادہ تھی۔کچھ کاہلی سی اتنی طاری تھی کہ گردن موڑ کر دیکھنے کی بجائے اسی طرح لیٹا قیاس آرائیاں کیے جا رہا تھا۔

یا پھر کوئی اور بات ہوگئی ہوگی۔کہیں جمعدارنی کی لڑکی کو چھیڑ کر اس کی ماں سے پٹائی تو نہیں کرا بیٹھا تھا۔اور اب اسے بتانے آیا تھا پہلے ایک دن اس سے زبانی کلامی بے عزتی کرا کے اسی طرح آیا تھا۔خاموش سا یقیناً کوئی ایسا ہی معاملہ تھا آج بھی۔

وہ تو بیماری میں بھی اس کے کان کھانے سے باز نہیں آ رہا تھا۔جھنجھلا کر اسے ڈانٹنے کے لیے گردن موڑی۔

ارے! ابھی چند لمحے پہلے اتنی نقاہت محسوس ہو رہی تھی کہ گردن پھر کر دیکھنے سے بھی گریز کر رہا تھا۔مگر وہ نقاہت وہ سستی جانے کہاں رفو چکر ہوگئی۔

گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔نجانے کون تھی وہ۔۔۔۔۔۔۔۔؟

اس کی پشت اس کی طرف تھی اور پرلی میز کے پاس کھڑی پھولدان میں پھول سجا رہی تھی۔بڑا متناسب جسم اور قد تھا۔

سیٹھ امان کی لڑکی۔۔۔۔۔۔۔!یکایک اس کے خیال نے اس کی رہنمائی کی۔اور آج ہی وہ دل ہی دل میں اس سے گلہ کر رہا تھا۔اسے اپنی جلد بازی پر افسوس سا ہوا۔

پھولدان میں ترتیب سے پھول لگانے کے بعد وہ مڑی۔ اس کی نگاہیں نیچی تھیں اور ہاتھوں میں پھلوں سے بھری پلیٹ لیے اس کی مسہری کی طرف بڑھی آ رہی تھی۔

لیکن ایزد۔۔۔۔۔۔۔ وہ تو پتھر کا بت بن چکا تھا۔ کیا انسان کا تصور یوں حقیقت کا روپ بھی دھار سکتا ہے؟

ابھی اس نے گیتی کے متعلق سوچا تھا کہ اس کے پاس آ جائے۔ اور یقیناً وہ گیتی ہی تھی۔ ابھی ابھی تصور میں اسی طرح اسی انداز میں اس نے اس کے لیے پھول سجائے تھے۔ اس کے ہاتھ میں پھلوں کی پلیٹ تھی۔

کوئی روحانی جذبہ ان دونوں کے درمیان کام کر رہا تھا۔ جو اس کا تصور یوں حقیقت کی طرح واضح ہو کر اس کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ واقعی دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تھا۔

ایزد ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ بالکل بے خود سا ہوا۔

باوا جان سے پتہ چلا تھا کہ آپ بیمار ہیں۔ امی جوڑوں کے درد کی وجہ سے خود آ نہیں سکتی تھیں لہٰذا مجھے۔

پہلے فقرہ ہچکچاہٹ اور لہجے کی کپکپاہٹ سے شروع ہوا تھا۔ پھر چند الفاظ کے بعد آپ ہی آپ آواز میں خود اعتمادی آ گئی۔

مجھے آپ کی عیادت کو۔۔۔۔۔۔۔ فقرہ پورا کرتے کرتے گیتی نے نگاہیں اٹھائیں۔ پھر وہ ادھورا ہی رہ گیا۔

ارے! اس کے سامنے تو ایزد بیٹھا تھا۔ حیرت سے اس نے آنکھیں جھپکیں۔ سچ مچ وہی تھا۔ بلاشبہ وہی تھا۔

مارے تعجب کے اس کے ہاتھ کپکپائے۔ پھلوں والی پلیٹ چھوٹ کر نیچے پختہ فرش پر جا گری اور ایک چھناکے سے ٹوٹ گئی۔

ایزد ہی اس کے باپ کی مل کا منیجر تھا۔ کتنا عجیب انکشاف تھا۔۔۔۔۔۔۔!

اوہ۔۔۔۔۔۔! یہ کیا ہو گیا۔۔۔۔۔۔؟ ایسا کیوں ہو گیا۔۔۔۔۔۔؟

ایزد وہی انسان تھا جس کو اس نے بے شمار باتیں بنائی تھیں۔ جس کے اس نے نام دھرے تھے۔ جس کے مقابلے میں اس نے صادق، انیس اور پرویز وغیرہ کو سراہا تھا۔

جس کے رشتے کو اس نے دھتکار دیا تھا۔ جسے اس نے احمق، اجڈ اور نجانے کیا کچھ کہا تھا۔

یہ وہی تھا۔ یہ وہی تھا جس کی خوش بختی کو اس کے باپ نے خرید لینا چاہا تھا اور وہ انکار کیے جا رہی تھی۔ کہ وہ یوں بکنے کو تیار نہ تھی۔

یہ کیا ہو گیا؟ یہ اس کے خیالات کی کیسی شکست تھی۔۔۔۔۔۔؟

گیتی کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹنے والی پلیٹ کے چھناکے کی آواز نے ایزد پر طاری سحر کو توڑ ڈالا تھا۔ وہ ہوش میں آیا تو گیتی ایک مجسم حقیقت کے روپ میں سامنے تھی۔

بخار، نقاہت، کاہلی، سب کچھ غائب ہو گیا۔ ایک زقند میں وہ بستر سے نیچے تھا۔ اور دوسرے لمحے گیتی اس کے بازوؤں میں۔

اس کی گیت۔ اس کی اپنی گیت۔ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس کے پاس تھی۔ شدت جذبات سے وہ گویا ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام بے خود ہو کر اسے تکنے لگا۔

گیتی اس کی والہانہ حرکات دیکھ رہی تھی۔ اس کے جذبات کی شدت کو محسوس کر رہی تھی۔ اور ساتھ ہی اس کا اپنا دل بھی کچھ اسی جیسے جذبات و احساسات کے ہاتھوں دھڑکا جا رہا تھا۔

یہ خوش اخلاق و خوش اطوار انسان جو سحر کے گھر میں نیکی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ جو اس کے باپ کی نگاہ میں بخت آور تھا۔ جس نے اس کے باوا جان کی مل کو نقصان سے بچا کر ان کی بہت ساری پریشانیاں دور کر دی تھیں۔

ایزد قابل قدر انسان تھا۔ مگر یہ اس کے خیالات کی شکست وہ الجھی جا رہی تھی۔

نہیں نہیں دل سینے کے اندر سے پکار اٹھا۔ یہ اس کی شکست نہ تھی۔ اس نے تو ایزد کو ان سب باتوں سے علیحدہ ہو کر چاہا تھا۔ اس نے تو اس کی خوش بختی کو کبھی اپنی پیشانی پر سجانے کے متعلق نہ سوچا تھا۔

وہ کچھ بھی ہوتا۔ خوش بخت یا بدقسمت۔ وہ اس کا ایزد تھا وہ کسی مینجر کو نہیں جانتی تھی۔

اگر ایزد اس کی زندگی میں نہ آیا ہوتا تو کیسی بے کیف ہوتی اس کی زندگی ایزد نے اسے محبت دی تھی۔ اسے اعتماد کے قابل سمجھا تھا۔ اسے پسند کیا تھا۔ اتنے بہت سارے خوبصورت جذبات اس نے اسے دیئے تھے۔ عجب سی لذتوں بھرے احساسات سے اسے روشناس کرایا تھا۔

اور اب .... وہ یہ چاہنے کے باوجود کہ وہاں سے بھاگ جائے۔ بھاگ نہیں سکتی تھی۔ دل کے جذبے پاؤں کی زنجیر بن گئے۔ اس کے خیالات کی شکست کو انہوں نے محبت و اعتماد کی فتح کا نام دے دیا۔

تم نے بتایا نہیں کہ تمہیں میرا پتہ کیسے معلوم ہوا.........؟

اس کے دونوں ہاتھ اپنے گرم اور مضبوط ہاتھوں میں تھام کر انہیں بڑے زور سے دباتے ہوئے وہ انتہائی یگانگت سے پوچھ رہا تھا۔

گیتی سب کچھ بھول بھال گئی۔ اپنے اصول، قاعدے، سب کچھ ہی بھول گئی۔ یاد رہا تو صرف اتنا.........

کہ وہ ایزد تھا اور وہ اس کی گیت۔ اسے ایزد سے محبت تھی۔ بے پناہ محبت، وہ اس کے بغیر بے قرار ہو جاتی تھی۔ وہ چند دن دکھائی نہیں دیا تھا تو اس کی حیات میں خلا سا پیدا ہو گیا تھا۔

اسے کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس کی زندگی روکھی پھیکی اور بے رنگ سی ہو کر رہ گئی

تھی۔ اور اب وہ اس کے سامنے کھڑا اتنے پیار سے، اتنی محبت سے کچھ کہہ رہا تھا۔ جانے کیا؟ اپنے خیالات کے بہتے دھاروں سے ڈوبتے ابھرتے ہوئے اس نے سنا ہی نہیں۔

اپنے بے حد خوبصورت اور معصوم سے چہرے کو بڑا سا سوالیہ نشان بنائے اسے تکنے لگی۔ گلابی گلابی ڈوروں والی ایزد کی مخموری نگاہیں دل کے اندر کہیں پیوست ہوئی جا رہی تھیں۔

میں پوچھ رہا تھا تمہیں میری رہائش گاہ کا علم کیسے ہوا؟ تمہیں میری بیماری کا کیسے پتہ چلا۔ تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا کہ میں اس وقت تمہاری ہی خواہش کر رہا تھا۔ یقیناً ہمارے درمیان کوئی روحانی جذبہ ہے۔ میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ تمہیں کس شدت سے میں یاد کر رہا تھا۔

آج تو اس کی زبان رفیقے کو بھی مات کر رہی تھی۔ گیتی اس الجھے الجھے اور منتشر سے بالوں والے ایزد کو تکے جا رہی تھی۔ کتنے دنوں بعد اس کے درشن پائے تھے۔

یوں بھی اتنا سب کچھ سوچ لیا تھا مگر ابھی تک اس کی حیرت ہی دور نہ ہوئی تھی۔ کتنی عجیب اور کتنی تعجب انگیز بات تھی کہ ایزد ہی ان کا منیجر تھا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

اس کے سوالات کو نظر انداز کر کے اپنے اسی ابھی تک ڈولنے والے یقین کو پر یقین بنانے کے لیے اس نے زبان سے پوچھ لینا بہتر سمجھا۔

آپ سیٹھ امان کی مل کے جنرل منیجر ہیں نا؟

ہاں

ایزد جلدی سے اسے بازو کے حصار میں لیتے ہوئے بائیں سمت والی کھڑکی کی طرف گھوم گیا۔ خوشی کی زیادتی نے اسے یوں دیوانہ سا بنا ڈالا تھا کہ اسے اپنی حرکات پر جیسے قابو ہی نہیں رہا تھا۔

وہ دیکھو وہ ان کی کوٹھی ہے۔ اور یہ انیکسی میرا غریب خانہ مگر تمہیں کس نے بتایا۔۔۔۔۔۔۔؟

گیتی آہستہ سے اپنے گرد سے اس کا بازو ہٹاتے ہوئے مسکرائی۔

بس! پتہ چل گیا مجھے بھی وہ بڑی شوخی سے بولی

ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے

اوہ۔۔۔۔۔۔۔۔! ایزد اسے بڑے پیار سے تکنے لگا۔

یکدم گیتی کو خیال آیا۔ ابھی اس کے ہاتھ ایزد نے تھامے تھے۔ ابھی اس کے شانوں کے گرد ایزد کے بازو کا حصار تھا۔ وہ تو بخار سے تپ رہا تھا۔

اور وہ یہاں اسی لیے آئی تھی۔ اس کی عیادت کرنے۔ بڑی اپنائیت اور فرض شناسی سے اس نے ایزد کا بازو تھام لیا۔

آپ آرام سے لیٹ جائیے

ساتھ ہی اس نے ایزد کو اس کے بستر پر بٹھا دیا۔

لیکن وہ اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا

میں ابھی یہیں ہوں آپ کے پاس

گیتی نے ایزد کا مفہوم شاید سمجھ لیا تھا۔ اس کا فقرہ بھی تمام نہیں ہونے دیا۔ بستر کی چادر کے شکن نکالتے ہوئے زبردستی اسے اس پر لٹا دیا۔

دوا لی یا نہیں؟

بالکل ایک ذمہ دار اور فرض شناس نرس کی طرح وہ کڑے لہجے میں پوچھ رہی تھی

ایزد نے اسی طرح اس کی طرف تکتے ہوئے گردن نفی میں ہلا دی۔ گیتی نے کوئی اور بات نہیں کی۔ ایزد کی مسہری کے سرہانے دھری میز کے پاس جا پہنچی۔ جلدی جلدی اس نے دوا کی ننھی سی بوتل اٹھائی۔

کوئی ٹکیہ یا کیپسول بھی ہیں؟

ہاں وہ پاس ہی ڈبیا پڑی ہے۔ ایک کیپسول اور ایک خورا۔ ایزد کے چہرے پر بڑی اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔ گیتی پاس ہی بالکل قریب کھڑی تھی۔ بچوں کی طرح اس کے دوپٹے کا پلو ایزد نے تھام لیا۔ جیسے کہیں ابھی وہ اسے پھر اکیلا چھوڑ کر نہ چلی جائے۔ یہ خطرہ تھا اسے

اٹھیے گیتی دوا پیالی میں انڈیل کر اس کی طرف مڑی

بخار کی وجہ سے مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا

گیتی اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ بڑی دل آویز سی مسکراہٹ اس کے عنابی ہونٹوں پر بکھر اٹھی۔ پیالی واپس میز پر رکھتے ہوئے بڑھ کر بازو کے سہارے سے ایزد کو اٹھایا۔ ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھا اور دوسرے سے پیالی اس کے ہونٹوں سے لگا دی۔

ایزد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دوائی کا گھونٹ بھرا۔ کڑوی بہت تھی شاید عجب طرح کی اس کی صورت بن گئی۔ گیتی کھل کھلا کر کے ہنس دی۔

سیب، انار، کینوں کیا کھانا پسند کریں گے؟

گیتی نے اسے واپس لٹاتے ہوئے پوچھا

کچھ نہیں بس تم میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ اور مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کرو۔ اس وقت مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے۔

گیتی نے جیسے اس کی سنی ہی نہیں۔ پھل اور ٹوٹی ہوئی پلیٹ کے ٹکڑے فرش پر بکھرے تھے۔ پنجوں کے بل نیچے بیٹھ کر وہ سمیٹنے لگی۔

گیت! تم نے بتایا نہیں۔ آخر تمہیں میرا پتہ کیسے معلوم ہوا؟

وہ فرش پر بیٹھی تھی۔ ایزد اس کی طرف کروٹ بدل کر اس کے قریب جھک آیا۔ اس کے گرم گرم سانس گیتی کو اپنی گردن پر محسوس ہو رہے تھے۔ اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف مسکراتی رہی اور ٹوٹی ہوئی پلیٹ کے ٹکڑے سمیٹتی رہی۔

اس کے بعد بکھرے پھل اکٹھا کیے۔ میز پر ایک اور خالی پلیٹ پڑی تھی۔ سب اس میں رکھے اور کرسی ایزد کے بستر کے قریب کھینچ کر بیٹھ گئی۔

دروازہ بند کردو گی؟

کیوں۔۔۔۔۔۔۔؟ گھبرا کر اس نے ایزد کی طرف دیکھا

کہیں رفیقاں نہ آجائے۔ بے حد باتونی ہے۔ پھر مجھ سے پوچھنے لگ جائے گا۔

کہ یہ بی بی کون ہے؟

گیتی زور سے ہنس دی

نہیں پوچھتا

تمہیں معلوم نہیں نا کہ وہ کیسی چیز ہے۔ سیٹھ صاحب نے جانے کس مصلحت کے تحت اسے گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

کام وام کے لیے رکھا ہوگا

گیتی نے بڑی لاپرواہی سے کہا اور سیب کی ایک قاش ایزد کی طرف بڑھا دی۔ اس نے ہاتھ میں لینے کی بجائے منہ کھول دیا۔

کمزوری کی وجہ سے مجھ سے ہاتھ تک نہیں ہلایا جارہا

گیتی مسکرا پڑی۔ پھر چپکے سے اس کے منہ میں وہ قاش رکھ دی۔ آپ بیمار ہیں اس لیے لحاظ کر گئی۔

صرف اس لیے؟ سینے کے اندر جو ایک منی سی چیز دل نام کی موجود ہے۔ اس میں کوئی جذبہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔؟

اس کی پیشانی پر جھولتی لٹ کو سنوار کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بہت ہولے سے، بڑے پیار سے پوچھنے لگا۔

گیتی گڑبڑا سی گئی۔ کیا کہتی؟ جھوٹ بولتی کہ نہیں۔ مگر کیسے بولتی اتنا بڑا سفید جھوٹ

یہ پچھلے دس پندرہ دن کچھ وہی جانتی تھی کہ کس طرح بیتے تھے۔شاید اس کی اسی تکلیف کا بدل اللہ میاں نے یہ دیا تھا کہ ایزد وہی نکل آیا تھا جس کے ساتھ خود اس کے باوا جان اس کا رشتہ کرنا چاہتے تھے۔اس کے انکار کے باوجود اصرار کیے جا رہے تھے۔

کبھی آپ ہی آپ یوں بھی قسمتیں بدل جایا کرتی ہیں۔وہ تو سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ایزد واقعی قسمت والا تھا کہ اس کے ساتھ گیتی کا مقدر بھی چمک اٹھا تھا۔

اس کے انگ انگ سے خوشی کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ایزد کو بڑے پیار سے بڑی چاہت سے اس نے پھل کھلایا۔وہ بھی گیتی کے ہاتھوں سے کچھ زیادہ ہی کھا گیا۔

ذرا تھوڑی دیر کے لیے میرا سر دبا دو۔بہت درد ہوتی رہی ہے اتنے دن مگر پاس کوئی نہیں تھا۔

پھر وہ سیٹھ امان کے گھر والوں کے متعلق شکوہ کرنے لگا۔گیتی تو اس کی اپنی تھی۔اس کے ساتھ تو دل کی ہر بات کرسکتا تھا۔ہر کسی کے متعلق لمحہ بھر کو بھی اس نے یہ سوچا ہی نہیں کہ وہ آخر یہاں آ کس طرح گئی تھی۔ہاتھ میں پھلوں کی پلیٹ تھی۔یقیناً یہیں کہیں سے آئی ہوگی۔

ذرا سا بھی غور نہیں کیا۔بس اسے دیکھتے ہی عقل و ہوش کو خیر باد کہہ بیٹھا تھا۔

گیتی اس کی مسہری کے سرہانے ہی بیٹھ کر اس کا سر دبانے لگی تھی۔ایزد نے کھسک کر اس کی آغوش میں اپنا سر رکھ لیا اور دھیرے دھیرے ہولے ہولے اپنے زندگی کے دکھ سکھ اسے سنانے لگا۔اپنے پر بیتے ہوئے لمحات کی روداد کہنے لگا۔

کچھ نہ پوچھو ان بیماری کے دنوں میں میں نے تمہیں کتنا یاد کیا ہے۔میری چاہت اور میرے مخلص جذبوں ہی کا اثر ہے جو آج تم یہاں ہو۔اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے وہ بولے جا رہا تھا۔

جی چاہتا ہے۔ یہ لمحات طویل سے طویل تر ہو جائیں۔ یا پھر۔۔۔۔۔۔۔۔ یا پھر میرا انجام ہو جائے۔ ابھی۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ پھر شاید ایسے لمحات نہ آئیں۔ یہ خوبصورت ساعتیں یہ مبارک گھڑیاں

گیتی نے بے قرار ہو کر اس کے ہونٹوں پر اپنا کپکپاتا ہاتھ رکھ دیا۔ اگر ایسی باتیں کریں گے تو میں فوراً ابھی یہاں سے اٹھ کر چلی جاؤں گی۔

نہیں نہیں

ایزد نے اس کے گھٹنوں پر سر کا دباؤ ڈالا

اب تو میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ قیامت تک نہیں۔

گیتی مسکرا دی اس کے وجود سے اٹھتی مسحور کن مہک ایزد کو بے خود کیے دے رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کا ہلکا ہلکا، نرم نرم اور ملائم ملائم لمس اس کی بیماری کو رفع کیے دے رہا تھا۔

سیٹھ امان فرشتہ سیرت انسان ہیں۔ لیکن پتہ نہیں ان کے گھر والے کیسے ہیں۔ اتنا بھی نہ خیال آیا کہ قریب ہی ایک اکیلا انسان، ایک پردیسی بیچارا بیمار پڑا ہے۔

اپنی ہمدرد گیتی کے چہرے پر نظریں جمائے وہ ہولے ہولے اپنی تکلیفیں دکھ سنا رہا تھا۔ دنیا زمانے کے گلے شکوے کر رہا تھا۔

کوئی بھولے سے ہی عیادت کے لئے آجاتا۔ دنیا میں ایسے ایسے بھی بے مروت اور بد مزاج لوگ ہوتے ہیں۔ دیکھا تم نے گیت! کیسی زیادتی ہوئی میرے ساتھ۔

اس کے رخسار کو چومتی لٹ کو ہاتھ بڑھا کر بڑے پیار سے کان کے پیچھے اڑستے ہوئے بولا۔

اب بھی میرے دل کے جذبے تمہیں کھینچ نہ لے آتے تو اس بیماری سے نہیں۔ تنہائیوں کے ان زہریلے ناگوں کے مسلسل ڈستے رہنے کی وجہ سے میرا کام تمام ہو جانا تھا۔

گیتی چپ چاپ سن رہی تھی۔ ندامت سے چہرہ سرخ ہوا جا رہا تھا۔ سچ ہی تو کہہ رہا تھا وہ انسانی ہمدردی کی خاطر ہی سہی۔ اسے اس سے بہت پہلے آنا چاہیے تھا۔

امی اور باوا جان تو کہتے رہے تھے۔ خود وہی ضد پر اتر آئی تھی۔ یہ سب اس کا اپنا ہی قصور تھا۔ پہلے آ جاتی تو شاید اس کی بیماری طوالت نہ پکڑتی۔

دل ہی دل میں خود کو کوس رہی تھی۔ بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ سب الزام چپ چاپ اپنے سر دھر لیے تھے۔

وہ تو اب بھی نہیں آ رہی تھی۔ کس زبردستی سے امی نے بھیجا تھا۔ چپکے ہی چپکے، سوچوں ہی سوچوں میں باوا جان کی ضد کی مشکور بھی ہو رہی تھی جس نے اس کی نہ صرف فراق کی گھڑیاں سمیٹ لی تھیں بلکہ وصل دائمی وصل کی بشارتیں بھی دے دی تھیں۔

اتنے دن ایزد کے ہونٹوں پر خاموشیوں کے قفل پڑے اور اب کھلے تو بالکل ہی کھل گئے۔ اس کا خاموش ہونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا شاید۔

پھر اس نے سحر، ممی اور ڈیڈی کی باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس نے گیتی کو سب کچھ بتا ڈالا کہ کس طرح اس کی سحر سے ملاقات ہوئی تھی اور کس طرح وہ لوگ اس کے بن گئے تھے۔

اس داستان پر گیتی چونکی۔ جس وقت سے گیتی آئی تھی۔ اسے حقیقت کا علم ہوا تھا۔ وہ یہ معمہ حل نہیں کر سکی تھی کہ سحر کا کزن تو بہت سال کسی دوسرے ملک میں رہ کر آیا تھا۔ پھر ان کی مل کا منیجر کیسے بن گیا۔ کیا سحر یہ جانتی تھی؟ یا شاید وہ بھی لاعلم ہی تھی۔ کئی سوال اس کے ذہن میں ابھرے تھے۔

اور اب۔۔۔۔۔۔ کتنا وہ ان کے بغیر اداس تھا۔ ممی، ڈیڈی اور سحر سے ملنے کو تڑپ رہا تھا کہ انہوں نے اسے بہت کچھ دیا تھا۔ ماں کی ممتا باپ کی محبت اور بہن کے بے حد خوبصورت اور پیارے پیارے خواہرانہ جذبوں سے اس کا دامن بھر دیا تھا۔

اسے مالا مال کر دیا تھا۔

مگر۔۔۔۔۔۔اب جانے کیا ہو گیا تھا۔سحر اس کے پاس کیوں نہیں آ رہی تھی؟وہ اتنا بیمار تھا۔ممی کی ممتا کیوں بے چین نہیں ہو رہی تھی؟

وہ بولے جا رہا تھا۔ہولے ہولے۔دھیرے دھیرے۔آواز کبھی بڑبڑاہٹ میں بدل جاتی۔کبھی سرگوشیوں کا سا انداز اختیار کر لیتی۔اور

گیتی کے سامنے ہر معاملہ روز روشن کی طرح واضح ہوتا جا رہا تھا۔ہر راز کھلتا جا رہا تھا۔ہر معمہ حل ہوتا جا رہا تھا۔

سحر کی اور ایزد کی کوئی رشتہ داری، کوئی تعلق، کوئی واسطہ، کوئی میل ملاقات نہ تھی۔اس نے ایک اجنبی، ایک انجان کو صرف گیتی کی خاطر ہی بھائی بنایا تھا۔اسی کی خاطر ہی اس نے یہ سارا ڈرامہ کھیلا تھا۔

امی نے اپنی پریشانیاں اسے بتائی ہوں گی نا۔خود اس کی ضد۔باوا جان کی ضد۔وہ اس کی سہیلی تھی۔اس سے اپنی پرابلم نہ کہتیں تو اور کس سے کہتیں۔

پچھلے دنوں سحر اکثر ان کے پاس گھسی بھی تو رہتی تھی۔پھر باتوں باتوں میں وہ اسے سمجھاتی بھی رہی تھی۔ہر وقت مینجر کے کمرے میں خود جانے اور ساتھ اسے لے جانے کا بھوت بھی اس کے سر پر سوار رہتا تھا۔تب گیتی کسی صورت نہیں مانی تھی تو

۔۔۔۔۔۔تو وہ۔۔۔۔۔۔

پھر اسے یہ سب کچھ کرنا پڑا۔سحر کتنی اچھی تھی۔کتنی مخلص تھی۔اس کی امی کی خاطر، باوا جان کی ضد کے لیے اور سارے گھر کو پریشانیوں سے بچانے کے لیے اس نے کتنا خوبصورت کھیل کھیلا تھا۔

گیتی کو گزرے ہوئے سب واقعات یاد آ رہے تھے۔ایک ایک بات، ایک ایک لمحہ اس پر واضح ہو گیا تھا۔

پکنکیں، فلمیں، سحر کا پھر ان دونوں کو بار بار تنہا چھوڑ چھوڑ جانا۔جھوٹ، سچ، کیا

کیا کچھ نہ بیچاری نے کیا تھا۔ اور کس ہوشمندی اور تجربہ کاری سے ہر راز کو گرفت میں رکھا۔

وہ دونوں ایک ہی گھر سے اس کے گھر جایا کرتے تھے۔ کس ہوشیاری اور سمجھ بوجھ سے اس نے ہمیشہ دونوں کو مختلف اوقات دیئے۔

کبھی کئی بار ایز د نے گیتی کو اس کے گھر چھوڑ آنے کی پیش کش کی تو سحر ہمیشہ آڑے آتی رہی۔ خود اسے چھوڑنے اور لے جانے آتی تھی کہ راز نہ فاش ہو جائے۔

گیتی جھنجلایا بھی کرتی تھی۔ اس وقت اس کو سحر پر غصہ بھی آیا کرتا تھا۔ کتنا اس کا جی چاہا کرتا تھا کہ ایزد ہی اسے اس کے گھر چھوڑنے جائے کہ جو بھی لمحات اس کی معیت کے میسر آجائیں وہ انہیں سمیٹ لے مگر سحر

اوہ سحر! تم کتنی اچھی ہو۔ اتنی سی عمر میں ہی تم کتنی عقلمند ہو۔ تم نے امی کی پریشانی اور باوا جان کی ضد کو کس احسن طریقے سے پورا کیا۔ ہمارے گھر میں آنے والے ایک بڑے فساد کو تم نے کس خوش اسلوبی سے پرامن بنایا۔ تم عظیم ہو سحر!

اور خیالوں ہی خیالوں میں گیتی کا سر بڑی عقیدت اور محبت سے سحر کے حضور جھک گیا۔

سحر کی دوستی اسے چاند ستاروں سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ ہمالہ کی چوٹی سے بھی زیادہ بلند اور عظیم محسوس ہو رہی تھی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی پاک و صاف، بے غرض اور بے لوث! بے حد مخلص!!

تم سے ملنے کو بے تاب تھا، تم آگئیں، اور اب میرا حرا اور ممی سے بھی ملنے کو بہت جی چاہتا ہے

ایزد کی بڑبڑاہٹ جاری تھی

تم اسے کہنا کہ اسے اس کا بھائی بہت یاد کرتا ہے۔ وہ کیسی خراب بہن ہے کہ اتنے دنوں سے بھائی بیمار پڑا ہے اور اس نے خبر ہی نہیں لی۔

کچھ دوا کا اثر تھا شاید اور کچھ گیتی کی ہستی کا سحر! جانے اس نے کیسا افسوں پھونک دیا تھا کہ ایزد کے ہوش و حواس پر غنودگی سی طاری ہوئی جا رہی تھی۔ گیتی نے آہستہ سے اس کا سر تکیے پر رکھا۔

میں سہ پہر کو پھر آؤں گی

گیتی اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے اس کی پیشانی اور چہرے پر ہاتھ پھرتے ہوئے ہولے سے اس کے کان میں بولی۔

غنودگی میں ڈوبا ڈوبا وہ مسکرایا۔ بے حد خوبصورت اور نشیلی سے مسکراہٹ تھی۔ ہاتھ بڑھا کر پھر گیتی کو دونوں ہاتھ تھام لیا۔

کتنا سکون دے چلی تھی وہ اسے۔ گیتی اس کے لئے آب حیات تھی۔ گیتی اس کے لیے بہاروں کی نوید تھی۔ اور اس کے حسین و خوشگوار مستقبل کا پیغام۔۔۔۔۔۔!!!

بڑی وارفتگی سے گیتی کے ہاتھ دبا کر اس نے اپنے گرم گرم بخار سے تپتے ہونٹ ان پر رکھ دیئے۔ اور پھر بڑے والہانہ انداز میں چومنے کے بعد آنکھوں کو لگا لئے۔

بڑی عقیدت سے، بڑے احترام سے

جی تو نہیں چاہتا تھا کہ وہ چلی جائے مگر ابھی یہ سوچنے کا ہوش تھا کہ اس کے پاس ایک جواں مرد کے پاس جوان و حسین لڑکی کا ٹھہرنا رسوائی اور بدنامی کا باعث بھی بن سکتا تھا۔

شکریہ!

اس نے مخموری نگاہوں سے نظر بھر کر اسے دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے

خدا حافظ

اس کے اوپر اچھی طرح کمبل اوڑھانے کے بعد میز پر سے ٹوٹی پلیٹ کے ٹکڑے اٹھا کر گیتی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی کمرے سے باہر نکل گئی

ایزدا سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا

اس کے سکون و اطمینان کی دنیا۔۔۔۔۔۔۔! کتنی ہمدرد اور اچھی تھی اس کی گیت۔۔۔۔۔۔۔!

اسی کے متعلق سوچوں میں ڈوبا ڈوبا وہ چپکے سے نیند کی آغوش میں سما گیا۔

☆

بانو بڑی دیر سے اس کے واپس آنے کے انتظار میں تھیں۔ روتی دھوتی گئی تھی جانے کس موڈ میں واپس آئے۔ اندر ہی اندر خوفزدہ بھی تھیں۔ اور شاید اسی لیے منتظر بھی!

نتیجے سے آگاہ ہونا چاہتی تھیں

سیٹھ امان نے تو ساری زندگی ہاتھوں کی لکیروں کے چکر میں گزار دی تھی۔ جو بات ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر کوئی کہہ دیتا۔ وہی کرتے

اور اب ایزد جیسے خوش قسمتی کے تعویذ کو وہ بھلا کیسے اس کی افادیت جانتے سمجھتے ہوئے بھی ہاتھ سے گنوا سکتے تھے۔

بقول ان کے ان کی حیات کی متاع گیتی تھی۔ ساری زندگی اپنے لئے دولت اور اس کی خوشیاں سمیٹتے گزری۔ اب اپنی بیٹی کا وقت تھا تو کس طرح ہاتھ آیا موقع کھو سکتے تھے۔

یہ سب کچھ وہ کہتے تھے۔ مگر بانو بھی جانتی تھیں۔ دولت اکٹھی کرنے کا انہیں خبط تھا۔ بیٹی کے مستقبل سے زیادہ وہ اپنی مل اور اپنی دولت کے لیے اسے اپنا بنانا چاہتے تھے۔ اسے بیٹی دے کر ایک ایسا مضبوط رشتہ قائم کر لینا چاہتے تھے کہ اس کی خوش قسمتی ہمیشہ کے لیے ان کی بن جائے۔

اس کارواں رواں کچھ اس طرح ان کے احسان تلے دب جائے کہ وہ انہیں چھوڑ کر کہیں جا نہ سکے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صرف اور صرف ان کا ہو کر رہ جائے۔

زندگی کی اتنی طویل رفاقت نے بانو کو اچھی طرح شوہر کے اندر سے واقف کر دیا ہوا تھا۔

اس کے علاوہ یہ سب کچھ جاننے سمجھنے کے باوجود سیٹھ امان کے دلائل، ان کے فراہم کیے ہوئے ثبوت ایسے مستند تھے کہ بانو بھی ڈانواں ڈول ہو رہی تھیں۔

اولاد ہی کے دم سے تو ہر خوشی اور سکھ ہوتا ہے۔ وہ خوش رہے تو سکون ملتا ہے اور پریشان رہے تو دکھ۔

خاندان میں نہ کرتیں تو کسی نے کیا کہہ لینا تھا۔ اپنی اولاد، اپنی مرضی، یوں، کوئی بھی قربانی دیئے بغیر اگر واقعی ان کی بیٹی کو سکھوں بھری زندگی مل سکتی تھی تو حرج بھی کیا تھا۔ اندر بے شک باپ کا کوئی اور بھی مقصد حل ہو جائے۔ کوئی اور بھی مطلب نکل آئے۔

بانو سوچوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔ بنائی جو کر رہی تھیں وہ بھی خیالات کی الجھنوں میں الجھیں چھوڑے بیٹھی تھیں۔ کچھ کیا ہی نہیں جا رہا تھا۔ دھیان گیتی کی طرف ہی لگا تھا۔

آخر بہت دیر ہو گئی تو رفیقے کو پکارا

جی بیگم صاحب!

رفیقا دانت نکالتا پاس آ کھڑا ہوا

گیتی کہاں ہے؟

جی پتہ نہیں ۔۔۔۔۔۔ اپنے کمرے میں کہیں ہوں گی

جاؤ دیکھ کر آؤ

اسے بھیجنے کے بعد خود فکر مند ہو گئیں

باپ ہی کی مانند ضدی ہے۔ کیا پتہ گئی ہی نہ ہو

اس خیال کے ساتھ ہی بانو الجھ سی گئیں

باپ بیٹی دونوں نے ہی مصیبت ڈالی ہوئی ہے۔ اگر باپ ضد کا پکا ہے تو بیٹی ہی سوچ لیتی کہ اسی کی خاطر یہ سب کچھ ہو رہا ہے نا۔ جانے اسے بھی کیوں سمجھ نہیں آ رہی۔ اولاد بھی والدین کے لیے مسئلہ ہی ہوتی ہے۔ اس اس کا بھلا چاہتے ہیں اور اولاد سمجھتی ہے بُرا کر رہے ہیں۔ بھلا کون سے والدین ایسے ہیں جو اولاد کے لیے برا

کریں گے۔

بیگم صاحب! پہلے وہ اپنے کمرے میں تھیں اور اب باورچی خانے میں چلی گئی ہیں رفیقا آ کر رپورٹ دینے لگا

وہاں کیا کر رہی ہے؟

جی معلوم نہیں

تو معلوم کر کے آؤنا

ڈانٹ سن کر رفیقا پھر بھاگ گیا اور بانو پھر الجھ گئیں۔

کہیں اور رشتہ ہوا تو گیتی وداع ہو جائے گی۔ پھر ان کا گھر کیسا ویران اور سونا سونا ہو جائے گا۔ اسی کے دم سے تو اس گھر کی ساری رونقیں آباد ہیں۔

اب صرف ماِمتا سوچ رہی تھی۔

اور اگر اسی لڑکے کے ساتھ ہو گیا تو پھر گیتی گھر میں ہی رہے گی۔ ہمارے دل کی رونق، ہمارے گھر کی رونق، باپ نے جو کچھ سوچا ہے ٹھیک ہی تو سوچا ہے

اب ان کا ووٹ پورے کا پورا سیٹھ امان کے حق میں تھا۔

لڑکے کا مقدر اچھا ہو گا تو یقیناً اس کا بھی ہو گا۔ پھر کامرانیوں اور شادمانیوں بھری زندگی کے ساتھ ہماری نگاہیوں کے سامنے ہی رہے گی۔ ہمیں بھی سکون ہو گا۔ رونق ہو گی۔ گھر کے ویرانے، دلوں کے ویرانے آباد ہوں گے۔ گیتی کے ننھے منے، گول مٹول خوبصورت بچے

بانو انہیں خوش آئند تصورات میں ڈوبیں مسکرا رہی تھیں۔ سیٹھ امان کو بھی بچے بڑے اچھے لگتے تھے۔ اگر بانو گیتی کی پیدائش کے بعد بیمار نہ ہو جاتیں تو ان کے بے شمار بچے ہونا تھے۔

سالہا سال سے گھر میں وہ رونق نہیں بکھری تھی جو معصوم معصوم سی کلکاریوں اور مسکراہٹوں سے ہر طرف بہار بن کر بکھر اٹھتی ہے۔

ہائے میرے پیارے پیارے نواسے نواسیاں

بانو کے ہاتھ سینے پر یوں بندھے تھے جیسے سچ مچ وہ ایک گول مٹول اور خوبصورت سارو نئی کا گولہ اپنے ساتھ لپٹائے تھیں۔ آنکھوں میں عجیب سی جوت جگمگا رہی تھی

وہ یخنی بنا رہی ہیں بیگم صاحبہ

رفیقا آ کر کہہ رہا تھا

کیا۔۔۔۔۔۔؟ بانو حیرت سے چلا سی پڑیں۔ انہیں رفیقے کی بات کا قطعی یقین نہیں آیا تھا۔

یخنی وغیرہ بنانے سے تو گیتی یہیں انکار کر گئی تھی۔ لہذا اس کے لیے تو اس نے بنانا نہیں تھی۔ اور گھر میں بھی اس وقت کسی اور کو ضرورت نہ تھی ۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔؟

جاؤ اسے ادھر بلا کر لاؤ

الجھن ڈانٹ کی صورت میں رفیقے پر نکلی

ایک ایک کام کے لیے دس دس چکر لگاتا ہے۔ عقل تو استعمال کرتا ہی نہیں۔ پہلی بار ہی اسے بلا لاتا

رفیقا پھر بھگا۔ بانو پھر سوچوں کے راستے مستقبل کے حسین مرغزاروں کی طرف چل پڑیں اور اب ابھی وہ وہاں تک پہنچ نہیں پائی تھیں کہ گیتی سامنے آ کھڑا ہوئی۔

جانے کیا بات تھی۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور پلکیں رخساروں پر جھکی جا رہی تھیں

تم کہاں تھیں؟

میں۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔گیتی ہکلائی

امی کی اس پوچھ گچھ سے بچنے کے لیے تو وہ ان کے کمرے میں آئی نہیں تھی۔ ایسی عجیب سی اس کی کیفیت ہو رہی تھی جب وہ ایزد کے پاس سے آئی تھی۔

اسی لیے وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ جانے سینے کے اندر ڈھکا چھپا

دل اتنی زور زور سے کیوں دھڑک رہا تھا؟ جذبات کی شدت سے سارا وجود کپکپا رہا تھا۔

کہیں امی اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر کچھ جان نہ جائیں۔ یہ بھی خدشہ دل میں اتر گیا۔ دوسرے

وہ ایزد کے پاس سے آئی تھی۔ بڑے پر لطف اور حسین لمحات گزار کر۔ بڑے مزے کی باتیں وہ کرتا رہا تھا۔ اس نے گیتی کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ انہیں چوم کر آنکھوں سے لگایا تھا۔

اپنی پر جوش اور پر خلوص محبت کا اتنے خوبصورت طریقے سے اس نے اظہار کیا تھا۔ اور گیتی۔ جو ایک انسان تھی۔ جذبات و احساسات رکھنے والا انسان۔ شباب کی دہلیز پر کھڑا انسان!

وہ بھی انہیں طوفانوں میں بہی جا رہی تھی۔ جی ہی نہیں چاہتا تھا اس کے پاس سے آنے کو۔

اور تب وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پلنگ پر اوندھے لیٹ کر، آنکھیں بند کر کے ایزد کے ساتھ گزارے ان لمحات کا لطف لینا چاہتی تھی۔

امی کی پوچھ گچھ میں ان تاثرات کو زائل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جن میں ڈوب کر وہاں سے آئی تھی۔

وہ لیٹ گئی۔ آنکھیں میچ لیں۔ اسی طرح ایزد کا سر اس کی آغوش میں تھا۔ وہ اسے دبا رہی تھی۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی اور ایزد اس کے چہرے کے ارد گرد بکھری لٹوں سے کھیل رہا تھا اور باتیں کیے جا رہا تھا۔

گیتی شرمائی جا رہی تھی۔ گیتی مسحور تھی۔ گیتی عجیب طرح سے سرشار کرنے والے انوکھے سے جذبوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ایزد کے بخار میں دہکتے وجود کا لمس اسے عجیب سی شبنمی ٹھنڈک کا احساس دلا رہا

تھا۔

وہ خیالوں ہی خیالوں میں بہتی پھر انہیں جذبات کے تیز و تند طوفانوں میں جا ڈوبی تھی کہ

اچانک اسے خیال آیا۔ اتنے دن کے بخار نے ایزد کو بہت کمزور کر دیا تھا۔ ڈاکٹر نے بھی ہدایت کی تھی کہ اسے یخنی ضرور ملنا چاہیے تھی۔ رفیقا جانے کیسی خراب سی بنا کر رکھ دے۔

گو ایزد کو ابھی تک اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ سیٹھ امان اسی کے باوا جان تھے۔ مگر اب وہ خود تو جان گئی تھی نا کہ وہ مینجر اس کا اپنا ایزد تھا۔ پھر وہ کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ اسے رفیقے کے رحم و کرم پر چھوڑے رکھے۔

جلدی سے اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ ایزد کے لیے یخنی بنانے، خود اپنے ہاتھوں سے۔ اور اب باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے وہ یہ بھول ہی چکی تھی کہ اسے امی کو مینجر کے متعلق رپورٹ دینا تھی۔

اب اس کے ذہن، دل اور حواس میں صرف اور صرف ایزد ہی تھا۔ بیمار ایزد، مجبور ایزد، اسے یخنی کی ضرورت تھی۔ اسے وقت پر دوا ملنا چاہیے تھی۔ اسے پھل اور دودھ کی کمی نہیں آنا چاہیے تھی۔

بے شک زبردستی کرنا پڑے۔ لیکن ۔۔۔۔۔۔۔ لیکن گیتی یخنی بناتے ہوئے مسکرا پڑی۔ اس کے ہاتھ سے وہ کچھ بھی کھانے یا پینے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

اسے اپنی محبت اور خلوص پر پورا اعتماد تھا۔ ایزد اس کا تھا۔ وہ ایزد کی تھی۔

پھر رفیقا امی کا بلاوا لے کر آ گیا۔ دو تین منٹ پہلے اس نے آ کر اس سے پوچھا تھا کہ وہ کیا کر رہی تھی۔ گیتی نے سوچوں میں کھوئے کھوئے بے خیالی میں جواب دے دیا تھا کہ وہ یخنی بنا رہی تھی۔

یقیناً اس نے امی سے جا کر جڑ دیا تھا۔ اور وہ ۔۔۔۔۔۔۔ وہ تو اس شرط پر مینجر کی

عیادت کو گئی تھی کہ بعد میں یخنیوں اور ساگو دانوں کی مصیبت اسے نہ ڈالی جائے۔

اب امی کیا کہیں گی؟ کیا سوچیں گی؟ اس کا چہرہ سرخ ہو اٹھا۔ گھبرا کر دیگچی چولھے سے اتاری اور لرزتی کانپتی بھاگ کر امی کے پاس جا پہنچی

میرا خیال ہے تم اس کی خیر خبر پوچھنے نہیں گئیں؟

بانو نے گیتی کی ہکلاہٹ اور گھبراہٹ سے یہی نتیجہ اخذ کیا

آجکل کی اولاد نافرماں بہت ہوتی ہے

ابھی ابھی گول مٹول خوبصورت سے جن بچوں کو کبھی وہ سینے کے ساتھ لپٹائے اور کبھی گھر میں ادھر ادھر بہار بن کر بکھرے دیکھ رہی تھیں وہ یکدم کہیں غائب ہو گئے۔

تب انہیں گیتی پر ہی غصہ آ گیا

امی! میں گئی تھی

گیتی کی لرزتی پلکیں سرخ ہوتے رخساروں کو چھو رہی تھیں۔ جیسے وہ ان آنکھوں کو ماں کی نظر سے بچانا چاہتی تھی جن میں ایزد کی شبیہہ اتنی واضح تھی کہ وہ ایک نظر میں ہی سب کچھ پہچان سکتی تھیں۔

گئی تھی۔۔۔۔۔۔؟ بانو کے چہرے پر پھیلے غصے نے تجسس کی جگہ لے لی

پھر۔۔۔۔۔۔؟

پھر۔۔۔۔۔۔! گیتی خفیف سی ہو کر ماں کو دیکھنے لگی

کچھ نہیں امی

وہ۔۔۔۔۔۔وہ میرا مطلب ہے

بانو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس سے پوچھیں۔ اور کیا پوچھیں۔۔۔۔۔۔؟ جاننا وہ بہت کچھ چاہتی تھیں۔

بھلا گیتی خود ہی کیوں نہیں بتا دیتی۔ انہوں نے پھر استفہامیہ انداز میں بیٹی کی

جھکی جھکی نگاہوں والے سرخ سرخ اور پر کشش چہرے کی طرف دیکھا۔اس انداز میں کھڑی وہ اس وقت انہیں بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

مگر۔۔۔۔۔۔۔۔وہ بڑی چپ چپ سی تھی جانے کیوں؟ بانو اپنے آپ میں ہی الجھ رہی تھیں۔اور گیتی سامنے وینس کے مجسمے کی طرح ایستادہ تھی۔

بہت سوچ کر پھر انہوں نے پوچھا

اب اس کا حال کیا ہے؟

ابھی بخار ہے گیتی نے پھر مختصر سا جواب دیا

بانو جو جاننا چاہ رہی تھیں وہ پوچھ نہیں پا رہی تھیں۔کیسی بے بسی تھی۔۔بے حد عجیب

۔۔۔۔۔۔!اور گیتی بھی اتنی کم گو تو کبھی بھی نہ تھی۔

سحر کے ہاں جاتی تو واپس آ کر بغیر بانو کے کچھ پوچھے ہی وہاں گزارے ایک ایک لمحے کی داستان سنا ڈالتی۔آج نجانے کیا ہو گیا تھا اسے۔۔۔۔۔۔؟

پھل وغیرہ لے گئی تھیں۔۔۔۔۔۔۔؟

ہاں پھر وہی مختصر مختصر

میری طرف سے بھی حال پوچھا تھا۔۔۔۔۔۔؟

جی ہاں

اوہ گیتی! تم خود ہی میری تسلی کیوں نہیں کر دیتیں میری جان! مجھے کیوں الجھن میں ڈالا ہوا ہے۔وہ اس کی صورت تکے جا رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں۔

اور وہ اسی طرح جھکی جھکی پلکیں لیے کھڑی دوپٹے کا پلو انگلیوں میں لپیٹ کھول رہی تھی۔

آج وہ ٹیلی پیتھی ان دونوں کے درمیان کام کیوں نہیں کر رہی تھی۔جس کے ذریعے ہمیشہ وہ دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کے ہونٹوں سے نکلنے سے پہلے ہی سوالوں کے جواب دے دیا کرتی تھیں۔صرف نگاہوں کے انداز سمجھ کر

۔۔۔۔۔۔۔!!

نہ آج بانو اس کے انداز سے کچھ سمجھ پا رہی تھیں اور نہ گیتی ان کے تجسس کا مفصل اور تسلی بخش جواب دے رہی تھی۔ ایک دم بانو کو کچھ یاد آیا

وہ۔۔۔۔۔۔۔رفیقے نے بتایا تھا کہ تم یخنی بنا رہی تھیں۔ کس کے لیے؟

اوہ۔۔۔۔۔۔۔! گیتی کا چہرہ مزید سرخ ہوا اٹھا۔ جس سوال سے وہ بچنا چاہتی تھی امی نے وہی کر ڈالا تھا۔ دوپٹے کا پلو بڑی تیزی سے انگلیوں پر لپٹنے اور کھلنے لگا۔ جھکی جھکی پلکیں لرزنے لگیں۔

قدرے توقف بعد حلق میں پھنسنے والا گولہ سا نگلتے ہوئے وہ ہولے سے بولی

اتنے دنوں کے بخار سے امی وہ بہت کمزور ہو چکا ہے۔ کہتا تھا۔ نقاہت سے بات بھی نہیں ہوتی۔ مجھے ترس آ گیا۔ میں نے سوچا یخنی بنا دوں۔

ترس اور ہمدردی کا جذبہ آگے چل کر پسند بھی بن سکتا ہے۔ بانو کی باہوں میں پھر وہی گول مٹول سے ننھے منے وجود سمٹ آئے پھر کلکاریاں مارتے، منے منے قہقہے لگاتے اور اپنے ہی گھر بھر میں بہاریں بکھیرتے دکھائی دینے لگے۔

ہونٹوں پر ایک مطمئن سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں سکون بھری چمک لئے وہ بیٹی کو تکنے لگیں۔

اچھا کر رہی ہو

اور گیتی نے ان کی مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک سے نجانے کیا نتیجہ اخذ کیا۔ جلدی جلدی اپنے آپ ہی گویا صفائی پیش کرنے لگی۔

انسانیت کے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں امی! اکیلا بخار میں پڑا بھن رہا تھا۔ رفیقا بھی ایسا عجیب ہے۔ ہمیں بتایا ہی نہیں کہ اسے اتنا زیادہ بخار ہے۔ اگر بتا دیتا تو پھر ہم سے اتنی بھی کوتاہی نہ ہوتی۔ وہ تو باوا جان کے گھر والوں کے متعلق گلہ کر رہا تھا۔

اچھا۔۔۔۔۔۔بانو سدا سے بے حد ہمدرد تھیں۔ ان کا دل فوراً ہی اتھل پتھل

ہونے لگا

کیا کروں مجھے تو اس جوڑوں کے درد نے کہیں کا نہیں رکھا۔ تمہیں بھی کہتی رہی

امی! آپ نے کہا میں فوراً چلی گئی

گیتی نے جھٹ احسان جتا دیا

اچھا کیا چلی گئیں ---------- ہائے ہائے! ہم سے کیسی بے پرواہی ہوئی جانے کس ماں کا بچہ ہے بیچارا ---------!

بانو بڑے خلوص سے اپنی غلطی کا اعتراف کر رہی تھیں

میں تو کہتی ہوں جب تک وہ تندرست نہیں ہو جاتا تم دن میں دو تین بار اسے ضرور پوچھ آیا کرو۔ میری طرف سے بھی۔ رفیقا تو کوئی بھی کام سلیقے سے نہیں کرتا۔

جی اچھا امی -------!

یوں بظاہر اوپرے دل سے گیتی نے حامی بھری تھی۔ مگر اندر ہی اندر بے حد خوش ہو رہی تھی۔

ویسے وہ مزاج کا کیسا ہے ------؟ بانو کو جانے کیا خیال آیا

جیسے لوگ ہوتے ہیں

جیسا گیتی اسے سمجھتی تھی کھلم کھلا اس کی تعریف نہ کر سکی۔ جانے بانو کیا سمجھ لیں۔ بھلا چند منٹ میں اتنا گہرہ مطالعہ کسی انسان کا ہو سکتا ہے!

وہ بہت سوچ سمجھ کر ماں کے سوالوں کے جواب دے رہی تھی۔ اپنے آپ ہی اس نے اپنے متعلق بڑے خلوص سے اعتراف کر لیا کہ وہ بڑی چالاک ہو گئی تھی۔

اور یہ سب چالاکیاں اور ہوشیاریاں اسے ایزد کی محبت نے سکھائی تھیں۔ ورنہ وہ پہلے ایسی نہ تھی۔ یہ محبت بھی کیسا انوکھا جذبہ ہوتا ہے انسان کو کچھ سے کچھ بنا دیتا ہے۔ چالاکیاں سکھا دیتا ہے۔ الٹ پھیر کرنا بتا دیتا ہے۔

پھر جاؤنا کہیں یخنی جل نہ جائے

بانو اسے اس کا فرض یاد کرا کے خود اپنے تصورات میں ڈوبنا چاہتی تھیں۔ گول مٹول اور خوبصورت سے ننھے منے وجود!

آج تک ان کے ذہن نے مستقبل کے جو بھی خواب دیکھے تھے، جو بھی تانے بانے بنے تھے۔ یہ ان سب سے زیادہ حسین تھے۔

وہ تصور کی آنکھ سے پھر اپنے اردگرد وہی بہاریں دیکھنے لگیں انہیں ننھے منے غنچوں سے کھیلنے لگیں۔ اور اب ان کے ساتھ اس کھیل میں میٹھا اماں بھی موجود تھے۔ وہ بھی تو خدا کے ان ننھے اور معصوم فرشتوں کو بے حد پسند کرتے تھے۔

یکدم گھر بھر میں رونقیں ہی رونقیں بکھر گئیں۔ ان کا تصور آنے والی بہاروں سے مہک اٹھا۔

☆

عجیب سی بے کلی اس کے اندر سمائی ہوئی تھی۔ دوپہر کا کھانا بھی اس سے اچھی طرح نہیں کھایا گیا۔ یہ خیال خاصا روح فرسا تھا کہ اسی گھر میں، اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایزد موجود تھا۔ بہت بیمار تھا اور وہ تنہا پڑا تھا۔

رفیقا بھی کتنا وقت اسے دے سکتا تھا۔ سارے گھر کے کام کاج اور بھاگ دوڑ اسی کے ذمہ تھی۔ ان کے گھر کا کام اتنا تھا کہ دو تین ملازم ہوتے تب آسانی سے نمٹ سکتا تھا مگر

ملازموں کا اس گھر میں ہمیشہ مسئلہ ہی رہا۔ سیٹھ امان کچھ کنجوس طبیعت کے مالک تھے۔ تھوڑی تنخواہ میں ہمیشہ زیادہ کام لینے کی کوشش کرتے۔ کوئی دو دن کام کرتا۔ کوئی چار دن۔ پھر چپ چاپ بھاگ جاتے۔

ایک ملازمہ آئی۔ وہ بانو کے سونے کے بندے اور گیتی کا ایک لاکٹ چوری کر کے رفو چکر ہوگئی۔ اس کے بعد سیٹھ امان نے کوئی اور ملازم رکھا ہی نہیں۔

ایک رفیقا ایسا تھا جو کام کی زیادتی پر بھی خوش رہتا۔ اس کا باپ گیتی کے نانا جان کا ملازم تھا۔ اس لیے پرانے زمانے کی وفا باپ کے ورثاء سے اسے مل گئی تھی۔

یا شاید بے وقوف تھا کہ باپ نے جس گھر کا نمک کھایا تھا اس کے ساتھ اس نے بھی نمک حلالی ہی کرنا تھی۔ خواہ کچھ ہو جائے۔ اور یوں تھوڑی تنخواہ کے باوجود سارے گھر کے کاموں کا بوجھ ایک اکیلے نے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔

وہ ایزد کو زیادہ وقت نہ دے سکتا تھا۔ امی جوڑوں کے درد کی وجہ سے اس کے پاس نہ جا سکتی تھیں۔ باوا جان کو آجکل خود ایزد ہی کی دفتر اور مل کی ذمہ داریاں سنبھالنا پڑ گئی تھیں۔ ان کا تو دوپہر کا کھانا بھی وہیں پہنچایا جاتا تھا۔

اتنے امیر ہو کر بھی صرف اپنی کنجوسی کی وجہ سے سیٹھ امان نے ڈرائیور کبھی نہیں رکھا تھا۔ اچھی خاصی معقول رقم اس کی تنخواہ کی چاہیے تھی۔ اس کے علاوہ یہ ڈرائیور لوگ

جو پٹرول کا گھپلا کرتے ہیں وہ علیحدہ۔

کمانا کوئی اتنا آسان تو نہیں کہ یوں آنکھوں کے سامنے پھر لٹایا جائے۔ خود گاڑی چلانے سے کونسے ہاتھ پاؤں گھس جاتے تھے۔ چلو جی ڈرائیور کے بغیر گزارہ ہو گیا اور رفیقے کا ایک اور کام بڑھ گیا۔

یوں آخر میں صرف گیتی ہی رہ جاتی تھی ایزد کی خیر خبر لینے والی۔ گو اس کے دل کا شہر وہیں آباد تھا۔ مگر وہ زمانے کے ہاتھوں مجبور تھی۔ اندر ہی اندر اسے بڑی بے چینی لگی ہوئی تھی۔ جانے اس نے پھر دوا پی یا نہیں۔ رفیقے کے ہاتھ یخنی بھیج تو دی تھی مگر اس نے اسی وقت پی نہیں تھی۔

رفیقے سے کہہ کر میز پر رکھوا دی تھی۔ اور رفیقا واپس آ گیا تھا۔ اسے سیٹھ امان کا کھانا لے کر جانے کی جلدی تھی۔ پھر پتہ نہیں اس نے پی بھی تھی یا نہیں۔

انہیں سوچوں میں مستغرق اس سے کھانا بھی اچھی طرح نہیں کھایا گیا۔ سہ پہر کسی بھی طرح ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

جانے وقت پر کیا افتاد آن پڑی تھی کہ آگے بڑھ ہی نہیں رہا تھا۔ وہیں کا وہیں جم کر رہ گیا تھا۔

بڑی مشکل سے خدا خدا کر کے گھڑی نے تین بجائے۔ گیتی اٹھ کر غسل خانے میں گھس گئی۔ خیال ایزد ہی کی طرف تھا اور وہ غیر ارادی طور پر ہی اس کے پاس جانے کی تیار کر رہی تھی۔

منہ ہاتھ دھویا۔ ایزد کی پسند کا لباس پہنا۔ بوسکی کا کرتہ اور شلوار اور اسی کے ہم رنگ موتیا سا شیفون کا دوپٹہ اوڑھا۔

ایک بار وہ فلم دیکھنے گئے تھے تو گیتی نے [illegible] فلم [illegible]

اسے خیال ہی نہیں آیا کہ کیا کر رہی تھی۔ بالکل بلا ارادہ ہی سب کچھ ہو رہا تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑی بالوں کو سلجھا رہی تھی کہ اچانک ذہن میں بجلی سی کوندی۔

سب دیکھنے والے کیا کہیں گے؟ مگر۔۔۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔۔۔سب کون؟ گھر میں اس کے علاوہ صرف امی تو تھیں۔ رفیقا احمق سا! کوئی انسان تھا۔۔۔۔۔۔۔؟ اس کے پاس تو دماغ ہی نہیں تھا۔ البتہ اسے اس لباس میں دیکھ کر ایزد نے ضرور خوش ہو جانا تھا۔

اتنا بیمار تھا بیچارا ط! اس کے التفات اور اس کی توجہ کو پا کر یقیناً وہ جلد رو بصحت ہو سکتا تھا۔ گیتی نے اس کی پسند کو ملحوظ رکھا تھا۔ اس کا اس کی طبیعت پر خوشگوار اثر پڑ سکتا تھا۔

اس کی یہ سج دھج تو ایک مریض کی خاطر تھی۔ اپنے آپ ہی کو جیسے صفائی پیش کر رہی تھی۔

چار بج گئے۔ آج کل پانچ ساڑھے پانچ بجے تک باوا جان آ جایا کرتے تھے۔ اسے ان کے آنے سے پہلے واپس آ جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ پھر باقی وقت وہ اس کے پاس ہی گزارتے تھے۔

اور اس لحاظ سے اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ صرف ایک گھنٹہ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی امی کے کمرے میں چلی گئیں۔

وہ حدیث کی کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں

امی! میں ذرا۔۔۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔۔۔بیمار کی خبر لے آؤں

دل کے اندر کا طور خود ہی ہکلانے لگا

ہاں ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔ضرور جاؤ

فقرہ پورا کرنے کے بعد بانو نے نگاہ اٹھائی۔ گیتی کی یہ سج دھج!

وہ دو قسم کے چشمے لگاتی تھیں۔ ایک دور دیکھنے والا اور ایک نزدیک گیتی پر لے

دروازے میں کھڑی تھی۔

وہ اپنے خیال کی تصدیق کی خاطر اسے اچھی طرح دیکھنا چاہتی تھیں کہ آیا واقعی وہ معمول سے مختلف انداز میں تھی؟ جلد جلد چشمہ ڈھونڈنے لگیں اور جب دور دیکھنے والا چشمہ لگایا تو وہ جا چکی تھی۔

بانو اپنے آپ پر ہی ہنس دیں۔اتنی مشکل سے اسے اس کے پاس جانے پر رضا مند کیا تھا۔اور وہ اتنی جلد کیا کیا کچھ سوچنے لگی تھیں۔

بانو پھر تصورات کی دنیا میں گم ہوئی جا رہی تھیں۔اے کاش! گیتی مان جائے پھر ۔۔۔۔۔۔ان کے گھر میں سدا کے لئے بہاریں آ جائیں گی

وہ پڑھنا چھوڑ مکمل طور پر انہیں خیالوں میں کھو گئیں۔

اور گیتی وہ اپنے من کی بستی میں گم ہو چکی تھی اس کی آرزوؤں اور امنگوں بھری بستی ۔۔۔۔۔۔ساری دنیا اسی میں آباد تھی

ایزد تو جیسے اسی کا منتظر تھا۔اس کی آہٹ پاتے ہی اٹھ گیا۔

آپ اٹھ کر کیوں بیٹھ گئے؟

دیدہ و دل فرش راہ کرنے کی خاطر

ایزد اس کے حسین سراپا کو آنکھوں میں بساتے ہوئے ہولے سے مسکرایا

وہ تو لیٹ کر بھی ہو سکتے ہیں

گیتی نے اسے کندھوں سے تھام کر دوبارہ بستر پر لٹا دیا

اگر مجھے آرام کرانا چاہتی ہو تو پھر یہاں میرے سرہانے آ بیٹھو

یخنی پی تھی؟

یخنی ۔۔۔۔۔۔؟ وہ اسے ہی دیکھنے میں محو تھا

ہاں ۔۔۔۔۔۔رفیقا نہیں لایا تھا ۔۔۔۔۔۔؟

تم رفیقے کو جانتی ہو؟ ایزد متحیر سا رہ گیا۔

گیتی مسکرا دی ۔۔۔۔۔۔۔ یہ راز رہ تو سکتا نہیں تھا۔ پھر جھوٹ بولنے یا چھپانے سے فائدہ۔۔۔۔۔۔؟

ہاں۔۔۔۔۔۔

کیسے۔۔۔۔۔۔؟

آپ کے سیٹھ امان میرے باوا جان ہیں

کیا۔۔۔۔۔۔؟ اور یہ انکشاف اتنا عجیب، اتنا حیرت انگیز تھا۔ کہ ایزد اٹھ کر بیٹھ گیا

کیا کہہ رہی ہو؟ اس نے گیتی کے ہاتھ تقریباً جھنجھوڑ ڈالے

سیٹھ امان میرے ہی والد ہیں

بالکل سگے؟

گیتی زور سے ہنس دی

تم نے تو مجھے کبھی نہیں بتایا۔ سینکڑوں بار ہم مل چکے ہیں

آپ نے بھی تو کبھی نہیں بتایا تھا کہ آپ یہاں رہتے ہیں اور سیٹھ امان کی مل کے مینجر ہیں۔۔۔۔۔۔

اوہ! اتنے قریب ہو کر بھی ہم ایک دوسرے سے اتنے دور رہے ایزد جیسے تقدیر سے شکوہ کرنے لگا۔

کئی کئی دن تمہاری ایک جھلک دیکھنے کو ترسا ہوں، تڑپا ہوں۔ کیسی اپنی قسمت ہے

پھر حیراسا ہو کر بڑبڑایا

مگر سحر تو جانتی تھی۔ مجھے بھی، تمہیں بھی، پھر بھلا اس نے ہم دونوں سے ہی کیوں یہ چھپائے رکھا، کیوں؟

ایزد پریشان ہو رہا تھا مگر گیتی تو سب کچھ جانتی تھی۔ ایزد کو کندھوں سے تھام کر پھر

بستر پر لٹا دیا۔

یہ تندرست ہو کر سوچے گا

تندرست تو میں اب ہو بھی گیا

گیتی سامنے تھی۔ گیتی دل میں تھی۔ گیتی دماغ میں تھی۔ کوئی اور سوچ، کوئی اور پریشانی کب تک رہ سکتی تھی۔ جھٹ سے مسکرا دیا۔

کھاتے پیتے کچھ نہیں۔ تندرست کیسے ہو سکتے ہیں؟

تمہیں دیکھ کر ہی ہو گیا۔ دیکھ لو

ایزد نے بازو اس کی طرف بڑھایا

خود نبض دیکھ لو

دیکھی ہوئی ہے گیتی مسکراتے ہوئے ہولے سے بولی

پہلے اٹھ کر یہ دوا پی لیجئے

وہ پیالی میں دوا لئے آ گئی

اونہوں۔۔۔۔۔۔!

کیوں؟

تم نے وقت پر دوا پلا کر جلد جلد مجھے صحت مند کر دیا تو پھر یہ تنہائیاں اور تمہاری قربتیں کیسے حاصل ہوں گی۔ میرا نصیب مت بگاڑو، ایسی پیار بھری نگاہ سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا کہ گیتی بری طرح شرما گئی۔

اٹھیے، اٹھیے ورنہ پھر میں آپ کے باس کے آگے شکایت کر دوں گی کہ کام چوری کی وجہ سے خود ہی اچھا نہیں ہونا چاہتے۔

اوہ۔۔۔۔۔۔! ایزد ہنسا

تو اب ہم پر یہ رعب ڈالا جایا کرے گا

آپ ہمارا کہا نہیں مانیں گے تو پھر ایسا ہی ہو گا

پھر اس نے اسے دوا پلائی۔ پھر بظاہر زبردستی مگر باطن بڑے خلوص اور بڑے پیار سے اسے پھل کھلایا۔ اس کے کمرے کی حالت سخت ابتر ہو رہی تھی۔ سب کچھ درست کیا۔

ایز وچپ چاپ لیٹا اسے کمرے میں چلتے پھرتے کام کرتے دیکھ رہا تھا۔ جدھر جاتی ادھر نگاہیں جا ٹکتیں۔ ادھر کروٹ بدل لیتا۔ ادھر گردن موڑ لیتا۔

غرض نگاہوں سے ایک لمحے کی کوتاہی نہ ہوئی۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

عورت کا وجود۔۔۔۔۔۔۔! کائنات کا حسن۔۔۔۔۔۔۔! خلوص و محبت کا پیکر۔۔۔۔۔۔۔! سکون و اطمینان کی دنیا۔۔۔۔۔۔۔!

گو کمرے میں مکمل خاموشی طاری تھی مگر عورت کے وجود کی جو رونق تھی اس سے ساری کائنات مسکرا رہی تھی۔ گنگنا رہی تھی۔

گیتی کی چوڑیوں کی جھنکار ہر موسیقی سے زیادہ مترنم اور دلنواز تھی۔ ابھی چند گھنٹے پہلے وہ اسی کمرے کی تنہائیوں اور ویرانیوں سے الجھ رہا تھا۔ اسے سب کچھ بڑا ناگوار محسوس ہو رہا تھا۔

مگر اب وہی کمرہ تھا۔ وہی وہ تھا۔ مگر ویرانیاں کہیں نہیں تھیں۔ گیتی جب دوپہر کو چلی گئی تھی تب بھی وہ تنہائیاں اسے پریشان نہیں کر سکی تھیں۔ کمرے کی ویرانیاں ہزار خوبصورت سے ہنگاموں سے بھی زیادہ پر بہار لگنے لگی تھیں۔

یہ خدا کا قانون کیسا تھا۔۔۔۔۔۔۔؟ یہ انسان کی فطرت کیسی تھی۔۔۔۔۔۔۔؟

وہ اسے کام کرتے تکے جا رہا تھا اور سوچے جا رہا تھا

ویسے گیت! مجھے بڑی حیرت ہے کہ اتنے امیر باپ کی بیٹی ہو کر بھی تم مزاج کی امیر نہیں ہو۔ کیسے سب کام کر رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔! سلیقے اور مہارت سے

انسان کی امارت ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی

گیتی نے مختصر سا جواب دیا اور پھر کمرے کی آرائش و ترتیب میں مصروف ہو گئی۔

آپ کا کمرہ ایک کباڑی کی دکان لگ رہا ہے

گیتی۔۔۔۔۔۔شرارت سے مسکرائی

بیماری کے دنوں میں ہو گیا۔ورنہ میں نے خود اپنے ہاتھ سے کچھ کرنے میں کبھی عار محسوس نہیں کی۔سب کچھ کر لیتا ہوں۔

ایزد نے جواب دیا۔پھر یکدم اسے احساس ہوا۔وہ جب سے آئی تھی اس کے پاس بیٹھی ہی نہیں تھی۔اور ابھی اس نے واپس بھی چلے جانا تھا۔سیٹھ صاحب کے آنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

گیت!تم میرے پاس کیا کرنے آئی ہو؟

قدرے الجھ کر بولا

یہی سب کچھ جو کر رہی ہوں

گیتی نے اطمینان سے جواب دیا

تو پھر مت آیا کرو یہاں وہ یکدم تیز ہو گیا۔

گیتی متحیر سی ہو کر میز پوش میز پر بچھانے کی بجائے ایسے ہی پھینک کر اس کے پاس چلی آئی۔

وہ اتنے دنوں سے بیمار تھا۔اور مریض ہو کر انسان اکثر چڑچڑا ہو ہی جاتا ہے۔بڑی محبت سے گیتی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔کیا ہوا؟

کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔ایزد نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا

تم جاؤ۔۔۔۔۔۔کمرے کی صفائی کرو۔۔۔۔۔۔۔میں اپنے کام کل جمعدارنی سے کرا لوں گا۔

اوہ!گیتی کو ہنسی آ گئی اس پر پیار آ گیا پھر وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی

نہیں اب اور کچھ نہیں کروں گی انتہائی نرمی سے بولی

آپ خفا نہ ہوں

پہلے ہی سوچ لینا تھا

ایزد جلدی سے من بھی گیا۔کھسک کر اس کے قریب ہوتے ہوئے مسکرایا۔

تم کافی ذہین لڑکی ہو

اور آپ کافی ہنگامہ پسند

ہاں! ایزد اس کی لٹ کھینچ کر ہنس پڑا

تیمارداری کے اصول تمہیں بھی ذہن میں رکھنا چاہئیں نا۔ یہ کیا ہوا۔ مریض اکیلا پڑا سڑ رہا ہے اور تیماردار کمرے کو اور دوسری چیزوں کو سجا بنا رہا ہے۔

گیتی کے رخساروں پر گلاب کھلتے رہے اور وہ ہنستی رہی

پھر۔۔۔۔۔۔آخر مریض تیماردار سے چاہتا کیا ہے؟

اس کا سر دباؤ

گیتی کے سرخ سرخ ہونٹوں کو انگلی سے چھوا

اس سے ڈھیر ساری میٹھی میٹھی باتیں کرو

سر کو بہت درد ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔؟ گڑبڑا کر پھر بے حد شرما کر پوچھنے لگی نہیں

پھر۔۔۔۔۔۔؟

صرف سکون کے لیے

گیتی نے شرما کر، گھبرا کر جلدی سے اس کا سر دبانا شروع کر دیا سکون آ رہا ہے؟

ان ملائم ملائم ہاتھوں سے نہ آئے گا تو اور کن سے آئے گا۔ ایزد نے وارفتگی سے اس کے ہاتھ تھام لئے

یہ۔۔۔۔۔۔یہ تو میرے لئے۔۔۔۔۔۔اوہ کیا کہوں؟

ایزد اٹھ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا

کچھ نہ کہئے

گیتی سرخ ہو کر رہ گئی

آپ آرام سے لیٹ جائیے نا ۔۔۔۔۔۔۔اور ۔۔۔۔۔۔۔

گیتی نے جلدی سے کوئی اور موضوع تلاش کرنا چاہا۔

کیسی عجیب سی بات تھی ۔۔۔۔۔۔۔!وہ اس کے پاس آنے کے لیے بے چین بھی رہتی تھی ۔اس کی ایسی باتیں سننے کو کان بے تاب بھی رہتے تھے ۔مگر جانے کیا ہو جاتا تھا؟

یہاں آکر لرزنے کانپنے بھی لگ جاتی تھی ۔اس کا من چاہا موضوع ایزد چھیڑتا تھا تو وہ لجا کر بدلنے کی کوشش بھی شروع کر دیتی تھی۔

گیتی نے جلدی سے اسی طرح اس کا سر پھر گھٹنوں پر ٹکا لیا۔اور ہاتھ پیشانی پر رکھتے ہوئے اپنی دانست میں بات بدلی۔

آپ کی دوسری فرمائش ہے میٹھی میٹھی باتیں کروں

ہاں میٹھی میٹھی باتیں

وہ کیسی ہوتی ہیں؟

پیار کی ۔۔۔۔۔۔محبت کی ۔۔۔۔۔۔آئندہ زندگی کی

جی ۔۔۔۔۔۔جی گیتی پھر گلنار ہو کر رہ گئی ۔یہ تو پھر وہی ۔۔۔۔۔۔موضوع چل نکلا تھا۔

آئندہ زندگی کی وہ ہکلانے لگی ۔۔۔۔۔۔۔وہ کیا؟

یہی ۔۔۔۔۔۔ایزد کی آنکھوں میں شوخ ستارے ناچ اٹھے

کہ شادی کے بعد ہم ہنی مون منانے کہاں جائیں گے؟

اوی ۔۔۔۔۔۔! گیتی کو توقع ہی نہیں تھی کہ ایزد ایسا شریر ہو جائے گا

شرم سے اس کا برا حال ہو گیا۔گھبرا کر اس نے ایزد کا سر تکیے پر دے مارا اور بھاگ کر کمرے سے باہر نکل گئی

گیت ۔۔۔۔۔۔!سنو تو گیت ۔۔۔۔۔۔!!

ایز و پیچھے سے آوازیں ہی دیتا رہا۔مگر وہ اب اس ہنی مون کے لفظ کے بعد اس سے نظر ملانے کی خود میں ہمت نہ رکھتی تھی۔

☆

سانس بہت تیز تیز چل رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔چہرہ لال انگارہ بن کر دہک رہا تھا۔۔۔۔۔۔کانوں کی لویں تپش دے رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ہونٹوں پر آپ ہی آپ تبسم کی بجلیاں تڑپ رہی تھیں اور آنکھیں۔۔۔۔۔۔۔وہاں تو جیسے دیوالی کی رات تھی۔۔۔۔۔۔کئی دیپ جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔

پورے وجود میں ایک مدھر سی لڑکھڑاہٹ تھی جیسے کوئی نشے کا عادی نہ ہو مگر بھولے سے ایک آدھ جام چڑھا بیٹھے۔۔۔۔۔۔ایسی عجیب سی کیفیت اس کی ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔

محترمہ گیتی امان صاحبہ! کہاں سے تشریف لا رہی ہیں۔۔۔۔۔۔؟

ابھی اس نے کمرے میں قدم نہیں رکھا تھا کہ سحر کی آواز کان میں اتری۔۔۔۔۔۔وہ وہیں ٹھٹک گئی۔۔۔۔۔۔

اچھا ہوا جو سحر اس کے قدموں کی صرف چاپ سن کر ہی بول پڑی تھی اور اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اندر موجود تھی۔۔۔۔۔۔

ورنہ۔۔۔۔۔۔گیتی نے تو اسی عالم میں جا دھڑام سے پلنگ پر گرنا تھا۔۔۔۔۔۔عین سحر کے اوپر۔۔۔۔۔۔پھر اس کی حالت نے سحر پر سب کچھ واضح کر دینا تھا۔۔۔۔۔۔اور وہ ابھی اسے کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔

مبادا وہ بانو سے بات کر دے۔۔۔۔۔۔اور پھر گیتی ایزد کے پاس جا نہ سکے۔ حقیقت حال سے باخبر ہونے کے بعد گو پھر بھی کسی نے اس پر کوئی پابندی تو نہیں لگا دینا تھی مگر خود اسے تو پھر شرم آنا ہی تھی۔۔۔۔۔۔اس نے تو جھجکنا ہی تھا کہ نئے زمانے کی ہو کر بھی وہ ایک مشرقی لڑکی تھی۔۔۔۔۔۔

یوں دوسروں کی لاعلمی میں وہ جتنے دن اس کے پاس جا سکتی تھی یہ اس کا اپنا نصیب! یہ تمہیں یکدم سانپ کیوں سونگھ گیا۔۔۔۔۔۔؟

سحر کی آواز پھر کان میں پڑی ۔۔۔۔۔۔

گیتی کی زبان اب بھی خاموش رہی ۔۔۔۔۔۔ مگر وہ جلد جلد سانسوں کو ہموار کر رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ چہرے کو خواہ مخواہ ہی رگڑ رگڑ کر پونچھ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ حالانکہ لگا کچھ بھی نہیں ہوا تھا ۔۔۔۔۔۔ بالوں پر ہاتھ پھیر پھیر کر سنوار رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ وہ بکھرے بھی نہیں ہوئے تھے ۔

اور ساتھ ساتھ بڑی تیزی سے سوچ رہی تھی کہ سحر کو کیا بتائے کہ کہاں گئی تھی ۔۔۔۔۔۔؟ پھر یکدم دل بڑی تیزی سے دھڑک اٹھا ۔۔۔۔۔۔ کیا پتہ اسے کمرے میں نہ پا کر امی سے پوچھ بیٹھی ہو ۔۔۔۔۔۔

میں کیا پوچھ رہی ہوں ۔۔۔۔۔۔؟

اب سحر کا لہجہ تحکمانہ تھا ۔۔۔۔۔۔ افسرانہ تھا ۔۔۔۔۔۔ بڑے رعب سے پوچھ رہی تھی گیتی خود کو سنبھال کر بڑے نپے تلے قدم اٹھاتی کمرے میں داخل ہو گئی ۔۔۔۔۔۔

مجھے کوئی کام نہیں ہوتا ۔۔۔۔۔۔؟

اور وہ اس کے پاس جا بیٹھی ۔۔۔۔۔۔

تو اب کیا کام کر کے آئی ہو ۔۔۔۔۔۔؟

سحر نے سرسری سی نگاہ سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا ۔۔۔۔۔۔

امی نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے وہی کر کے آئی ہوں ۔۔۔۔۔۔

گیتی نے بڑی چالاکی سے جواب دیا

میں ابھی ان کے پاس گئی ہی نہیں ۔۔۔۔۔۔ سیدھی ادھر ہی آ گئی ۔۔۔۔۔۔

کب کی آئی ہو ۔۔۔۔۔۔؟ گیتی نے اطمینان کا سانس لے ۔۔۔۔۔۔

ابھی ابھی ۔۔۔۔۔۔

تو پھر مجھ پر رعب کیوں جھاڑ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔؟

اب گیتی بھی دلیر ہو گئی۔۔۔۔۔۔

بس ایسے ہی۔۔۔۔۔۔۔من کی موج۔۔۔۔۔۔۔

سحر بے پرواہی سے بولی۔۔۔۔۔۔اور گیتی کا دل چاہا اس کا گلا ہی گھونٹ ڈالے۔۔۔۔۔۔کیسے اس کو ڈرا دیا تھا۔۔۔۔۔۔؟

چائے پیو گی۔۔۔۔۔۔؟موضوع بدلنے کی خاطر وہ نرم اور مصالحانہ انداز میں بولی نہیں۔۔۔۔۔۔

نہیں۔۔۔۔۔۔؟ گیتی حیرت سے چلا سی پڑی۔۔۔۔۔۔چائے سے تو سحر نے کبھی انکار نہیں کیا تھا۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔بس آج کل طبیعت کچھ اچاٹ سی ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔

کیوں۔۔۔۔۔۔؟

پانچ چھ دن ہو گئے۔۔۔۔۔۔میرا بھائی ملا نہیں تو دل اداس ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔

سحر بڑی افسردہ سی آواز میں بولی۔۔۔۔۔۔

کونسا بھائی۔۔۔۔۔۔؟ گیتی کو خیال ہی نہ رہا۔۔۔۔۔۔

ایک ہی تو ہے۔۔۔۔۔۔تمہیں جیسے پتہ ہی نہیں۔۔۔۔۔۔

سحر تو خواہ مخواہ الجھی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔گیتی مسکرا پڑی۔

مگر تم بھڑوں کا چھتہ بن کر مجھ سے کیوں لپٹ رہی ہو۔۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔۔! سحر خفیف سی ہو گئی۔۔۔۔۔۔پھر یکدم بڑے جذبے کے ساتھ بول پڑی۔۔۔۔۔۔

سچی! ایک دن بھی ایزد بھائی نہ آئیں تو گھر میں بڑی بے رونقی سی ہو جاتی ہے۔

اور پھر وہ ہمیشہ کی طرح اندر کی، گھر کی ہر بات گیتی کے کانوں میں انڈیلنے

لگی ------

ممی ڈیڈی کو بھی ان کے ساتھ اتنا پیار ہو گیا ہے کہ وہ بھی اتنے دنوں کی ان کی غیر حاضری سے ہی اداس ہو گئے ہیں۔

اور اب جیسے سحر گیتی سے بھی مخاطب نہ تھی ------ چھت کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور منہ سے الفاظ نکلتے جا رہے تھے ------

ان کے دفتر بھی کئی بار فون کیا ہے ------ وہاں بھی نہیں ملے ------ البتہ وہاں سے اتنا معلوم ہوا ہے کہ بیمار ہیں ------

پھر تم ان کی عیادت کو نہیں گئیں ------؟

گیتی اس کی پوزیشن کو جانتے سمجھتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھنے لگی ------ سحر کو چھیڑنے ستانے میں بہت مزہ آ رہا تھا ------

کیسے جاتی ------؟ سحر اسی بے خیالی میں بڑبڑائی ------

کیوں ------؟

گیتی کی کیوں سے سحر کو ہوش آ گیا ------ یکدم گڑبڑا کر سنبھل گئی ------ **اس کی مخاطب تو گیتی تھی** ------ اور گیتی سے سب کچھ راز میں رکھنا تھا ------ جلدی سے بات بدل کر بولی ------

تین چار دوستوں نے مل کر ایک کوٹھی کرائے پر لی ہوئی ہے ------ اتنے ڈھیر سارے آدمیوں میں کیسے جاتی ------؟

اتنا پیارا بھائی اور ------

[illegible]

۔۔۔۔۔۔نافرمانی کر کے چلی بھی جاتی تو انہوں نے غصے میں آجانا تھا اور پھر یوں ان کی بیماری اور بڑھتی۔۔۔۔۔۔

یہ لمبی چوڑی بات کر کے سحر نے اطمینان کا سانس لیا۔۔۔۔۔۔اپنی دانست میں اس نے بڑی خوبصورت بات بنا لی تھی اور گیتی کو تسلی بخش جواب دے لیا تھا۔۔۔۔۔۔

گیتی نے بڑی مشکل سے لبوں پر مچل مچل آنے والی مسکراہٹ کو ضبط کیا۔۔۔۔۔۔اب تم میری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتیں سحر رانی! اب۔۔۔۔۔۔اب ہماری باری ہے۔۔۔۔۔۔

اور پھر۔۔۔۔۔۔جانے کیا ہوا۔۔۔۔۔۔؟ سحر کچھ سوچتے سوچتے یکدم اٹھ کر بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔

یہ تم نے اپنی اتنی سج دھج کیوں نکالی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔کہیں جانے والی تھیں یا کہیں سے آ رہی ہو۔۔۔۔۔۔؟؟

سحر بہت گھور گھور کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔بڑے مشکوک اور معنی خیز انداز میں۔۔۔۔۔۔!

گیتی پہلے چونکی۔۔۔۔۔۔سٹپٹائی۔۔۔۔۔۔رخساروں پر سرخ سا رنگ دوڑ اٹھا۔۔۔۔۔۔پھر سنبھلی۔۔۔۔۔۔

کیا یہ ضروری ہے کہ کہیں آ جانے کی خاطر ہی انسان اپنی سج دھج نکالے۔۔۔۔۔۔گیتی نے بروقت سنبھل کر بڑی ہوشیاری سے اس کی بات کا جواب دے دیا۔۔۔۔۔۔کبھی کبھار اپنے لیے بھی سج دھج نکال لینے میں کیا حرج ہے۔۔۔۔۔۔؟

ہوں۔۔۔۔۔۔سحر پھر پلنگ پر دراز ہو کر سوچوں میں کھو گئی۔۔۔۔۔۔

گیتی پاس بیٹھی، لٹکی ٹانگوں کو جھلا جھلا کر اسے دیکھے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔کتنی

ہی دیر کمرے میں خاموشی کا راج رہا۔۔۔۔۔۔ آخر گیتی نے بھی خاموشیوں کو وہاں سے بھگایا۔۔۔۔۔۔ تم چائے بھی نہیں پی رہیں اور مجھ سے باتیں بھی نہیں کر رہیں۔۔۔۔۔۔ پھر یہاں آئی کس لیے ہو۔۔۔۔۔۔؟

جانے کیوں آج سحر سے باتیں کرنے میں اسے بڑا مزہ آ رہا تھا۔۔۔۔۔۔

چلی جاؤں۔۔۔۔۔۔؟ سحر تو اس سے ہی الجھی جا رہی تھی

اری خدا کی بندی! میں نے یہ کب کہا کہ چلی جاؤ۔۔۔۔۔۔

گیتی بڑی محظوظ ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔ اس نے اپنا لہجہ نرم ہی رکھا۔۔۔۔۔۔ پوچھ تو رہی ہو کہ کس لئے آئی ہوں۔۔۔۔۔۔ اور کام مجھے کوئی بھی نہیں۔۔۔۔۔۔ سحر کا وہی تیکھا اور الجھا الجھا سا انداز تھا۔۔۔۔۔۔

پہلے بھی تمہیں کام تو کوئی نہیں ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔ مجھ سے گپ لڑانے ہی آیا کرتی تھیں نا۔۔۔۔۔۔؟ گیتی نے اپنے اسی مصالحانہ انداز کو برقرار رکھا۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔

تو بس پھر گپ لڑاؤ۔۔۔۔۔۔

ہوں۔۔۔۔۔۔؟ گپ۔۔۔۔۔۔؟ سحر نے لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا۔۔۔۔۔۔ پھر جانے کیا اس کے خیال میں آیا۔۔۔۔۔۔ ایکدم پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔

تیرے مینجر کا کیا حال ہے۔۔۔۔۔۔؟

مجھے کیا پتہ۔۔۔۔۔۔؟

سحر تو مینجر کے متعلق پوچھ رہی تھی ------- اور اس کا نام پر اسے شرمانا نہیں تھا ------- خود کو سنبھال کر جلدی سے بولی -------

باوا جان سے سنا ہے کہ وہ بھی بیمار ہے -------

ارے کیا ہوا -------؟ سحر تجسس بھرے انداز میں پوچھنے لگی -------

ایزد کے متعلق وہ جاننا تو چاہتی تھی کہ اسے کیا ہوا تھا ------- چلو یونہی سہی ------- اسی طرح معلومات فراہم ہو جائیں -------

کوئی بخار وخار تھا شاید -------

سمجھ گیتی بھی سب کچھ رہی تھی ------- بڑی مشکل سے لاتعلقی کا انداز اختیار کیا ------- بے چارا اکیلا ہی ہوتا ہوگا -------؟ سحر نے پھر پوچھا -------

شاید -------

ڈاکٹر کو بھی دکھایا یا نہیں -------؟

پچھلے دنوں باوا جان روز کا ایک ڈاکٹر لاتے تو رہے ہیں -------

اچھا ------- سحر نے جیسے اطمینان کا سانس لیا -------

لیکن تم اس کے لیے کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو -------؟

ایسے ہی خیال آ گیا تھا ------- ایزد بھائی بے چارے بھی تو اکیلے ہی ہوتے ہیں لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تین چار دوستوں نے مل کر کوٹھی لے رکھی ہے -------؟ گیتی کو دل ہی دل میں بڑی سخت ہنسی آ رہی تھی -------

اوہ -------! سحر چونکی ------- اندر ہی اندر جھنجھلائی -------

سچ ہی تو ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ------- وہ غلطیاں کیے جا رہی تھی ------- گھبرا کر اپنی غلطی کو سمیٹنے کی کوشش کرنے لگی -------

اپنوں کی بات اور ہوتی ہے ------- دوسرے دو تین چھوڑ ہزار لاکھ ارد گرد

ہوں

اپنی دانست میں بڑی پتے کی بات کہہ کر اس نے اپنی غلطی سمیٹ لی تھی۔۔۔۔۔۔گیتی نے لبوں پر بکھرنے کو مچل مچل پڑنے والے مسکراہٹ کو ہونٹوں ہی میں دبالیا

گیتی۔۔۔۔۔۔! قدرے توقف بعد سحر سوچوں میں کھوئی کھوئی سی بولی

۔۔۔۔۔۔

میرا جی چاہتا ہے کہ آج تو ضرور ہی تمہارے مینجر کے پاس جاؤں۔۔۔۔۔۔

بیمار کی عیادت کرنا انسانی فرض ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔

انسانی فرض تو ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔لیکن جو بیگانہ ہو۔۔۔۔۔۔بالکل اجنبی ہو۔۔۔۔۔۔؟

وہ بیگانہ ہے۔۔۔۔۔۔؟ اجنبی ہے۔۔۔۔۔۔؟؟

سحر یکدم ہی بگڑ اٹھی۔۔۔۔۔۔

تمہاری مل میں ملازم ہے۔۔۔۔۔۔تمہارے باپ کی ساری ذمہ داری اس نے سنبھالی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔**تمہارے لاکھوں کے نقصان کو اس نے لاکھوں کے فائدے میں بدل دیا ہے**۔۔۔۔۔۔تقریباً تمہارے گھر میں ہی وہ رہتا ہے۔۔۔۔۔۔تمہارے چولہے سے اس کا کھانا پکتا ہے۔۔۔۔۔۔**وہ اجنبی ہے**۔۔۔۔۔۔؟

یہ سارے فرائض مجھی پر عائد ہوتے ہیں نا۔۔۔۔۔۔تم اتنی گرم کیوں ہو رہی ہو۔۔۔۔۔۔؟ تمہارے لیے تو وہ بالکل اجنبی ہے نا۔۔۔۔۔۔

گیتی بڑی نرمی سے بولی

میرے لیے ۔۔۔۔۔۔ میرے لیے۔۔۔۔۔۔ اوہ ۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔

سحر یکدم دھیمی پڑ گئی ------ٹھیک ہی تو گیتی کہہ رہی تھی ------ پتہ نہیں آج وہ کیوں اتنی بیوقوف ہو گئی تھی ------ پہلے تو ایسی نہ تھی ------

پھر ------؟ کیا کرے ------ جو بات کسی طرح بن ہی نہیں رہی تھی ------اور آج گھر سے پکا ارادہ کر کے چلی تھی کہ ایزد بھائی سے ملنے کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکالے گی ------ضرور ------

بہت سوچ کر آخر پھر بولی ------

تو آؤ تمہارے ساتھ چل کر تمہارا فرض نبھا آؤں ------

آخر میں اس نے یوں ہتھیار ڈال دیئے تھے ------گیتی کو اس پر ترس آ گیا ------پچھلے سارے بدلے اتر چکے تھے ------اتنا تنگ کر لیا تھا اسے ------

اور اب ------**گیتی کے دل میں اس کی پریشانی کا احساس تھا**------محبت کا جذبہ کسی بھی روپ میں ہو------محبت اور محبوب کے ------ماں بیٹے کے ------بہن بھائی کے ------ ہر روپ میں، ہر انداز میں وہ سینے کے اندر ایک ہی قسم کی تڑپ اور بے چینی بھر دیتا ہے ------

جس طرح خود گیتی اس کی جدائی میں بے چین ہو گئی تھی اسی طرح سحر بھی بھائی کی محبت میں بے قرار ہو سکتی تھی ------تکلیف تو ہر انسان کو ایک سی ہوتی ہے ------

تو آؤ پھر ------ آج تمہاری یہ دیرینہ حسرت بھی پوری کر دوں ------

سچ مچ ------؟ چلو گی ------؟ سحر خوشی سے بے قابو ہو

اٹھی۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔گیتی تیار تھی۔۔۔۔۔۔گیتی رضامند تھی۔۔۔۔۔۔

لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچ کر سحر ہولے سے بولی۔۔۔۔۔۔

پہلے ایک وعدہ کرو۔۔۔۔۔۔

کیا۔۔۔۔۔۔؟

مینجر کی عیادت کر کے واپس آئیں گی تو تم مجھے کچھ نہیں کہو گی۔۔۔۔۔۔

اتنی دیر سے آئی بیٹھی ہو۔۔۔۔۔۔میں نے کچھ کہا بھی ہے۔۔۔۔۔۔؟؟

گیتی کی یکدم ہنسی چھوٹ پڑی۔۔۔۔۔۔

اچھا۔۔۔۔۔۔!!

اس کے انداز سے سحر معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی۔۔۔۔۔۔

تو یہ بات ہے۔۔۔۔۔۔سحر نے گیتی کو بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔۔۔۔۔۔مجھ سے چھپایا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔تبھی میں کہوں یہ اس کے انداز کیوں بدلے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔یہ آنکھوں کی چمک۔۔۔۔۔۔یہ ہونٹوں کی مسکراہٹیں۔۔۔۔۔۔بات بے بات رخساروں پر چھوٹتے یہ انار۔۔۔۔۔۔یہ بنا سنورا وجود۔۔۔۔۔۔

ہائے چھوڑ بھی۔۔۔۔۔۔گیتی کسمسائی۔۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔پھر سحر نے وفور جوش میں اسے بے تحاشا پیٹ ڈالا۔۔۔۔۔۔

اور پھر مجھے اتنا ستایا۔۔۔۔۔۔اتنا تنگ کیا۔۔۔۔۔۔ہنس ہنس کر میری بے بسی کا تماشا دیکھا۔۔۔۔۔۔تمہیں کیا پتہ وہاں ہم سب کتنے پریشان تھے۔۔۔۔۔۔اور یہاں یہ رانی صاحبہ میرے بھائی پر غاصبانہ قبضہ جمائے بیٹھی تھیں۔۔۔۔۔۔

سحر نے مزید کچھ پوچھا ہی نہیں ۔۔۔۔۔۔گیتی کو جھنجھوڑ جھنجھاڑ پلنگ پر پٹخا اور خود اٹھ بھاگی ۔۔۔۔۔۔جوتا بھی نہیں پہنا ۔۔۔۔۔۔۔

سحر! ٹھہر تو جا ۔۔۔۔۔۔۔

گیتی نے لپک کر پیچھے سے اسے بازوؤں میں بھر لیا ۔۔۔۔۔۔

پاگل ہوئی ہو ۔۔۔۔۔۔یہ تمہارا گھر نہیں ہے جو یوں سر جھاڑ منہ پہاڑ بھاگی جا رہی ہو ۔۔۔۔۔۔

کیا مطلب ۔۔۔۔۔۔؟ سحر غرائی ۔۔۔۔۔۔

باوا جان اور امی کو اس کا کوئی علم نہیں کہ مینجر کی تمہارے گھر میں کیا حیثیت ہے

ارے ہاں ۔۔۔۔۔۔سحر وہیں ٹھٹک گئی ۔۔۔۔۔۔

میرا اتنا دل چاہ رہا تھا ایزد بھائی سے ملنے کو ۔۔۔۔۔۔

سحر روہانسی ہوئی سی آواز میں بولی ۔۔۔۔۔۔

وہ اتنے بیمار ہیں ۔۔۔۔۔۔پی گیتی! تمہیں کیسے بتاؤں کہ مجھے وہ کتنے پیارے ہیں ۔۔۔۔۔۔میرا کوئی حقیقی بھائی ہوتا تو شاید اس سے بھی مجھے اتنا پیار نہ ہوتا ۔۔۔۔۔۔

گیتی نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کی بھیگی آنکھیں پونچھیں، پھر تسلی دیتے ہوئے کہنے لگی ۔۔۔۔۔۔

خود وہ بھی تم سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہیں ۔۔۔۔۔۔

تو پھر مجھے جانے دو نا ۔۔۔۔۔۔

ٹھہر جاؤ ۔۔۔۔۔۔پتہ کر لوں ۔۔۔۔۔۔کہیں ان کے پاس باوا جان نہ ہوں ۔۔۔۔۔۔اگر ہوئے ۔۔۔۔۔۔؟ سحر بے قراری سے بولی ۔۔۔۔۔۔

تو پھر کل کا انتظار کرنا پڑے گا ۔۔۔۔۔۔باوا جان سارا دن مل میں ہوتے ہیں

------اور خالہ جان اپنی یار دوست ہیں------

سحر ہنس پڑی------

ہاں------ لیکن------ گیتی جھینپ کر ہولے سے بولی------

ابھی امی کو بھی کسی بات کا علم نہیں------وہ تو آج ہی صبح امی نے باوا جان کے کہنے پر مجھے ادھر بھیج دیا تھا------وہی تمہارے والے دلائل دے کر کہ بیمار کی عیادت کرنا انسانی فرض ہے------اور یہ ہے------اور وہ ہے------تب میں چلی گئی------

پھر------؟ سحر نے اشتیاق بھرے تجسس سے پوچھا------

پھر------گیتی نے جھکی ہوئی نگاہیں اٹھائیں------

سحر اس کے شرم و حیا میں ڈوبے سرخ سرخ چہرے کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی------

کچھ نہیں------ کچھ بھی تو نہیں------ گیتی جلدی جلدی بولی------

منیجر کی بجائے وہ ایزد نکل آئے------میں نے حال احوال پوچھا اور چلی آئی------بس------؟

بس------

گیتی کی گڑبڑاہٹ پر سحر زور سے قہقہہ لگا اٹھی------وہ بری طرح سٹپٹائی ہوئی تھی------

سحر ہنسے جا رہی تھی------ ہنسے ہی جا رہی تھی------

گیتی جھنجھلا اٹھی------خفت مٹانے کو اور کچھ نہ سوجھا------دھکا دے کر سحر کو پلنگ پر پھینک دیا------

یہاں مر کر ہنسو۔۔۔۔۔۔اور اب میں تمہارے ساتھ ان کے کمرے میں بھی نہیں جاؤں گی

نہ جاؤ۔۔۔۔۔۔سحر بے پرواہی سے بولی۔۔۔۔۔۔

تمہیں ہی کسی کا ڈر خوف ہو گا۔۔۔۔۔۔تمہارے دل میں کھوٹ جو ہے ۔۔۔۔۔۔اور میں اس کی بہن ہوں بہن۔۔۔۔۔۔سب کے سامنے جاؤنگی۔۔۔۔۔۔ بے شک سیٹھ امان کیا ان کا باپ بھی وہاں موجود ہو۔۔۔۔۔۔

سحر گیتی کا منہ چڑاتی ہوئی اٹھ کر بھاگ گئی۔۔۔۔۔۔

☆

قدموں کی ہلکی چاپ پر ایزد نے تڑپ کر سر اٹھایا۔۔۔۔۔۔۔ جانتا تھا کہ یہ چاپ اسی کی تھی اور اسی کا منتظر بھی تھا مگر پھر بھی۔۔۔۔۔۔۔ وہ سامنے آئی ۔۔۔۔۔ اس کا حسین سراپا آنکھوں میں اترا تو دل دھک کر اٹھا۔۔۔۔۔

کل سے گیتی کیا ملی تھی بخار و غار بیماری سیماری جیسے سب کچھ ہی یکدم رفع ہو گیا تھا اور اب وہ بالکل صحت مند تھا۔۔۔۔۔۔ احساس کچھ ایسا ہی تھا۔۔۔۔۔۔۔

جلدی سے اٹھ کر اس کی طرف لپکا۔۔۔۔۔۔ دونوں ہاتھوں میں ناشتے کی سینی تھامے وہ سنبھل سنبھل کر چلی آ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ اسے اپنی طرف لپکتے دیکھ کر وہیں رک گئی اور عجلت میں بولی۔۔۔۔۔۔

ہائے ہائے! آپ لیٹے رہیے۔۔۔۔۔۔۔ آپ کیوں اٹھ آئے۔۔۔۔۔۔؟

ایزد نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔۔۔۔۔۔

صبح سے کہاں تھیں۔۔۔۔۔۔؟

بڑھ کر اس کی مرمریں حسین پیشانی پر بکھر آنے والی لٹیں سنوارنے اور یوں نگاہیں بھر بھر کر اسے دیکھنے لگا جیسے عرصہ دراز سے بچھڑی ہوئی کوئی محبوب ہستی اچانک سامنے آ جائے۔۔۔۔۔۔

ایسی اس کی بے اختیاری حرکات تھیں اور اس قدر التفات بھرا انداز تھا کہ گیتی گلنار ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔ شرما کر، لجا کر بہت دھیمے لہجے میں بولی

باوا جان چلے جاتے تو آتی نا۔۔۔۔۔۔ یوں بھی اتنی دیر تو نہیں ہوئی۔۔۔۔۔۔ وہ دیکھیے سورج

گیتی نے کھڑکی سے باہر اشارہ کیا۔۔۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔۔! ایزد اپنی بے صبری پر خفیف سا ہو کر مسکرا دیا۔۔۔۔۔۔۔

لیکن سیٹھ صاحب کیا آج اتنی جلدی چلے گئے اور میرا حال پوچھے بغیر ہی ------

اپنی بیٹی کو جو آپ کا حال پوچھنے کے لیے چھوڑ گئے ہیں -------

گیتی شوخی سے مسکراتے ہوئے واپس مڑی ------

اگر ان کی بجائے میرے آنے پر کوئی اعتراض ہے تو پھر میں چلی جاتی ہوں اور انہیں ------

اوہ ------! نہیں نہیں ------

ایزد نے بے اختیار ہو کر اسے بازوؤں میں بھر لیا ------

میرا مطلب یہ کب تھا ------؟

ارے ارے ------! ابھی سب کچھ گرنے لگا تھا ------

تم تو یہ مصیبت کیوں اٹھا لائی ہو ------ اب ہمارے درمیان حائل ہو رہی ہے۔ کیا ناشتہ نہیں کرنا تھا ------؟

بس، تم آ گئی ہو ------ اب ناشتے کی کس کافر کو ضرورت ہے ------؟

اچھا اچھا ------ گیتی بری طرح شرما گئی ------

مجھے راستہ تو دیجیے ------ میرے ہاتھ تھکے جا رہے ہیں ------

اوہو ------! ایزد نادم سا ہو کر پھر مسکرا دیا ------

لاؤ میں اٹھا کر لے چلوں ------

خواہ مخواہ ہی ------ گیتی نے گھور کر اسے دیکھا ------

آپ بہت غلط مریض ہیں ------ **اب آپ پر ذرا سختی کرنا ہی پڑے گی** ------ چلیے جھٹ پٹ اپنے بستر پر ------ فوراً ------

گیتی بڑے بارعب انداز میں بولی ------ مگر ایزد پر اس کا رعب کا کوئی اثر

نہ ہوا۔ کھڑا ہنستا رہا۔۔۔۔۔۔۔

ابھی کل تک اتنا بخار تھا اور آج بد پرہیزی کرنے لگے۔۔۔۔۔۔۔اگر ایسا ہی کریں گے تو پھر میں یہاں نہیں آیا کروں گی۔۔۔۔۔۔۔

توبہ بھی توبہ۔۔۔۔۔۔!

گیتی کی یہاں نہ آنے کی دھمکی بڑی پر اثر تھی۔۔۔۔۔۔۔ایزد نے کانوں کو ہاتھ لگا دیے معافی مانگتا ہوں ڈاکٹرنی صاحبہ۔۔۔۔۔۔!

پھر جا کر جلدی سے آلتی پالتی مار کر بستر پر بیٹھ گیا۔۔۔۔۔۔۔

گیتی نے تپائی کی بجائے اس کے سامنے ہی سینی رکھ دی۔۔۔۔۔۔۔

سفید جالی کے رومال سے ناشتے کی چیزیں ڈھکی ہوئی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ایزد نے بڑے تجسس اور اشتیاق سے جالی ہٹائی۔۔۔۔۔۔۔

دلیہ تھا۔۔۔۔۔۔۔پھلوں کا رس تھا۔۔۔۔۔۔۔فرائی کیے ہوئے انڈے تھے۔۔۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔۔اور بھی جانے کیا کچھ تھا۔۔۔۔۔۔۔

ہر چیز بڑی نفاست اور سلیقے سے رکھی ہوئی تھی اور پیش کرنے کا طریقہ اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔۔۔۔۔۔۔ایزد کا دل جھوم اٹھا۔۔۔۔۔۔۔

اس کے لیے یہ سارا اہتمام گیتی نے کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔اس کی گیت نے خود اپنے ہاتھوں سے اور اس کی خاطر۔۔۔۔۔۔۔ورنہ ناشتہ تو پہلے بھی اس کے لیے آتا تھا۔۔۔۔۔۔۔کتنا فرق تھا کل کے اور آج کے ناشتے میں۔۔۔۔۔۔۔

اتنا چاہتی تھی اس کی گیت اسے۔۔۔۔۔۔۔اس قدر اسے اس سے محبت تھی اور اتنی اس کے دل میں قدر تھی۔۔۔۔۔۔۔

اور آج۔۔۔۔۔۔۔اس لمحے۔۔۔۔۔۔۔اسے اپنی خوش قسمتی پر کوئی شک نہ رہا۔۔۔۔۔۔۔وہ واقعی دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تھا کہ اسے اتنی خوبصورت، اتنی پیاری، ایسی خوش مزاج اور بے حد سگھڑ اور سلیقہ مند لڑکی کی محبت حاصل تھی

عابدی صاحب نے ٹھیک ہی کہا تھا------

وہ سوچ رہا تھا اور گیتی کے معصوم چہرے کی طرف تکے جا رہا تھا------

آپ ناشتہ نہیں کر رہے------؟

گیتی اس کی نگاہوں کی گرمی سے قدرے گھبرا کر اور شرما کر ہولے سے بولی

------کر تو رہا ہوں------

کب------؟

یہ------! ایزد نے شرارت سے چمکتی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں------شریر------!

اپنی خفت مٹانے کے لیے گیتی نے جوس کا گلاس جلدی سے اٹھایا------

اور ایزد کے ہاتھ میں دینے کی بجائے گھبرا کر اس کے ہونٹوں سے ہی لگا دیا------

بس! اب باتیں ختم------پہلے ناشتہ------

الحمدللہ------! ایزد نے مسکراتے ہوئے ایک گھونٹ بھر لیا------

گلاس خود پکڑیئے نا------ گیتی کے رخسار لال انگارہ ہو گئے------

مجھے پتہ ہے اب آپ کو اتنی بھی نقاہت نہیں کہ گلاس بھی نہ تھام سکیں------ ایزد نے اس کے ہاتھ سمیت گلاس کو اپنی گرفت میں لے لیا------

ہائے اللہ------! گیتی لجائی، شرمائی------

ارے------یہ کیا ہو رہا ہے------؟

سحر کی آواز تھی------

دونوں ہی پہلے چونکے اور پھر گھبرا کر دونوں نے ہی اپنا اپنا ہاتھ پرے کھینچ لیا۔۔۔۔۔۔جوس کا گلاس دھپ کر کے دلیے کی رکابی میں گرا۔۔۔۔۔۔اور جوس اور لیے کا مکسچر سینٹر میں پھیل گیا۔۔۔۔۔۔

سحر ہنس ہنس کر دوہری ہونے لگی۔۔۔۔۔۔اور پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگی۔۔۔۔۔۔ایز د ہکا بکا بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔گیتی سر جھکائے کھڑی لرز رہی تھی۔۔۔۔۔۔

بہت دیر ہنسنے کے بعد جب ذرا سحر کی ہنسی تھمی تو سر جھکائے کھڑی گیتی کی طرف دیکھ کر بڑے بارعب لہجے میں بولی۔۔۔۔۔۔

اندھیر خدا کا۔۔۔۔۔۔ ادھر گھر میں سسرال والے آئے بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔۔اور ادھر لڑکی ایک غیر مرد کو لیے بیٹھی اپنے ہاتھ سے ناشتہ کرا رہی ہے۔۔۔۔۔۔آج کل کی لڑکیوں کے دیدوں کا پانی تو بالکل ہی ڈھل گیا ہے۔۔۔۔۔۔

سسرال والے۔۔۔۔۔۔؟

گیتی ابھی کھڑی ملیریے کے مریض کی طرح کپکپا ہی رہی تھی کہ ایزد چونک کر بولا۔۔۔۔۔۔کس کے سسرال والے۔۔۔۔۔۔؟

گیتی کے۔۔۔۔۔۔اور کس کے۔۔۔۔۔۔اس گھر میں ایک ہی تو ہے جس کے سسرال والے آ سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔۔لیکن۔۔۔۔۔۔ایز د ہکلا ہکلا کر اور حیران ہو ہو کر سحر کی طرف دیکھنے لگا۔لیکن سحر!۔۔۔۔۔۔

ہاں ہاں کہیے۔۔۔۔۔۔آپ خاموش کیوں ہو گئے۔۔۔۔۔۔؟

وہ۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔ایزد کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اور کوئی بات کہنا چاہنے کے باوجود منہ سے نکل نہیں رہی تھی۔۔۔۔۔۔

عجیب سی بے بسی سے سحر کو دیکھتے ہوئے دونوں ہاتھ بڑھا کر ناشتے کی سینی پرے دھکیل دی۔۔۔۔۔۔

لے جاؤ یہ۔۔۔۔۔۔۔میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔

اتنی محنت اور محبت سے دونوں نے مل کر جو یہ ملغوبہ تیار کیا ہے۔۔۔۔۔۔کیا اب یہ اس کے سسرال والے بیچارے کھائیں گے۔۔۔۔۔۔؟

سحر زور سے ہنس دی۔۔۔۔۔۔

نہ بابا! آپ خود ہی شوق فرمائیے۔۔۔۔۔۔۔

معاملے کی نزاکت کو سمجھتی نہیں اور ہنستی جا رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔وہ ہنس رہی تھی اور ایزد کو غصہ آئے جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ گیتی کے کوئی سسرال والے بھی ہیں۔۔۔۔۔۔سحر کے بعد وہ گیتی سے الجھ پڑا۔۔۔۔۔۔

اور نہ ہی تم نے گیت۔۔۔۔۔۔۔!بڑے افسوس کی بات ہے۔۔۔۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔۔لیکن۔۔۔۔۔۔گیتی ہکلا ہکلا کر کچھ کہنا چاہ رہی تھی کہ سحر جلدی سے پہلے ہی بول پڑی۔۔۔۔۔۔

بھلا اس میں اس قدر طیش میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔۔۔؟

تم کیسی بہن ہو میری۔۔۔۔۔۔۔جسے کوئی احساس ہی نہیں۔۔۔۔۔۔

یہ آپ مجھ پر کیوں بگڑ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔؟

چلی جاؤ تم دونوں ہی یہاں سے۔۔۔۔۔۔

سینی اٹھا کر سحر فرش پر پٹختے ہوئے وہ غصے میں تقریباً چیخ کر بولا اور کمبل ...

گیتی دم بخود کھڑی تھی ۔۔۔۔۔۔ یہ سحر کیا کہے جا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔؟ ابھی تک تو اس کے کوئی سسرال والے معرض وجود میں نہیں آئے تھے ۔اس کے باواجان اور امی تو ایزد کے ساتھ ہی اس کا رشتہ طے کرنا چاہتے تھے ۔۔۔۔۔۔ پھر یہ سحر نے اچانک آ کر ۔۔۔۔۔۔ آؤ نا ۔۔۔۔۔۔ تم کھڑی کیا سوچ رہی ہو ۔۔۔۔۔۔؟

لیکن ۔۔۔۔۔۔ لیکن سحر! ۔۔۔۔۔۔

گیتی کی نگاہیں کمبل اوڑھے لیٹے ایزد پر ٹکی تھیں اور وہ حیران ہو کر کہہ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ میرے کون سے سسرال والے ۔۔۔۔۔۔؟ میرے تو کوئی بھی نہیں ہیں ۔۔۔۔۔۔ کیوں بد فال منہ سے نکالتی ہو ۔۔۔۔۔۔ سحر مسکرائی ۔۔۔۔۔۔

سلامت رہیں، قائم رہیں تمہارے سسرال والے ۔۔۔۔۔۔ ابھی ابھی تمہاری بات پکی ہوئی ہے ۔۔۔۔۔۔

کب ۔۔۔۔۔۔؟ حیرت کے مارے گیتی ہکلائے جا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔

ابھی ۔۔۔۔۔۔ جب تم ناشتہ لے کر ادھر آ رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔

کیا مطلب ۔۔۔۔۔۔؟

بس اسی وقت تمہارے سسرال والے آئے اور بات پکی ہو گئی ۔۔۔۔۔۔

ساتھ ہی سحر نے دزدیدہ نگاہی سے کمبل اوڑھے لیٹے ایزد کی طرف دیکھا ۔۔۔۔۔۔ پہلے وہ ساکت پڑا تھا ۔۔۔۔۔۔ سحر کی بات شاید سن رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ سن کر غصے کا اظہار کرنے کے لیے کمبل کے اندر ہی اندر کروٹ بدلی ۔۔۔۔۔۔

سحر مسکرا دی ۔۔۔۔۔۔

مگر کون لوگ ہیں وہ ۔۔۔۔۔۔؟

گیتی جیسے سخت الجھن میں پھنسی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔یقین بے یقینی کے عالم میں پوچھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔اور سحر کی گھبراہٹ اور بے چینی کو دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

بے حد شریف لوگ ہیں۔۔۔۔۔۔۔سحر بڑے اعتماد اور یقین سے بولی۔۔۔۔۔۔۔

آخر گیتی مزید صبر نہ کر سکی۔۔۔۔۔۔۔سحر کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔۔۔۔۔۔۔

یہ کیا بکے جا رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔؟ سچ سچ بتاؤ جو کچھ کہہ رہی ہو ٹھیک ہے؟۔۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔۔تمہاری قسم۔۔۔۔۔۔۔!

سحر کے چہرے پر صداقت کا نور تھا۔۔۔۔۔۔۔

کمبل کے اندر پھر کروٹ بدل گئی۔۔۔۔۔۔۔گویا پہلے سے بھی زیادہ غصے کا اظہار۔۔۔۔۔۔۔!

کون لوگ ہیں وہ۔۔۔۔۔۔۔؟

گیتی تجسس کے مارے چلا سی پڑی۔۔۔۔۔۔۔

خدا کے لیے مجھے بتاؤ تو کہی سحر۔۔۔۔۔۔۔!

تمہاری سسرال یہ دیکھو تمہارے سامنے کھڑی ہے۔۔۔۔۔۔۔

سحر نے تن کر بڑے زور سے سینے پر ہاتھ مارا۔۔۔۔۔۔۔

کیا مطلب۔۔۔۔۔۔۔؟

ممی آئی ہیں اور۔۔۔۔۔۔۔

ابھی سحر نے فقرہ بھی مکمل نہیں کیا تھا کہ کمبل پرے پھینک کر ایزد اٹھا اور لپک کر سحر کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبوطلی۔۔۔۔۔۔۔

سچ کہہ رہی ہو۔۔۔۔۔۔؟

ہائے ہائے! گلوبند میری گردن میں چبھ گیا۔۔۔۔۔۔

گلوبند۔۔۔۔۔۔! ایزد نے ہاتھ ہٹائے۔۔۔۔۔۔

یہ کیوں پہنے ہو۔۔۔۔۔۔ کتنی بار میں نے سمجھایا ہے کہ زیورات کا شوق نہ رکھا کرو اپنے ایک ہی ایک بھائی کا اتنے ارمانوں سے رشتہ طے کرنے آئی تھی۔۔۔۔۔۔ سحر بسوری۔۔۔۔۔۔

ارے۔۔۔۔۔۔! یکدم اک بڑی خوبصورت سی مسکراہٹ ایزد کے ہونٹوں پر پھیلی آنکھوں میں عجیب سی چمک لہرائی۔۔۔۔۔۔ سحر کو دونوں کندھوں سے تھام کر سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لینے لگا۔۔۔۔۔۔

اس طرف تو پہلے اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔۔۔۔۔۔ ہمیشہ سادہ لباس پہننے والی سحر بڑے شوخ اور چمکیلے بھڑکیلے لباس اور زیورات میں خوب چمک دمک رہی تھی۔۔۔۔۔۔

ایزد نے عجب انوکھے سے جذبوں سے سرشار ہوتے ہوئے اسے کھینچ کر اس کا سر اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔۔۔۔۔۔

میری پیاری بہن سدا خوش رہو۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔

پھر وہ کنکھیوں سے گیتی کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے مسکرا دیا۔۔۔۔۔۔

جیسے مجھے ایک اچھی سی دلہن تم نے لے دی ہے، اللہ کرے اسی طرح تمہارے نصیب میں بھی۔۔۔۔۔۔

رہنے دیجیے خوشامد۔۔۔۔۔۔ سحر شرما کر، جھینپ کر پرے ہٹ گئی۔۔۔۔۔۔

اور کون کون آیا ہے۔۔۔۔۔۔؟

خوشی و مسرت کے جذبوں سے بے اختیار ہو کر ایزد پوچھنے لگا۔۔۔۔۔۔

ممی، ڈیڈی اور مہرو۔۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔۔!

تیز تیز قدموں کی چاپ پر دونوں نے نگاہ اٹھائی۔۔۔۔۔۔گیتی کے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہاں سے بھاگی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

ٹھہرو گیتی۔۔۔۔۔۔

سحر کی آواز پر گیتی ٹھٹکی۔۔۔۔۔۔جانے سحر نے کیا کہنا تھا۔۔۔۔۔۔کوئی ضروری بات، وہ دروازے میں ہی رک گئی۔۔۔۔۔۔چہرہ اسی طرح ہاتھوں میں چھپائے تھی۔۔۔۔۔۔

سحر نے جلدی سے جھک کر ایزد کی ناشتے والی ٹرے میں سے کچھ اٹھایا۔۔۔۔۔۔ ایزد دیکھ نہ سکا۔۔۔۔۔۔کیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ البتہ۔۔۔۔۔۔ دلچسپی سے اس کی عجلت بھری حرکات ضرور دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔

جانے سے پہلے اپنا رشتہ طے ہونے کی خوشی میں منہ تو میٹھا کرتی جاؤ۔۔۔۔۔۔پلک کے ایک جھپکے میں گیتی سحر کے بازوؤں میں تھی اور دلیے اور جوس کے خوبے کا بھرا ہوا چمچ اس کے منہ میں۔۔۔۔۔۔!

ایزد کے قہقہے بڑے مطمئن تھے۔۔۔۔۔۔

☆

مل سے مال لے جانے والے ایک بہت بڑے بیوپاری کے لڑکے کی شادی تھی۔۔۔۔۔۔ ایزد کا اس شادی میں شامل ہونے کو ذرا جی نہیں چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔مگر سیٹھ امان کے اصرار پر اسے مجبور ہونا ہی پڑا۔۔۔۔۔۔

جب سے اس کی منگنی گیتی سے ہوئی تھی، سیٹھ امان کے رشتہ دار اور ملنے جلنے والے ان کے ہونے والے داماد کی حیثیت سے اسے بھی اپنے ہاں دعوتوں، تقریبوں میں مدعو کرنے لگے تھے۔۔۔۔۔۔

بڑی عجیب سی شادی تھی وہ۔۔۔۔۔۔! یوں لگتا تھا کہ پیسے کی ان لوگوں میں کوئی وقعت ہی نہ تھی۔۔۔۔۔۔ یوں بے دریغ لٹایا گیا تھا۔۔۔۔۔۔کونسی فضول خرچی تھی جو وہاں نہیں ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔

بے شمار لوگ مدعو تھے۔۔۔۔۔۔روشنیاں اور آرائش و زیبائش ضرورت سے بھی کچھ اتنی زیادہ کی گئی تھی کہ خواہ مخواہ ہی دولت کی نمائش کا احساس ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔

سینکڑوں کی تعداد میں دیگیں چڑھی تھیں۔۔۔۔۔۔ضرورت سے کہیں زیادہ انتظام تھا، کھانے پینے کا، اور دل کھول کر ضائع بھی کیا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

عورتوں نے بے حد قیمتی لباس پہن تو رکھے تھے مگر نہ رنگوں کے انتخاب کا ذوق تھا اور نہ پہننے کا ڈھنگ۔۔۔۔۔۔اسی بے ڈھنگے پن سے زیورات کا استعمال بھی کیا گیا تھا جس نے بجائے ان کا حسن نکھارنے سنوارنے کے کچھ اور بدزیب بنا دیا تھا۔۔۔۔۔۔

عورتوں نے اپنی امارت کی یوں نمائش کی ہوئی تھی اور مرد دوسری طرح کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔مجرا ہو رہا تھا۔۔۔۔۔۔اور وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بڑے سے بڑا نوٹ ناچنے والی کے قدموں میں ڈھیر کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔

عجیب عجیب طریقوں سے۔۔۔۔۔۔ انوکھے انداز سے۔۔۔۔۔۔کبھی کوئی دولہا کے سر پر سے نچھاور کر کے اپنی اس سے محبت کا اظہار کرتا تو کبھی کوئی کسی اور کو ممنون کرنے کے لیے اس کے کان میں اڑس کر پیش کرتا۔۔۔۔۔۔

پھر کوئی اپنے ہی بھڑکتے جذبات کی تسکین کے لیے ہونٹوں میں تھام کر رقاصہ کے حضور نذرانہ پیش کرتا تو کوئی پیشانی پر سجا کر۔۔۔۔۔۔غرض نرالے سے نرالا طریقہ اختیار کیا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

ایزد یہ سب دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اور سیٹھ امان مسکرا مسکرا کر اس کی حیرتوں کو دیکھ رہے تھے۔۔۔۔۔۔

تعلیم نے لوگوں کو ایسی روشنی بخش دی ہے کہ اب ان خرافات میں وقت اور پیسہ ضائع نہیں کرتے مگر پہلے شادیاں اسی طرح ہوا کرتی تھیں۔۔۔۔۔۔سیٹھ امان نے اس کی حیرت دور کرنا چاہی۔۔۔۔۔۔

اور یہ خدا بخش کا گھرانہ تم نے دیکھا نہیں۔۔۔۔۔۔بالکل ان پڑھ اور جاہل لوگ ہیں۔۔۔۔۔۔ان کے ہاں صرف دولت ہی دولت ہے۔۔۔۔۔۔اسی لیے تو میں تمہیں زبردستی ساتھ لایا ہوں کہ ان کے ہاں کی شادی تم بھی دیکھو۔۔۔۔۔۔تجربہ ہی سہی۔۔۔۔۔۔!

یہ میرا بڑا انوکھا تجربہ ہے۔۔۔۔۔۔ایزد ابھی تک بڑی حیرت سے اس تمام ہاؤ ہو کو دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔

کہ۔۔۔۔۔۔یکدم سیٹھ امان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔۔۔۔۔۔

وہ۔۔۔۔۔۔وہ ادھر دیکھو۔۔۔۔۔۔

ان کے پر جوش انداز نے ایزد کو متجسس کر دیا۔۔۔۔۔۔چونک کر ادھر نگاہ دوڑائی جس طرف سیٹھ امان نے اشارہ کیا تھا۔۔۔۔۔۔

ارے! یہ تو عابدی صاحب ہیں۔۔۔۔۔۔

اس سارے ہنگامے سے ذرا علیحدہ ہو کر بیٹھے وہ بڑے منفرد سے لگ رہے تھے۔۔۔۔۔۔

وہی پرکشش شخصیت اور وہی کھویا کھویا سا انداز۔۔۔۔۔۔!

سبھی ناچنے والی کے پاؤں کے گھنگروؤں کی تال میں مگن تھے۔۔۔۔۔۔اس کے ایک ایک انداز پر جیسے قربان ہو رہے تھے اور اس کی ایک ایک ادا پر مٹے جا رہے تھے۔۔۔۔۔۔

کسی کو اپنا ہوش نہ تھا۔۔۔۔۔۔دیوانے ہو ہو کر جبینیں الٹے دے رہے تھے مگر عابدی صاحب۔۔۔۔۔۔اسی طرح کھوئے کھوئے سے بیٹھے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔۔۔۔۔۔

نگاہیں ناچنے والی پر نہیں تھیں اسی لیے یقیناً کان بھی اس کے گانے کی آواز نہیں سن رہے ہوں گے۔۔۔۔۔۔

بس! جیسے اپنے ہی من کے ساتھ لو لگائے بیٹھے تھے۔۔۔۔۔۔اسی کے رقص میں محو تھے اور اسی کے ترنم میں گم۔۔۔۔۔۔!

سیٹھ صاحب سے کہیں زیادہ ایز د انہیں دیکھ کر پر مسرت انداز میں چونکا۔۔۔۔۔۔

یکدم اس کی نظر کی کیفے والی وہ شام اتر آئی۔۔۔۔۔۔طاہر نے ان کے ساتھ اس کا تعارف کرایا تھا۔۔۔۔۔۔پھر انہوں نے اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھی تھیں۔۔۔۔۔۔

کتنی خوبصورت باتیں بتائی تھیں انہوں نے۔۔۔۔۔۔اس علم پر یقین نہ رکھنے کے باوجود اس نے ان کی باتیں سنی تھیں، وقتی طور پر خوش بھی ہوا تھا مگر۔۔۔۔۔۔

لیکن سب پوری تو ہوگئی تھیں۔۔۔۔۔۔ایک ایک بات، ایک ایک حرف ان کا پتھر پر لکیر ثابت ہوا تھا۔۔۔۔۔۔

غیر ارادی طور پر اس کی نگاہیں اپنے سارے وجود کا جائزہ لے اٹھیں۔۔۔۔۔۔اس دن وہ کس حلیے میں تھا اور آج۔۔۔۔۔۔!

پھر اس کی نگاہ اپنی اس انگلی پر پڑی جس میں گیتی کی محبت ہیرے کی انگوٹھی کی صورت میں چمک رہی تھی۔۔۔۔۔۔

یہی سب کچھ تو عابدی صاحب نے بتایا تھا۔۔۔۔۔۔ان کی ہر پیشن گوئی پوری ہوئی تھی۔ آج خود اسے ہی اپنی خوش نصیبی پر ناز تھا کہ اس کی انہوں نے نوید دی تھی۔۔۔۔۔۔

ایسا مکمل علم۔۔۔۔۔۔ایسا باکمال فن کار۔۔۔۔۔۔! اور ایسا عظیم دست شناس۔۔۔۔۔۔اس پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ انہیں ان کے کمال علم کی داد دے۔۔۔۔۔۔وہ تڑپ کر اٹھا۔۔۔۔۔۔

کہاں۔۔۔۔۔۔؟ ایزد کے انداز سے سمجھ کر بھی سیٹھ امان نے پوچھ لیا۔۔۔۔۔۔

عابدی صاحب کے پاس۔۔۔۔۔۔

میں بھی چلوں۔۔۔۔۔۔؟ اپنے سوال کا جواب لیے بنا سیٹھ صاحب بھی اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔۔۔۔۔۔

جانتے تھے کہ ایزد کا عابدی صاحب کے پاس جانے کا مقصد کیا تھا۔۔۔۔۔۔

اسی لیے تو انہوں نے اسے ان کی طرف متوجہ کرایا تھا کہ خود ان کا اپنا دل چاہتا تھا کہ وہ بھی اس عظیم انسان کے روبرو ایک دو باتیں کریں۔۔۔۔۔۔

کتنا صحیح علم تھا اس کے پاس۔۔۔۔۔۔عقیدت کے چند الفاظ اسے پیش کریں۔۔۔۔۔۔داد و تحسین کا نذرانہ گزاریں۔۔۔۔۔۔

کہ اسی وجہ سے خود وہ فیض یاب ہوئے تھے۔۔۔۔۔۔ایزد جیسا گوہر آبدار انہیں حاصل ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔

لوگوں کو ادھر ادھر ہٹاتے ہوئے بڑی مشکل سے راستہ بنا کر دونوں آگے پیچھے ان تک پہنچے۔۔۔۔۔۔

مجرا جاری تھا۔۔۔۔۔۔لوگ رقاصہ کے انداز و آواز سے ہی مدہوش ہوئے جا رہے تھے۔۔۔۔۔۔عابدی صاحب کے قریب دونوں پہنچے تو ایک دو نے پرے ہٹ کر ان کے لیے جگہ بنا دی اور خود پھر اپنی مدہوشیوں میں کھو گئے۔۔۔۔۔۔

عابدی صاحب۔۔۔۔۔۔!

کون۔۔۔۔۔۔؟ ایزد کی آواز پر وہ چونکے۔۔۔۔۔۔کھلی آنکھیں کھول کر جلدی سے سیدھے ہوئے اور ان دونوں کی طرف دیکھنے لگے۔۔۔۔۔۔

آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔۔۔۔۔۔ایزد ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔۔۔۔۔۔

ان کی دوسری سمت سیٹھ امان جا بیٹھے۔۔۔۔۔۔ہونٹوں پر مسکراہٹ اور نگاہ میں اشتیاق۔۔۔۔۔۔کہ کہیں جلد از جلد عابدی صاحب کے کان تک یہ بات پہنچے۔۔۔۔۔۔کچھ اسی قدر بے قرار تھے وہ۔۔۔۔۔۔!

میں ایزد ہوں، طاہر کا دوست۔۔۔۔۔۔وہی جس کے ہاتھ کی لکیریں آپ نے پڑھی تھیں۔۔۔۔۔۔

عابدی صاحب کی آنکھوں میں پہچان کی چمک لرائی مگر دوسرے ہی لمحے ان پر گھبراہٹ سی سوار ہو گئی۔۔۔۔۔۔

آپ۔۔۔۔۔۔آپ۔۔۔۔۔۔جانے کیا ہوا۔۔۔۔۔۔؟ وہ یکدم ہکلانے لگے اور۔۔۔۔۔۔جیسے ایزد سے نگاہ نہیں ملانا چاہتے تھے۔۔۔۔۔۔

وہی ہیں۔۔۔۔۔۔نظریں انہوں نے چرائیں۔۔۔۔۔۔

جی ہاں۔۔۔۔۔۔ایزد بڑی پرجوش آواز میں بے قراری اور عجلت سے بولنے لگا یاد ہے نا آپ کو۔۔۔۔۔۔میں اس دن بہت پریشان تھا۔۔۔۔۔۔بے گھر تھا۔۔۔۔۔۔بے در تھا۔۔۔۔۔۔بے کار تھا۔۔۔۔۔۔غرض بے حد خراب میرے حالات تھے۔۔۔۔۔۔سانس لیے بنا ایزد بولے جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

پھر آپ نے بتایا تھا کہ مجھے بڑی اچھی ملازمت مل جائے گی۔۔۔۔۔۔میرا مقدر بڑا اچھا ہے۔۔۔۔۔۔مجھے زندگی میں کامرانیاں وشادمانیاں نصیب ہوں گی اور۔۔۔۔۔۔اس کی زبان جیسے منہ سے نکل نکل پڑنے کو بے تاب الفاظ کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

ہاں ہاں۔۔۔۔۔۔اوہ یہ کہ۔۔۔۔۔۔سیٹھ امان جیسے اس کی مدد کے طور پر بولے۔۔۔۔۔۔عابدی صاحب کے کانوں میں یکدم سب کچھ انڈیل دینے کو وہ ایزد سے زیادہ بے قرار تھے۔۔۔۔۔۔

اس کے مقدر کی برکت سے وہ محکمہ بھی بہت ترقی پائے گا جہاں یہ ملازمت کرے گا۔۔۔۔۔۔سب کچھ وہی ہوا جو آپ نے بتایا تھا۔۔۔۔۔۔میری مل نقصان میں جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔آپ کے کہنے کے مطابق اس کے دم قدم کی برکت سے لاکھوں کا فائدہ ہوا۔۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔۔؟ عابدی صاحب متحیر و مبہوت بیٹھے دونوں کو دیکھے جا رہے تھے

جی ہاں۔۔۔۔۔۔یہ بالکل سچ ہے۔۔۔۔۔۔

جوش میں ایزد کو یہ خیال ہی نہ رہا کہ سیٹھ امان ان کے پاس ہی بیٹھے تھے۔۔۔۔۔۔کچھ ان کی بزرگی کا احترام کر لیتا۔۔۔۔۔۔بیٹی کا باپ ہونے کے ناطے تھوڑا سا زبان کو قابو میں کر لیتا۔

اس کے علاوہ آپ نے کہا تھا کہ میری زندگی میں رومانس بھی ہوگا۔ اور بڑا کامیاب۔۔۔۔۔۔پھر اچانک اس کے جنون کو ہوش آ گیا۔۔۔۔۔۔ٹپٹا کر،

گھبرا کر سیٹھ صاحب کی طرف دیکھا۔ ایزد سب کچھ ہی تو درست کہہ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ان سے آنکھ مل جاتی تو بیچارے نے خواہ مخواہ ہی شرمندہ ہو جاتا تھا۔۔۔۔۔۔اور یوں اسے شرمندگی سے بچانے کے لیے سیٹھ صاحب جلدی سے نگاہ پھیر کر رقص دیکھنے لگے۔۔۔۔۔۔

ایزد نے سیٹھ صاحب کو دوسری طرف متوجہ پایا تو اطمینان کا سانس لیا۔۔۔۔۔۔پھر آواز دبا کر جیسے رازدارانہ انداز میں بولا۔۔۔۔۔۔

یہ میرے سسر محترم ہیں۔۔۔۔۔۔انہیں کی مل کا میں جنرل مینجر ہوں اور انہیں ان کی حسین و جمیل بیٹی کے ساتھ چند دن پہلے میری نسبت طے پائی ہے۔۔۔۔۔۔

اور ایزد ایک بار پھر بڑی جوشیلی آواز میں بولنے لگا۔۔۔۔۔۔

آپ کا علم مکمل ہے، عابدی صاحب!۔۔۔۔۔۔آپ کا فن باکمال ہے

۔۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔۔؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔؟

عابدی صاحب ڈوبی ڈوبی آواز میں بڑبڑائے۔۔۔۔۔۔ان کی حالت بڑی عجیب سی ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔

جی ہاں۔۔۔۔۔۔وہ مرحلہ تو گزر چکا تھا۔۔۔۔۔۔سیٹھ صاحب نے پھر نگاہیں ادھر پھیریں ایزد ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔۔۔۔۔واقعی آپ عظیم ہیں۔۔۔۔۔۔خود میں بھی آپ سے ملنے کا بے حد مشتاق تھا۔۔۔۔۔۔اتنا مکمل اور صحیح دست شناسی کا علم رکھنے پر آپ کو مبارکباد پیش کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔

پہلے مجھے نہ ہاتھ کی لکیروں پر نہ اس علم پر اعتبار تھا لیکن اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔اس علم پر۔۔۔۔۔۔فن پر اور آپ پر۔۔۔۔۔۔

لیکن ۔۔۔۔۔ لیکن ۔۔۔۔۔ عابدی صاحب ڈوبے ڈوبے سے لہجے میں بولے

خود میرا اپنا اعتماد آج ختم ہو گیا ۔۔۔۔۔ **میرا علم، میرا فن آج مجھے جھٹلا گیا** ۔۔۔۔۔ کہ یہ سب کچھ آپ کے ہاتھ میں نہیں تھا ۔۔۔۔۔ آپ کے ہاتھ میں تو صرف محرومیاں تھیں ۔۔۔۔۔ بد بختیاں تھیں ۔۔۔۔۔ ایسی بد قسمت لکیریں ۔۔۔۔۔ ایسا سیاہ بخت ہاتھ میں نے زندگی میں اور کوئی نہ دیکھا تھا ۔۔۔۔۔ آپ کے ہاتھ کی لکیریں مجھے آج بھی یاد ہیں ۔۔۔۔۔ عابدی صاحب کی آواز میں کپکپاہٹ تھی ۔۔۔۔۔

آپ میرے عزیز ترین دوست کے بڑے عزیز دوست تھے۔ آپ پریشان تھے ۔۔۔۔۔ آپ غمزدہ تھے اور ایک دکھی دل کو، ایک رنجیدہ اور پریشان انسان کو اس کی سیاہ بختیوں کی پیش گوئی کر کے میں اس کے دکھوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا ۔۔۔۔۔ میں اسے زندہ درگور نہیں کرنا چاہتا تھا تب ۔۔۔۔۔

تب ۔۔۔۔۔؟ ایزد کے حلق میں، روح میں جیسے بہت سارے کانٹے اتر گئے۔ تب میں نے آپ سے جھوٹ بولا ۔۔۔۔۔ آپ کو فریب دیا ۔۔۔۔۔ **اپنے دل سے وہ سب کچھ گھڑ کر بتا دیا** ۔۔۔۔۔ ایک بات بھی آپ کے ہاتھ کی لکیروں کے مطابق نہیں بتائی ۔۔۔۔۔ صرف آپ کو وقتی طور پر تسلی دینے کی خاطر ۔۔۔۔۔ صرف آپ کا دل رکھنے کی خاطر ۔۔۔۔۔ کہ اس وقت خوش ہو جائیں۔ باقی زندگی تو آپ کے مقدر نے آپ کو دلانا ہی ہے ۔۔۔۔۔ اور پھر اسی لیے تو میں جلد از جلد وہاں سے اٹھ کر چل دیا تھا ۔۔۔۔۔ بغیر بل ادا کیے کہ کہیں میری آنکھوں میں سے کوئی سچ جھانک کر آپ کو دکھی نہ کر دے ۔۔۔۔۔ اوہ ۔۔۔۔۔ !میرا علم ۔۔۔۔۔

میرا سرمایہ ۔۔۔۔۔!

عابدی صاحب نے ہاتھوں میں سر تھام لیا۔۔۔۔۔۔۔**ان کا سارا وجود لرز رہا تھا اور**۔۔۔۔۔۔۔سیٹھ امان انتہائی بے بسی سے کبھی ان کی طرف دیکھ رہے تھے اور کبھی حیرتوں میں گم بیٹھے ایزد کی طرف۔۔۔۔۔۔۔!

ناچنے والی ناچ رہی تھی اور لوگ مٹھیاں بھر بھر کر اس پر سے دولت نچھاور کر رہے تھے۔

☆

عجیب سی بے چینی۔۔۔۔۔۔عجیب سی بے کلی۔۔۔۔۔۔من کے اندر اتر گئی۔۔۔۔۔۔یہ کیا ہو گیا۔۔۔۔۔۔؟ یہ کیا ہو گیا۔۔۔۔۔۔؟

ویسے ہی دن تھے۔۔۔۔۔۔ویسی ہی راتیں۔۔۔۔۔۔وہی گھر تھا وہی گھر کی آسائش۔۔۔۔۔۔!

مگر۔۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ کچھ تھا جو چھن گیا تھا۔۔۔۔۔۔ سکون۔۔۔۔۔۔! اطمینان۔۔۔۔۔۔! خود اعتمادی۔۔۔۔۔۔!! خوش بختی کا مان۔۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔ہمتیں اور حوصلے!!!

ان سب خزانوں سے اس کی جھولی خالی ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔ کیسے زندگی گزارے گا۔۔۔۔۔۔؟ کس طرح جیے گا۔۔۔۔۔۔؟

کاش! اس دن عابدی صاحب اسے وہاں نہ ملے ہوتے۔۔۔۔۔۔ہارے ہوئے جواری کی طرح وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے اور لٹے ہوئے مسافروں کی طرح ایزد اور سیٹھ امان وہاں سے اٹھ کر آ گئے تھے۔

لوگوں نے مجرا دیکھ کر، کسی کی نگاہ و زلف کے پیچ و خم اور پاؤں کی گردش میں الجھ کر ڈوب کر، مدہوش ہو کر جیبیں خالی تھیں تو وہ بغیر کچھ دیے ہی تہی دامن ہو آیا تھا۔۔۔۔۔۔سب کچھ لٹا آیا تھا۔

کبھی یوں بھی ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔؟ کبھی ایسے بھی انسان ٹوٹ کر بکھرا کرتے ہیں۔ کتنے عجیب سے مقام پر وہ کھڑا ہوا تھا۔

ضمیر میں ایسا کانٹا سا چبھ گیا تھا کہ لحظہ بہ لحظہ کسک بڑھتی جا رہی تھی اور بے کل چین نہیں لینے دے رہی تھی۔

وہ سیاہ بخت تھا۔۔۔۔۔۔اپنے ہاتھ کی لکیروں کے مطابق وہ بدقسمت تھا۔

اپنی تمام تر خوش بختیوں کا اعتراف کرنے کے باوجود وہ۔۔۔۔۔۔وہ

۔۔۔۔۔۔ کیا کہے۔۔۔۔۔۔؟ کیا سوچے۔۔۔۔۔۔؟ وہ کیا تھا۔۔۔۔۔۔؟ خوش نصیب یا بد قسمت۔۔۔۔۔۔؟

من کے اندر پیوست اس زہر میں بجے کانٹے نے اس کی سب خوش گوار سوچوں میں زہر بھر دیا۔ بہت ساری تلخ حقیقتیں اس کی نگاہوں کے سامنے پھیلنے بکھرنے لگیں۔۔۔۔۔۔ اور اسے انصاف طلب کرنے لگیں۔

گیتی خوب صورت تھی۔۔۔۔۔۔ گیتی معصوم تھی۔۔۔۔۔۔ گیتی اچھی عادات کی مالک تھی۔۔۔۔۔۔ گیتی ایک امیر کبیر باپ کی بیٹی تھی۔۔۔۔۔۔ اکلوتی بیٹی۔۔۔۔۔۔ اس کی ہر چیز کی مالک۔۔۔۔۔۔ اس کا مستقبل تابناک تھا۔۔۔۔۔۔ اس کا مقدر سورج کی طرح جگمگا رہا تھا۔

اور خود وہ۔۔۔۔۔۔ وہ جو۔۔۔۔۔۔ اپنی اصلیت کا علم ہونے کے بعد وہ سوچنے پر مجبور تھا۔ وہ اس کے قابل تھا بھی۔۔۔۔۔۔؟ اس وقت تو وہ خوش قسمت ہی تھا مگر۔۔۔۔۔۔ وہ وقت بھی آ سکتا تھا کہ اس کے ہاتھ کی لکیروں کی بات سچ ہو جاتی۔

پھر۔۔۔۔۔۔؟ پھر کیا یہ گیتی کے ساتھ بے انصافی نہ تھی کہ جانتے سمجھتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ کے لیے اس پر اپنی بدبختی مسلط کر دے۔۔۔۔۔۔؟

بانو اتنی اچھی خاتون تھیں۔۔۔۔۔۔ اتنی محبت کرنے والی مشفق ہستی۔۔۔۔۔۔ ایسے نرم مزاج کی مالک۔۔۔۔۔۔!

سیٹھ امان اتنے رحم دل اور خدا ترس انسان تھے۔۔۔۔۔۔ کس طرح اس بے خانماں اور بے کار کو انہوں نے گھر دیا تھا۔۔۔۔۔۔ ملازمت دی تھی۔

کیا وہ اپنی تیرہ بختیوں میں ان سب کو شریک کرے گا۔۔۔۔۔۔ یہی بدلہ ان کی نیکیوں کا انہیں ملنے والا تھا کہ ان کی اولاد کا مستقبل تیرہ و تار ہو۔

گیتی اس کی شریک حیات بننے والی تھی۔۔۔۔۔۔ اس کی زندگی کی خوشیاں

بھی اب اس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا تھیں ۔۔۔۔۔۔ اور یوں خوشیوں سے خالی اپنی زندگی لے کر اس نے اسے کیا دینا تھا ۔۔۔۔۔۔؟

کچھ بھی تو نہیں ۔۔۔۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں ۔۔۔۔۔۔

اور اولاد کی خوشی سے خوشی ملتی ہے اور دکھ سے دکھ ۔۔۔۔۔۔!

بانو اور سیٹھ امان کے احسانوں کا تقاضا یہی تھی کہ وہ ان کی زندگیوں سے نکل جائے ۔ گیتی سے اسے محبت تھی ۔۔۔۔۔۔ شدید محبت ۔۔۔۔۔۔ اور اس کی محبت اس سے یہی تقاضہ کر رہی تھی کہ وہ اپنی بدبختی اس پر ہمیشہ کے لیے مسلط کرنے کی بجائے اس کی پر مسرت زندگی کی خاطر خود ہی اسے آزاد کر دے

گیت ۔۔۔۔۔۔ اس کی اپنی گیت ۔۔۔۔۔۔! وہ اس کے جسم میں روح کی حیثیت اختیار کر چکی تھی ۔۔۔۔۔۔ اس کے بغیر اسے اپنا وجود بے جان اور زندگی ختم ہوتی محسوس ہوتی تھی مگر ۔۔۔۔۔۔

ہاتھوں پر بدبختی کی لکیریں لے کر وہ اپنی زندگی کو اس روح سے حرارت نہیں بخش سکتا تھا ۔۔۔۔۔۔ کہ یہ بے انصافی تھی ظلم تھا ۔۔۔۔۔۔ زیادتی تھی ۔۔۔۔۔۔

انصاف کا ترازو ایزد نے خود ہی ہاتھ میں تھام لیا ۔ پورے پندرہ دن سوچنے کے بعد آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اپنی سیاہ بختیوں کو لے کر خود ہی اسے ان سب کی زندگیوں سے نکل جانا چاہیے تھا کہ سب کی بہتری اسی میں تھی ۔ اور خود اس کا اپنا ضمیر تبھی مطمئن ہوتا تھا ۔

کس مشکل سے اس نے خود کو یہ فیصلہ کرنے پر تیار کیا تھا ۔۔۔۔۔۔ اس کا اندازہ خود اسے ہی تھا ۔۔۔۔۔۔ اور کس طرح اس نے یہ پچھلے پندرہ دن گزارے تھے ۔۔۔۔۔۔ یہ بھی کچھ وہی جانتا تھا ۔

ہر یک سے کٹ کر ۔۔۔۔۔۔ ہر ایک سے علیحدہ ہو کر ۔۔۔۔۔۔ ہر ایک

سے جدا رہ کر۔۔۔۔۔۔۔

صبح ہی صبح دفتر کے لیے گھر سے نکل جاتا۔۔۔۔۔۔۔سہ پہر کو شہر سے دور کسی سنسان جگہ پر جا بیٹھتا۔۔۔۔۔۔ **سوچتا رہتا**۔۔۔۔۔۔ سوچتا رہتا۔۔۔۔۔۔۔

یکدم یہ کیسے پانسہ پلٹ گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔بہت دن تو یہی سوچ سوچ کر اس کا سر چکراتا رہا۔۔۔۔۔۔۔بہت رات گئے وہ گھر واپس آتا۔۔۔۔۔۔۔نہ صبح ناشتہ کرتا۔ نہ رات کو کھانا کھاتا۔۔۔۔۔۔۔ بازار سے، ادھر ادھر سے ہی کچھ تھوڑا سا لے کر بس جیسے رسم توڑنے کو منہ میں ڈال لیا ورنہ ضرورت تو ایک دن بھی محسوس نہیں کی۔۔۔۔۔۔۔پیٹ نے تو ایک دن بھی نہیں مانگا۔

اتنے دن وہ کسی سے نہیں ملا۔۔۔۔۔۔۔سیٹھ صاحب سے بھی دفتر میں ہی ملاقات ہو جاتی تھی۔۔۔۔۔۔۔سلام سے زیادہ وہ زبان سے کچھ نکال ہی نہ سکتا تھا۔ مجرموں کی طرح سر جھکا کر پاس سے گزر جاتا۔ اپنے کمرے میں بھی انہی سوچوں میں کھویا رہتا۔

سارے کام اسی طرح نمٹاتا مگر دل بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ جانے کیسے سر پر عائد ذمہ داریاں نبھا لیتا رہا تھا ورنہ وہ اس قابل نہیں رہ گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔کچھ ایسا ذہن پر بوجھ تھا۔

اتنے ہی دن ہو گئے اسے سحر کے ہاں بھی گئے ہوئے۔ وہ سب بھی تو اسے اسی طرح عزیز تھے۔۔۔۔۔۔۔ان دنوں میں اسے کیا کیا کچھ یاد نہیں آیا۔

گزرا ہوا ایک ایک لمحہ ایک ایک پل نگاہوں میں کئی بار گھوم گھوم گیا۔۔۔۔۔۔۔کتنی خوبصورت ساعتیں تھیں جو ان سب کی معیت میں گزری تھیں۔۔۔۔۔۔۔کتنی حسین گھڑیاں تھیں جو گیتی کے مہکتے وجود نے مہکا دی تھیں۔۔۔۔۔۔۔امر کر دی تھیں۔

سب سے زیادہ اسے اپنی منگنی کا دن یاد آیا تھا۔۔۔۔۔۔۔جب گیتی بہت سارے لوگوں کے سامنے اس کی بنادی گئی تھی۔

کیا خوشی و مسرت کا دن تھا۔۔۔۔۔۔۔ممی اور ڈیڈی نے اس کے حقیقی والدین بن کر اس کا رشتہ طے کیا تھا اور اسی طرح اس کی منگنی کی تیاری بڑے ارمانوں سے کی تھی۔۔۔۔۔۔۔کہ سیٹھ امان جیسے بڑے آدمی سے مقابلہ تھا۔

حافظ متین کی حیثیت کوئی ایسی گری پڑی نہ تھی۔اچھی باعزت اور خوشحال زندگی گزار رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔معمولی تو وہ اس وقت ہو جاتے تھے جب مقابلے میں سیٹھ امان آجاتے۔

ممی کو گیتی ہمیشہ سے بہت اچھی لگتی تھی۔۔۔۔۔۔۔ایزد کا رشتہ طے کرنے کے لیے انہوں نے تبھی گیتی کا کبھی نام نہ لیا تھا کہ وہ بڑے باپ کی بیٹی تھی۔۔۔۔۔۔۔

آج کل انسانیت کی بڑائی ماپنے کا پیمانہ صرف دولت ہے اور اس لحاظ سے حافظ متین

سیٹھ امان سے بہت چھوٹے تھے۔

ممی نے ہر بات کا کس ایمانداری سے ایزد کے سامنے اعتراف کر لیا تھا۔۔۔۔۔۔۔پھر جب سحر نے گیتی کا رشتہ مانگنے کے لیے ممی کو کہا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔۔۔۔۔۔۔رجہ بھوج خود ہی گنگوا تیلی کو آپدھاریں تو؟

یوں اپنی دانست میں بڑے لوگوں سے ماتھا لگایا تھا۔اس لیے ممی اور ڈیڈی خود کو کسی سے کمتر ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔۔۔۔۔۔۔سحر کے جہیز کے لیے جو رقم حافظ متین نے بینک میں جمع کروائی تھی سب بیٹے کی منگنی کے لیے نکلوالی۔وہ جو ساری زندگی سادگی کی تلقین کرتے رہے تھے۔اب اپنے تمام اصولوں کو انہوں نے بالائے

والدین کی اکلوتی اولاد تھی ۔۔۔۔۔۔ اکلوتی خوشی!

سیٹھ امان اور بانو جو کچھ بھی کرتے کم تھا۔

دونوں خاندانوں میں یہ رواج نہ تھا کہ لڑکا خود اپنے ہاتھ سے لڑکی کو انگوٹھی پہنائے۔ یہ کام دونوں طرف سے دوسرے ہی لوگ کرتے تھے۔ لڑکی کو لڑکے والوں کے ہاں کی کوئی بزرگ خاتون پہنا دیتی تھی۔ اور لڑکے کو لڑکی کے ہاں کا کوئی بزرگ مرد۔

مگر ۔۔۔۔۔۔ ایزد کا دل چاہتا تھا وہ اپنی گیت کو اپنے ہاتھ سے انگوٹھی پہنائے ۔۔۔۔۔۔ تب اس نے سحر کو سکھا دیا ۔۔۔۔۔۔ پھر کیسے سحر نے ممی، ڈیڈی سے لڑائی کر کے بانو اور سیٹھ امان کی منتیں کر کر کے انہیں اس پر رضامند کیا کہ لڑکا خود لڑکی کو انگوٹھی پہنائے گا۔

کتنی مددگار بہن تھی وہ اس کی ۔۔۔۔۔۔! ذرا سی اس کی خواہش پوری کرنے کی خاطر کیا کچھ کر گزری تھی۔ ایسی اچھی بہن اسے کوئی اور مل سکتی تھی ۔۔۔۔۔۔؟

کبھی نہیں ۔۔۔۔۔۔ دنیا کے کسی کونے پر نہیں ۔۔۔۔۔۔!

پھر ۔۔۔۔۔۔ پھر اس نے خود گیتی کو انگوٹھی پہنائی تھی ۔۔۔۔۔۔ انگوٹھی خود پہنانے کا تو اس کا بہانہ تھا صرف دلہن بنی گیتی کو دیکھنے کا۔

وہ وہی سنہری غرارہ سوٹ پہنے تھی جو ممی نے بڑے ارمانوں سے اپنی بہو کے لیے تیار کرایا تھا۔ مگر ۔۔۔۔۔۔ اس وقت وہ اس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا ۔۔۔۔۔۔ وہ گھونگھٹ نکالے تھی۔

دوپٹے کے اندر چھپے ہوئے اس کے حنائی ہاتھ کو ممی نے ہی نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ وہ لرزتا کانپتا مرمریں ہاتھ!

مہندی کے خوبصورت رنگ کے بیل بوٹوں نے اسے کتنا خوبصورت بنا دیا تھا اور کیسی جان بخش اس کی ٹھنڈک تھی۔

کتنی ہی دیر وہ اس ٹھنڈے ٹھنڈے ہاتھ کو ہاتھ میں لیے رہا۔ بہت ڈھیر ساری لڑکیاں مکھیوں کی طرح ان پر گری پڑ رہی تھیں۔

کوئی کسی انگلی کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ اس میں انگوٹھی پہناؤ اور کوئی کسی دوسری انگلی کی طرف ــــــــ وہ نا تجربہ کار تھا ــــــــ! اسے خود کو معلوم ہی نہیں تھا کہ کس انگلی میں پہنائی جاتی ہے۔

کتنا اچھا ہوتا پہلے ہی ممی سے پوچھ لیتا ــــــــ پھر ــــــــ درمیانی میں پہناتا تو کوئی بول پڑتی۔ اونہوں اس میں ــــــــ وہ چھوڑ کر ساتھ والی تھام لیتا۔ کسی اور طرف سے آواز آ جاتی۔ نہیں نہیں ــــــــ اس میں ــــــــ

وہ ڈر کر جلدی سے اسے چھوڑ کر تیسری تھام لیتا کہیں غلط میں نہ پہنا دے ــــــــ مبادا بدشگونی ہو جائے ــــــــ!

یوں کتنی ہی دیر اس کو تنگ کیا جاتا رہا ــــــــ جانے کونسی لڑکیاں تھیں ــــــــ سجی، سنوری، مسکراتیں اچھی لگ رہی تھیں۔ گیتی کی رشتہ دار ہی ہوں گی ــــــــ کیونکہ تب ہی ان میں سے ایک بولی تھی۔

ارے دولہا بھائی تو بیچارے بڑے بھولے ہیں ــــــــ

یوں کافی دیر جب وہ تنگ کیا جا چکا تو پھر ممی کی رہنمائی پر اس نے اپنی گیت کو انگوٹھی پہنا دی ــــــــ مبارک باد اور تالیوں کی آواز بہت بلند تھی۔

موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ایزد نے گیتی کا ہاتھ چھوڑنے سے پہلے زور سے دبا دیا۔ اسقدر گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟ تمہیں کھانے تو نہیں لگا تھا صرف انگوٹھی ہی پہنائی ہے۔ اس شور میں اس کی بڑبڑاہٹ صرف گیتی نے ہی سنی۔ اور اسے ہی اس نے سنائی بھی تھی۔ جواب میں وہ کسمسا کر رہ گئی۔

پھر جب اس کی باری آئی تو اسے کسی نے تنگ نہیں کیا ــــــــ حالانکہ اس

وقت اس کا جی بہت چاہا تھا کہ اب گیتی کو بھی ستایا جائے کہ اتنا وقت وہ اس کے پاس اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے گزار دے۔

کیسی عجیب قسم کی برقی رو اس کے سارے جسم میں دوڑ اٹھی تھی جب اس نے اپنے نرم نرم کپکپاتے ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

اس لمحے ایزد نے بڑی کوشش کی تھی کہ دلہن بنی گیتی کے رخ تاباں کی ایک ہی جھلک اسے دکھائی دے جائے مگر کیا مجال جو اس نے ذرا سا بھی گھونگھٹ سرکنے دیا ہو۔۔۔۔۔۔گھونگھٹ میں چہرہ چھپاتے اندھوں کی طرح ٹٹول ٹٹول کر ہی اس نے انگوٹھی پہنا دی تھی۔

بڑی مایوسی ہوئی تھی اس کو۔۔۔۔۔۔سحر کو سکھایا۔۔۔۔۔۔دونوں خاندانوں کے رواج سے ہٹ کر کیا مگر فائدہ کچھ بھی نہ ہوا۔

سب مہمان چلے گئے۔۔۔۔۔۔گیتی کو اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔۔۔۔۔۔حافظ متین کے گھر والے بھی رخصت ہو گئے۔صرف ایک سحر تھی جو وہیں رہ پڑی تھی۔۔۔۔۔۔اپنے آپ ہی۔۔۔۔۔۔یا شاید گیتی نے کہا تھا۔

سب چلے گئے تو وہ اسی کے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ راستے میں ایزد نے اسے روک لیا۔

کیا بات ہے۔۔۔۔۔۔؟ وہ بڑے بارعب انداز میں بولی۔

ایزد نے مسکراتے ہوئے سحر کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔۔۔۔۔۔میری اچھی بہن۔۔۔۔۔۔!

اب کیا ہو گیا۔۔۔۔۔۔؟

بس ایک جھلک دکھا دو۔۔۔۔۔۔وہ ملتجی لہجے میں بولا

کس کی۔۔۔۔۔۔؟ سحر شرارت سے انجان بن گئی

دیکھو سحر! تم میری اچھی بہن نہیں ہو گیا۔۔۔۔۔۔؟ اس نے پھر خوشامد کی

بڑی جلدی وہ موم ہو جاتی تھی مگر غیر مشروط کبھی نہیں ۔۔۔۔۔۔

اچھا پہلے ایک فلم کا وعدہ ۔۔۔۔۔۔!

ایک نہیں ۔۔۔۔۔۔ دو ۔۔۔۔۔۔ تین ۔۔۔۔۔۔ چار ۔۔۔۔۔۔ وہ بے اختیار ہو کر بول پڑا تھا۔

توبہ توبہ ۔۔۔۔۔۔! ایسی بے صبری؟

تب وہ بڑا خفیف سا ہو کر سر کو کھجانے لگا تھا۔

اچھا جائیے پھر جلدی سے ۔۔۔۔۔۔ اتفاق سے میدان خالی ہے اس وقت

کہاں ۔۔۔۔۔۔؟

گیتی کے کمرے میں ۔۔۔۔۔۔

نہیں نہیں ۔۔۔۔۔۔

نہیں کیوں ۔۔۔۔۔۔؟

سحر نے اسے اندر دھکیل دیا۔

میں خیال رکھوں گی ۔۔۔۔۔۔ مگر جلدی سے باہر آجایئے گا صرف ایک جھلک ہی دیکھ کر شرارت سے وہ بولی۔

بات بالکل کوئی نہیں کرنی ۔۔۔۔۔۔ فلم کا وعدہ صرف ایک جھلک دیکھنے کا ہے

وہ جھجکتے ہوئے اندر چلا گیا ۔۔۔۔۔۔ پہلی بار وہ گیتی کے کمرے میں گیا تھا ۔۔۔۔۔۔

وہ مسہری پر بیٹھی جانے کیا سوچ رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا تھا ۔۔۔۔۔۔ زیورات بھی اسی طرح پہنے تھی ۔۔۔۔۔۔

ایزد کے قدموں کی آہٹ پر اس نے نگاہیں اٹھائیں ۔۔۔۔۔۔ نجانے وہ کیا سمجھی تھی مگر سامنے ایزد کو پایا تو گھبرا کر دونوں گھٹنوں میں چہرہ چھپالیا۔

سحر سے اس نے ایک جھلک کی اجازت لی تھی ۔۔۔۔۔۔ وہ تو دیکھ

لی۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔اس جہان سوز حسن کی ایک جھلک نے دید کی تشنگی کو کچھ اور بڑھا دیا۔۔۔۔۔۔اب آ ہی گیا ہوں تو دل کی اس خواہش کو پوری طرح کیوں نہ پوری کروں۔

ہولے ہولے قدم اٹھاتا اس کے قریب بڑھا چلا گیا۔۔۔۔۔۔گیت! ذرا فاصلے سے اس نے دبے دبے لہجے میں اسے پکارا۔۔۔۔۔۔

مگر گیت بیگم سن کر بھی بہری بنی رہی۔۔۔۔۔۔

گیت۔۔۔۔۔۔! اس نے پھر اسی انداز میں آواز دی

وہ تب بھی چہرہ چھپائے بیٹھی رہی

سنو تو۔۔۔۔۔۔

مگر یہاں لب پر لاکھ سخن اور وہاں جواب میں صرف ایک خامشی۔۔۔۔۔۔!

جھنجھلا کر اس کے قریب چلا گیا۔۔۔۔۔۔سر کو ہولے سے تھپتھپایا ۔۔۔۔۔۔ہلایا جلایا۔۔۔۔۔۔

گیت۔۔۔۔۔۔!

گیتی نے اور بھی چہرہ گھٹنوں میں گھسیڑ لیا۔۔۔۔۔۔ تب اس پر بہت زیادہ جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی اتنی بے تابیوں سے، اتنی مشکلیں پاٹ کر وہ اس کے پاس آیا تھا اور وہ تھی کہ اس کے جذبے کی قدر ہی نہیں کر رہی تھی۔

یکدم اس کا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما اور زبردستی کھینچ کر چہرے کو گھٹنوں میں سے باہر نکال لیا۔

کیسی عجیب سی ہٹ دھرمی ہے۔۔۔۔۔۔تمہارا منگیتر ہوں کوئی غیر نہیں ہوں۔ پھر شرارت سے مسکرایا

جب غیر تھا تب کیسے بڑھ بڑھ کر ملا کرتی تھیں۔۔۔۔۔۔

ایزد کا یہ فقرہ کام کر گیا

کب۔۔۔۔۔۔؟ یکدم اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گیتی بول اٹھی

اور۔۔۔۔۔۔اس کی کب کا جواب دینے کا کسے ہوش رہا تھا۔۔۔۔۔۔

اس خوبصورت لباس، جگمگ کرتے زیورات، شوخ شوخ میک اپ نے اس کے حسن میں کچھ ایسی بجلیاں چکا چوند اور مقناطیسیت بھر دی تھی کہ آنکھیں بھی چندھیائی جا رہی تھیں مگر نگاہ ہٹانے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔

دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لیے وہ مخمود سا کتنی ہی دیر اسے وارفتہ نگاہوں سے گھورتا رہا۔۔۔۔۔۔

اس کی ان گہری گہری نگاہوں سے شرما کر گیتی نے آنکھیں میچ لیں۔۔۔۔۔۔پپوٹوں پر لگی۔۔۔۔۔۔افشاں چمک اٹھی۔۔۔۔۔۔وہ اور بھی حسین ہو گئی۔

جانے کیا ہو گیا تھا اس وقت ایزد کو۔۔۔۔۔۔کیسا سحر پھونک دیا تھا اس پر گیتی کے تابندہ حسن نے۔۔۔۔۔۔خود پر اختیار ہی نہ رہا۔۔۔۔۔۔بے خود ہو کر جھکا اور بے اختیار اس کے بند پپوٹوں پر جذبات کی شدت سے لرزتے ہونٹ رکھ دیے۔

کھوں، کھوں، کھوں ہمیشہ کی طرح دور سے ہی کھانسی کا الارم بجاتی سحر چلی آ رہی تھی۔ ایزد کی مدہوشی ہوش میں آ گئی۔۔۔۔۔۔جلدی سے گیتی کا چہرہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

جب تک سحر اندر پہنچتی گیتی کا چہرہ پھر گھٹنوں میں گھس چکا تھا۔

اتنی دیر کیوں لگا دی۔۔۔۔۔۔؟ آتے ہی اس نے ایزد سے جواب طلبی کی

یہ اپنی شکل ہی نہیں رکھا رہی تھی۔۔۔۔۔۔

ایزد اپنے اوسان بحال کرتے ہوئے مسکرایا

جھوٹ۔۔۔۔۔۔؟

نہیں سچ۔۔۔۔۔۔!

آیئے میں دکھاؤں۔۔۔۔۔۔

سحر گیتی سے زبردستی کرنے کے ارادے سے آگے بڑھی۔

نہیں رہنے دو۔۔۔۔۔۔ایزد کو اس پر ترس آ گیا۔۔۔۔۔۔وہ پہلے ہی اسے کافی تنگ کر چکا تھا۔کیوں۔۔۔۔۔۔؟

اس لیے کہ تم نے جو کرنا تھا وہ تو کر چکیں۔۔۔۔۔۔اب شکل دیکھنے کا فائدہ۔۔۔۔۔۔؟

کیا مطلب۔۔۔۔۔۔؟

اتنے خوب صورت لڑکے کو گھیر گھار کر اپنی ایسی احمق سی سہیلی کا رشتہ تو کر لیا۔۔۔۔۔۔ ارے ہے ۔۔۔۔۔۔ بڑے خوب صورت ہیں جناب۔۔۔۔۔۔کون کہتا ہے۔۔۔۔۔۔

میرے سسرال والوں کا خیال ہے، سبھی کھسر پھسر کر رہی تھیں کہ لڑکا خوب صورت ہے۔۔۔۔۔۔لڑکا سمارٹ ہے۔۔۔۔۔۔لڑکا ہینڈسم ہے

اور لڑکا آفت کا پرکالہ ہے۔۔۔۔۔۔یہ نہیں سن سکے تھے۔۔۔۔۔۔؟

سحر نے چڑ کر اس کی نقل اتاری

خالہ جان ادھر آ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔بھاگیے یہاں سے۔۔۔۔۔۔

ارے سچ۔۔۔۔۔۔؟وہ گھبرا گیا

تو اور نہیں کیا۔۔۔۔۔۔انہوں نے بھی اپنی بیٹی کو دلہن بنے نہیں دیکھا تھا۔سحر بڑی سنجیدہ تھی۔ایزد کی سچ مچ سٹی گم ہو گئی۔۔۔۔۔۔گھبرا کر دروازے کی طرف لپکا۔

ادھر سے نہیں۔۔۔۔۔۔سحر نے پیچھے سے اسے تھام لیا

ادھر اس کھڑکی سے کود کر اپنے گھر کی طرف سدھاریئے۔۔۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔۔

لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔بس سر پاؤں رکھیئے۔۔۔۔۔۔

سحر اسے گھسیٹ کر کھڑکی کے پاس لے گئی اور وہ سحر کی ہدایت کے مطابق باہر لان میں کود گیا۔۔۔۔۔۔

دیکھ لے گیتی! میں تیرے ان کا کتنا خیال رکھتی ہوں۔۔۔۔۔۔

جاتے جاتے ایزد کے کان میں آواز پڑی۔۔۔۔۔۔قدم وہیں رک گئیں

خالہ جان کوئی نہیں آ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ میں نے تو صرف بھائی جان کو یہ کھڑکی والا راستہ دکھایا ہے۔۔۔۔۔۔

کیا مطلب۔۔۔۔۔۔؟ گیتی نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

اب تمہارا پردہ رہے گا نا بھائی جان سے۔۔۔۔۔۔مگر میں جانتی ہوں کہ انہیں تم سے بے حد پیار ہے۔ ایک دن بھی دکھائی نہ دو گی تو تڑپ اٹھیں گے۔۔۔۔۔۔تب چپکے سے اس کھڑکی میں آ کر تم سے مل لیا کریں گے۔۔۔۔۔۔

شریر۔۔۔۔۔۔!

گیتی نے تو جھینپ کر اسے یہ پیار بھرا خطاب دیا تھا مگر خود اس کا دل اس وقت سحر کو بے اختیار دعائیں دے اٹھا تھا۔ کہ کتنا اسے اس کا خیال تھا۔۔۔۔۔۔اتنا کسی بہن کو بھائی کا ہوگا۔ ایسی ہی اور کئی خوش گوار سی گھڑیاں اس کی نگاہوں میں گھومتی رہی تھیں۔

کیا ان سب محبت کرنے والوں کو وہ چھوڑ سکتا تھا۔۔۔۔۔۔جنہوں نے اپنے اتنے پیارے جذبوں سے اسے نوازا تھا۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔

مگر سب کی بہتری کی خاطر اسے وہاں سے چلا ہی جانا چاہیے تھا کہ اس کی بدبختی

اس کے سبھی پیاروں کے لیے تباہی لا سکتی تھی۔

اپنا ہی کیا ہوا یہ فیصلہ بہت سخت بھی تھا۔۔۔۔۔۔ بہت تکلیف دہ بھی تھا۔۔۔۔۔۔جان لیوا بھی تھا۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔وہ مجبور تھا۔

اس کے علاوہ اور کوئی بھی راستہ اسے سوجھائی نہ دے رہا تھا۔

پندرہ روز کی سوچوں کے بعد آخر اس نے اپنا فیصلہ سیٹھ صاحب تک پہنچا دیا۔۔۔۔۔۔ کہ وہ کسی اور منیجر کا بندوبست کر لیں وہ نوکری چھوڑ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی سیاہ بختی کسی اور کے تابناک مقدر کو تاریک بنا دے۔

اس کے فیصلے کے خلاف سیٹھ امان نے بھی تو زبان نہیں کھولی۔۔۔۔۔۔وہی عابدی صاحب کی پیشن گوئی کی تردید کر کے کچھ اسے تسلی دلاسہ دے دیتے۔۔۔۔۔۔ وہ بزرگ تھے۔۔۔۔۔۔ ایزد کو ان پر بڑا مان تھا۔۔۔۔۔۔کچھ وہی کہتے۔۔۔۔۔۔وہ تو خاموش ہی رہے۔

نوکری چھوڑنے سے پہلے مل کے متعلق سارے حالات وکوائف سے وہ انہیں مطلع کرتا رہا۔۔۔۔۔۔سب کچھ لینا دینا سمجھاتا رہا۔۔۔۔۔۔کہاں کتنا مال گیا تھا۔۔۔۔۔۔کہاں کتنا جانے والا تھا۔۔۔۔۔۔وصولی کہاں سے ہو چکی تھی اور جہاں سے نہیں ہوئی تھی کس طرح سے ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ کامیابی سے مل چلانے کے گر اور اسرار ورموز۔۔۔۔۔۔

سیٹھ صاحب سنتے رہے۔ سمجھتے رہے۔ جیسے ایزد نے جو فیصلہ کیا تھا وہ انہیں قبول تھا۔۔۔۔۔۔اور نہ صرف قبول بلکہ خود وہ بھی یہی چاہتے تھے۔

ایزدان کے اس رویے سے مزید دکھی ہو گیا۔۔۔۔۔۔ کیا دنیا میں کوئی بھی مخلص نہ تھا۔۔۔۔۔۔؟ انسان کو ایک انسان کے ناطے سے کوئی بھی نہیں ملتا تھا۔ شاید گیتی نے تو اس کا بھی ایسا ہی طرز عمل ہو۔۔۔۔۔۔ کتنے دکھ کی بات تھی!!

اس کی خوش بختی میں سب شامل تھے اور اب ------ اور اب -------زخموں سے جیسے خون چھلک پڑا--------

سیٹھ صاحب کو مل کے سب حساب کتاب دینے کے بعد اس نے حافظ متین اور ممی کے متعلق سوچا۔ انہوں نے اسے بیٹا بنایا تھا۔ اپنے بڑھاپے کا سہارا اور اپنی بیٹیوں کے ناموس کا محافظ-------

مگر اس کی بدبختی اب اسے ان سے بھی دور رہنے پر مجبور کر رہی تھی -------

سیٹھ امان کی ملازمت کے دوران اس نے ایک کثیر رقم بینک میں جمع کر لی تھی۔ کھانا پینا ان کے ہاں تھا۔ اس کے علاوہ خود اسے کوئی بری علت نہ تھی جس میں فضول خرچی ہوتی۔

اپنے چند دن کے خرچ اخراجات کے لیے تھوڑی سی رقم رکھ کر باقی اس نے حافظ متین کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی کہ جاتے جاتے وہ اپنی بہنوں کو اور کچھ بھی نہ دے سکتا تھا ان کی شادیوں کے لیے بھائی کی طرف سے پیار و خلوص بھرا حقیر سا تحفہ-------!!

اور باقی-------اس کے پاس چند خوش گوار یادیں اور بہت ڈھیر سارے آنسو تھے جو وہ یہاں سے لے چلا تھا-------اس کی زخمی اور بے مصرف و نامراد زندگی کا انمول سرمایہ-------!!!

☆

سیٹھ امان کروٹوں پر کروٹیں بدل رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔مگر نیند کا کوسوں پتہ نہیں تھا۔۔۔۔۔۔بانو کی عشاء کی نماز اور طویل وظیفے سے فارغ بھی ہو گئیں۔

کیا بات ہے۔۔۔۔۔۔؟ آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔؟

پتہ نہیں کیوں۔۔۔۔۔۔نیند ہی نہیں آ رہی۔۔۔۔۔۔

بستر کی سلوٹیں نکال کر دراز ہوتے ہوئے بانو پھر ان سے مخاطب ہوئیں

کہیں کوئی مل وغیرہ کی پریشانی تو نہیں۔۔۔۔۔۔؟

نہیں تو۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔؟

کہا جو کہ کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔اب ان کے لہجے میں قدرے تلخی تھی۔

بہت دن ہوئے ایزد بھی دکھائی نہیں دیا۔۔۔۔۔۔اس لیے پوچھنے کا گناہ کر بیٹھی ہوں ان کی تلخی نے بانو کا لہجہ بھی بدل دیا۔سیٹھ امان نے بانو کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر پرلی طرف کروٹ لے لی۔

وہ آج کل کہاں ہوتا ہے؟ ان کے لہجے کی کڑواہٹ اور بانو کی طرف سے پہلو پھیر لینے کے باوجود وہ ان سے دوبارہ ہم کلام ہوئیں۔۔۔۔۔۔کہ ایزد کے لیے متردد تھیں۔

ہونا کہاں ہے۔۔۔۔۔۔؟ جہاں پہلے ہوتا تھا اب بھی وہیں ہوتا ہے

۔۔۔۔۔۔

پہلے تو گھر میں ہی ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔اب رفیقے سے معلوم ہوا ہے کئی دن سے نہ اس نے ناشتہ کیا ہے نہ کسی وقت کا کھانا کھایا ہے۔۔۔۔۔۔خیر تو ہے۔۔۔۔۔۔؟

خیر ہی ہے۔۔۔۔۔۔چپ کر کے سو جاؤ۔۔۔۔۔۔مجھے نیند آ رہی

ہے۔۔۔۔۔۔

جانے کیا ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔ ان کے مزاج کی تلخی تو بڑھتی ہی جا رہی ہے۔۔۔۔۔۔

بہت آہستہ سے بڑبڑا کر جوابی غصے کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے بھی ان کی طرف سے رخ پھیر کر کروٹ لے لی۔

سیٹھ صاحب نے بیوی کی بڑبڑاہٹ سنی مگر اس وقت وہ خاموشی اور سکون چاہتے تھے۔۔۔۔۔۔

چند دنوں سے وہ کتنے بے چین تھے یہ تو کچھ وہی جانتے تھے۔۔۔۔۔۔ کیا انجانا سا یہ روگ لگ گیا تھا۔۔۔۔۔۔ اچھے بھلے پرسکون دن گزر رہے تھے۔۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔۔ مگر یہ عابدی صاحب کی ملاقات! ان کے لیے کتنی بڑی پریشانی بن گئی تھی۔

گو انہیں بھی اب ان ہاتھ کی لکیروں پر اعتبار نہیں رہا تھا لیکن پھر بھی ایک کانٹا سا سینے میں اتر گیا تھا جو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا رہا تھا۔

ایزد کے ہاتھ پر بدبختی کی لکیریں تھیں۔۔۔۔۔۔ وہ بدقسمت تھا۔۔۔۔۔۔ بار بار ذہن میں یہی فقرہ گونجے جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔ بے شک اب تک اس کی کوئی بدقسمتی ظاہر نہیں ہوئی تھی مگر کسی بھی وقت۔۔۔۔۔۔

اور آج۔۔۔۔۔۔ زندگی میں پہلی بار وہ اپنے اس اعتبار کو کوس رہے تھے۔۔۔۔۔۔ کہ یہی یقین انہیں آج اس حال تک پہنچانے کا محرک ہوا تھا۔

کاش! لکیروں کا یہ علم دنیا میں کسی کو نہ ہوتا۔۔۔۔۔۔ کتنا پریشان کر دیا تھا آج اس نے انہیں ہمیشہ خوش قسمتیوں کی فال نکالنے والے سیٹھ امان آج اس پیش گوئی سے کتنے دکھی ہو گئے تھے۔ کیا کریں۔۔۔۔۔۔؟ کس طرح اس پریشانی کو رفع کریں۔۔۔۔۔۔؟ سوچوں نے پاگل کیا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔

ایزد کے ہاتھ پر بدقسمتی کی لکیریں موجود تھیں۔۔۔۔۔۔۔زندگی کے کسی حصے میں بھی بدبختیاں، اس پر سایہ کر سکتی تھیں۔۔۔۔۔۔۔پھر۔۔۔۔۔۔پھر ان کی گیتی۔۔۔۔۔۔ان کی اکلوتی اولاد۔۔۔۔۔۔ان کی مل۔۔۔۔۔۔۔**ان کی دولت! یہ ان سے کیا ہوگیا**۔۔۔۔۔۔۔؟وہ کیا کر بیٹھے۔۔۔۔۔۔۔؟

کاش! وہ اس دن کیفے میں بھی نہ گئے ہوتے۔۔۔۔۔۔۔انہوں نے وہ سب کچھ سنا ہی نہ ہوتا۔۔۔۔۔۔۔انہوں نے یہ سب کچھ کیا ہی نہ ہوتا۔

زندگی کے کس خطرناک موڑ پر لکیروں کے اس پھیر نے انہیں لا کھڑا کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔اب تو انہوں نے ایزد کے ساتھ گیتی کی نسبت بھی طے کر دی تھی۔۔۔۔۔۔۔سینکڑوں لوگوں کے سامنے۔۔۔۔۔۔۔!

اس کی بدبختیوں کو خود مضبوطی سے اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا تھا۔۔۔۔۔۔۔گیتی نہیں مانتی تھی مگر انہوں نے کیا کیا کچھ نہ کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔اوہ! یہ ان سے کیا ہو گیا۔

پچھتاوے۔۔۔۔۔۔۔! پچھتاوے۔۔۔۔۔۔۔!! پچھتاوے۔۔۔۔۔۔۔!!! کس طرح اپنی غلطیوں کا ازالہ کریں۔۔۔۔۔۔۔کوئی حل ہی نہیں سوجھ رہا تھا اس کا۔۔۔۔۔۔۔

بانو سے بھی ذکر نہیں کر سکتے تھے کہ اپنے پاؤں پر یہ کلہاڑی مارنے کے صرف وہ خود ہی ذمہ دار تھے۔ اس میں اور کسی کا کوئی قصور نہ تھا۔۔۔۔۔۔۔بانو کو بھی وہ خود ہی اس رشتے پر مجبور کرتے رہے تھے۔ اب کس زبان سے اپنی تردید کرتے۔

کیسی بے بسی تھی۔۔۔۔۔۔۔! کیسی پریشانی تھی۔۔۔۔۔۔۔!! سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے اور پریشان ہو ہو کر سوچ رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔کہ۔۔۔۔۔۔۔کہ ایزد نے خود ہی ان کی پریشانیوں کا حل بتا دیا۔

وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ہمیشہ ہمیشہ کے

لیے۔۔۔۔۔۔ملازمت کے علاوہ گیتی سے نسبت توڑ دینے کا بھی اس نے خود ہی خیال ظاہر کر دیا تھا۔

بڑی عقل والا لڑکا تھا۔۔۔۔۔۔۔ بڑا سمجھدار تھا۔۔۔۔۔۔۔خود ہی ان کی نازک پوزیشن کا احساس کر لیا تھا۔ اور۔۔۔۔۔۔اب سیٹھ صاحب کے ساتھ طے شدہ پروگرام کے مطابق آج رات اس نے چپکے سے وہاں سے رخصت ہو جانا تھا بالکل چوروں کی طرح۔۔۔۔۔۔۔ کہ دن کو کوئی دیکھ کر جرح کر سکتا تھا۔۔۔۔۔۔۔**پوچھ سکتا تھا**۔۔۔۔۔۔۔روک سکتا تھا

اور اسے رکنا نہیں چاہیے تھا۔ اس کا چلے جانا ہی بہتر تھا۔۔۔۔۔۔۔لیکن

لیکن یہ انہیں کیا ہو رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔؟ کسی کل چین کیوں نہیں آ رہا تھا۔۔۔۔۔۔؟ وہ اس قدر بے سکون اور بے قرار کیوں تھے۔۔۔۔۔۔۔؟

ان کا موڈ اس قدر بگڑا ہوا کیوں تھا۔۔۔۔۔۔؟ وہ بغیر کسی وجہ کے بیچاری بے زبان بانو سے کیوں تلخ ہو رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔؟؟

ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

سگریٹ سلگانے کے بہانے انہوں نے لائٹر جلا کر کلائی کی گھڑی پر وقت دیکھا۔۔۔۔۔۔ساڑھے بارہ بجے تھے۔۔۔۔۔۔سوا ایک کی گاڑی سے اس نے جانا تھا۔۔۔۔۔۔۔وہ اب اس شہر میں بھی رہنا نہیں چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔۔

بے قراری سے اٹھ کر بیٹھ گئے بانو شدید سو چکی تھیں۔۔۔۔۔۔گہرے گہرے سانسوں کی آواز آ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔بغیر کوئی آواز پیدا کیے وہ بڑی احتیاط سے اٹھے۔۔۔۔۔۔۔**اونی گاؤن پہنا**۔۔۔۔۔۔۔پاؤں میں سلیپر اڑسے اور پھر ہولے ہولے دبے دبے قدم اٹھاتے خواب گاہ سے باہر نکل آئے۔

بہت سارا وقت، بہت سارے لمحات انہوں نے اس کے ساتھ گزارے تھے۔ اس نے ان کی بڑی خدمت کی تھی۔ ان کی نقصان میں جاتی مل کو سہارا دیا تھا۔ مقدر

نہ ہی، دم قدم کی برکت نہ ہی۔ مگر اس کی معترف وہ ضرور تھے کہ اس نے محنت بھی کی تھی۔

اس کے علاوہ ۔۔۔۔۔۔۔ان کی عزت کرتا تھا۔ باپ کی طرح ان کا احترام کرتا تھا۔ ان کی ہر غلط سلط بات پر سر خم کر دیتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ غرض۔۔۔۔۔۔کچھ۔۔۔۔۔۔بھی تھا۔۔۔۔۔۔وہ بڑا نیک بچہ تھا!

اور۔۔۔۔۔۔ان کے دل کے کسی اندرونی کونے میں اس کے لیے ایک خاص مقام تھا۔ ذرا سا اور سوچا ۔۔۔۔۔۔ دل کو ٹٹولا۔۔۔۔۔۔تو ۔۔۔۔۔۔تو اب انہیں احساس ہوا کہ۔۔۔۔۔۔اس سے انہیں پیار بھی تھا۔

دل کے اندر سمائی یہ بے کلی ۔۔۔۔۔۔یہ بے چینی۔۔۔۔۔۔اسی لیے تھی کہ وہ ان سے بچھڑ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔۔۔۔!

کیا اسے روک لیں۔۔۔۔۔۔؟ دل مچلا۔۔۔۔۔۔!

نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔عقل نے سمجھایا۔۔۔۔۔۔گیتی ان کی اکلوتی اولاد تھی۔۔۔۔۔۔ان کی مل ان کے بڑھاپے کا سہارا تھی۔۔۔۔۔۔!!

اس کا جانا ہی بہتر تھا۔۔۔۔۔۔!

البتہ۔۔۔۔۔۔ایزد کے ساتھ انہیں جو محبت، جو وابستگی تھی وہ انہیں مجبور کر رہی تھی کہ جاتے ہوئے وہ اسے خیرباد ضرور کہیں۔۔۔۔۔۔دل سے نکلنے والی دعاؤں کا نذرانہ اسے ضرور پیش کریں۔

دل دکھی ہو رہا تھا۔۔۔۔۔۔من رنجیدہ تھا۔۔۔۔۔۔مرد ہو کر بھی عورتوں کی طرح آنکھیں بھر بھر آ رہی تھیں۔ کچھ بھی تھا۔۔۔۔۔۔ وہ بڑا اچھا تھا۔۔۔۔۔۔وہ بڑا نیک تھا۔

ان کے قدم ایزد کی رہائش گاہ کی طرف اٹھ گئے ۔۔۔۔۔۔اسے آخری بار ملنے کو۔۔۔۔۔۔اسے آخری سلام کہنے کو۔۔۔۔۔۔کہ۔۔۔۔۔۔انہیں

اس سے محبت تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ پیار تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ان کے دل میں اس کے لیے ہمدردی تھی۔

☆

اس خوبصورت رات اور اتنی حسین ساعتوں کے بعد یہ فضا کیسی سوگواری خاموشی رچ بس گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔

گیتی کو نیند نہیں آ رہی تھی اور وہ سوچوں میں کھوئی انگلی میں پہنی انگوٹھی سے کھیل رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ ایزد کی انگوٹھی۔۔۔۔۔۔۔! اس کی محبت کی نشانی۔۔۔۔۔۔۔!!

جو خود اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے پہنائی تھی۔۔۔۔۔۔۔ ان کے ہاں یہ رسم نہیں تھی مگر سحر کی وساطت سے ضد کر کے بھی اس نے یہ رسم چلائی تھی۔۔۔۔۔۔۔ کہ اسے اس سے محبت تھی۔۔۔۔۔۔۔ بے پناہ محبت!!

جو اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر ہوتی۔۔۔۔۔۔۔ گیت۔۔۔۔۔۔۔! گیتی کچھ سوچ کر مسکرائی۔۔۔۔۔۔۔! اس کے ہونٹوں سے نکلا ہوا یہ لفظ۔۔۔۔۔۔۔! معنی ہی اس کے بدل گئے تھے۔ کس قدر محبت بھرے انداز میں وہ اسے گیت کہہ کر پکارتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ اس سے زیادہ حسین لفظ کسی ڈکشنری میں اور کوئی نہ ہو گا۔۔۔۔۔۔۔ کہ اس نے اس کی حیات میں بڑے خوبصورت سے نغمے بکھیر دیئے تھے اور وہ سنور گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔ نکھر گئی تھی اور بے حد دل کش ہو گئی تھی۔

اس کی نگاہیں پھر انگوٹھی پر جم گئیں۔۔۔۔۔۔۔ درمیان میں جڑا خوبصورت سفید ہیرا جگمگا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ اس کی آرزوؤں اور امنگوں کی طرح۔۔۔۔۔۔۔!

انگوٹھی کو دیکھتے دیکھتے اپنے ہی ہاتھ کی انگلیوں پر اس کی نظر جا ٹکی۔۔۔۔۔۔۔ ان انگلیوں پر، اس انگوٹھی پر اس کے ہاتھوں کا لمس تھا۔۔۔۔۔۔۔ اس عزیز ترین، محبوب ترین ہستی کے ہاتھوں کا لمس۔۔۔۔۔۔۔!

اس نے چپکے سے انگوٹھی کو ہونٹوں سے لگا لیا۔۔۔۔۔۔۔ پھر بڑی وارفتگی سے

دوسرے ہاتھ سے اپنی انگلیوں کو مسل ڈالا ۔۔۔۔۔۔ جیسے یہ انگلیاں، یہ ہاتھ اس کا نہیں تھا بلکہ ایزد ہی کا تھا۔

کیسا لذت بخش اس کا لمس تھا ۔۔۔۔۔ مگر ۔۔۔۔۔ مگر ۔۔۔۔۔۔۔۔

کتنے ہی دن ہو گئے ۔۔۔۔۔۔ بیسیوں، سینکڑوں یا پھر ہزاروں ۔۔۔۔۔۔

بہت سارے ہی لگ رہے تھے اس نے اسے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی؟ اسے ایک نظر دیکھنے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی ۔۔۔۔۔۔؟

سحر نے اسے کھڑکی والا راستہ سوجھایا بھی تھا ۔۔۔۔۔۔ پھر ۔۔۔۔۔۔؟

جانے کیا ہو گیا تھا ۔۔۔۔۔۔؟

پچھلے کئی دنوں سے سحر بھی اس کی تلاش میں تھی۔ ان کے ہاں بھی نہیں جا رہا تھا۔ جانے آدھی آدھی رات تک وہ کہاں غائب رہتا تھا۔ پانچ بجے دفتر سے اکیلے ہی باوا جان گھر آ جاتے تھے۔

منگنی کے اس بندھن نے گیتی کی زبان بھی باندھ دی تھی۔ اب تو وہ رفیقے سے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھ سکتی تھی۔ ایک دو بار ڈھکے چھپے الفاظ میں امی سے پوچھنے لگی تو تب بھی شرم و حیا مانع رہی۔ اسے تو اب امی کے سامنے بھی اس کی بات کرتے ہوئے حجاب آنے لگا تھا۔

صرف ایک سحر تھی جس کے ساتھ وہ دل کی بات کر سکتی تھی ۔۔۔۔۔۔ مگر وہ خود حیران پریشان تھی۔ سارا دن اس کے انتظار میں گیتی کے پاس گزار کر رات کو ناکام و نامراد لوٹ جاتی تھی۔ جانے وہ رات کے کس پہر واپس آتا تھا۔

آخر پریشان ہو کر سحر نے ہی باوا جان سے ایزد کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ کہ دفتر کے اوقات کے بعد وہ کہاں جاتا تھا۔

ویسے اتنا انہوں نے بتایا کہ دفتر باقاعدگی سے جا رہا تھا۔ وہاں سے اس نے ناغہ نہیں کیا تھا۔ تب سحر نے دفتر فون کیا۔ دو تین بار تو وہ فون پر بھی نہیں ملا۔ پھر ایک دن

اچانک ملا تو اس کے استفسار پر کوئی واضح جواب نہ دیا۔

کام کی زیادتی کا کہہ کر ٹال دیا۔۔۔۔۔۔۔سحر اس کا خیال تھا کہ اس کی آواز اور انداز نارمل نہ تھا۔۔۔۔۔۔ہمیشہ والی بے ساختگی مفقود تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

جانے کیا ہو گیا تھا اسے۔۔۔۔۔۔؟ عجیب عجیب سے وسوسے گیتی کے دل میں سر ابھارنے لگے تھے۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔خود بخود دل ان کی تردید بھی کر دیتا۔

ایزد ایسا نہیں تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ایزد ایسا نہیں تھا۔۔۔۔۔۔۔پھر۔۔۔۔۔۔۔؟

پھر وہ کہاں رہتا تھا۔۔۔۔۔۔؟ کیوں اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔۔۔۔؟ کیوں۔۔۔۔۔۔۔؟ کیوں؟

انہیں پریشان سوچوں میں ڈوبی تو نیند آنکھوں سے غائب ہو گئی۔۔۔۔۔۔نیند غائب ہوئی تو دل کو بے سکونی بے کل کرنے لگی۔

اٹھ کر اسی کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔۔۔۔۔۔۔وہی رات۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جگمگ جگمگ کرتی رات آنکھوں میں پھرنے لگی۔

اس کی منگنی کی رات۔۔۔۔۔۔۔جب اس کی آرزوؤں اور تمناؤں کو منزل ملی تھی۔۔۔۔۔۔من چاہی منزل!! گہرے نیلے سوٹ میں وہ کس قدر سمارٹ لگ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ ہونٹوں پر بڑی پرکشش سی مسکراہٹیں تھیں اور آنکھوں میں کامرانیوں کی دمک۔۔۔۔۔۔!!

کیسے اسے گھور گھور کر دیکھتا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔اس کی مخمور نگاہیں گیتی کو بے خود کیے دے رہی تھیں۔اس کی نگاہوں کی گرمی اسے بڑی خوش گوار سی ٹھنڈک بخش رہی تھی۔

ایزد۔۔۔۔۔۔۔اس کا اپنا ایزد۔۔۔۔۔۔۔! اس کی منزل۔۔۔۔۔۔۔!! اس کا حسین و تابناک مستقبل۔۔۔۔۔۔۔!!! تب اس کی پلکیں آنچ دیتے

رخساروں کو چھونے لگیں۔۔۔۔۔۔اس کی وارفتہ نگاہی نے اسے حیا بار کر دیا۔۔۔۔۔۔خود بخود اس کی آنکھیں مند گئیں۔

پھر۔۔۔۔۔۔ جانے کیا ہوا۔۔۔۔۔۔ جانے کیا ہوا۔۔۔۔۔۔وہ دہکتے انگارے۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔دو شبنمی پھولوں نے اس کی آنکھوں کے بند پپوٹوں کو چھولیا۔

اوہ۔۔۔۔۔۔! گیتی نے آنکھیں میچ کر ہتھیلیوں سے پپوٹوں کو دبایا۔ بہت ہولے ہولے۔۔۔۔۔۔جذبات کی یورش اسے پاگل کیے دے رہی تھی۔

یہ یادیں۔۔۔۔۔۔یہ خیالات۔۔۔۔۔۔سب کچھ ہی بے حد پر لطف بھی تھا۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔وہ پھر پریشان ہوگئی۔۔۔۔۔۔

ایزد! تم اب کہاں چلے گئے۔۔۔۔۔۔؟ میں تمہارے بغیر اداس ہو رہی ہوں۔۔۔۔۔۔مجھے اپنی صرف ایک جھلک دکھا جاؤ۔۔۔۔۔۔صرف ایک ۔۔۔۔۔۔ میں تمہارے بغیر بے قرار ہوں۔۔۔۔۔۔ بے چین ہوں۔۔۔۔۔۔یہ تم نے ایسی خاموشی کیوں اختیار کر لی ہے۔۔۔۔۔۔یہ تم کہاں کھو گئے ہو۔۔۔۔۔۔! آ جاؤ۔۔۔۔۔۔تمہاری گیت تمہیں پکار رہی ہے۔۔۔۔۔۔آ بھی جاؤ۔۔۔۔۔۔

اک آہ بھر کر اس نے ہتھیلیاں آنکھوں پر سے ہٹائیں۔۔۔۔۔۔اس کھڑکی سے ایزد کی رہائش گاہ تک تاریکی ہی تاریکی تھی۔۔۔۔۔۔اک موہوم سی امید کے سہارے تاریکی میں اس کی نگاہیں کچھ تلاش کرنے لگیں۔

وہ اس کے بغیر اتنی اداس تھی۔۔۔۔۔۔اتنی بے چین تھی۔۔۔۔۔۔شاید۔۔۔۔۔۔ شاید اس کا دل بھی اس وقت اس کے لیے تڑپ مچل اٹھے۔۔۔۔۔۔شاید وہ آ رہا ہو۔۔۔۔۔۔

اور۔۔۔۔۔۔اس نے گھبرا کر آنکھوں کو مسلا۔۔۔۔۔۔کیا کوئی دعا اتنی

جلد بھی پوری ہو سکتی ہے،

کھڑکی سے ذرا فاصلے پر سایہ سا اسے دکھائی دیا۔۔۔۔۔۔۔ دل دھڑک دھڑک اٹھا۔۔۔۔۔۔۔ہونٹ کپکپانے لگے اور سارا چہرہ گرم ہو کر انگارہ بن گیا۔

اس کا سارا وجود اک نگاہ شوق بن کر اس سائے کو دیکھنے لگا۔۔۔۔۔۔ مگر ۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔۔یہ کیا۔۔۔۔۔۔۔؟ وہ سایہ ادھر آنے کی بجائے ایزد کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اور۔۔۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔۔گیتی نے پھر غور سے دیکھا۔۔۔۔۔۔یقیناً وہ ایزد نہیں تھا۔ یہ ہیولی کسی بھاری بھر کم اور قدرے پست جسامت کا تھا۔ اور اس کا ایزد تو دبلا پتلا اور دراز قد تھا۔

خوف سے یکدم دل کی دھڑکنیں تھم گئیں

کیوں۔۔۔۔۔۔؟ وہ سایہ اس وقت، رات کے اس پہر میں، اس طرف کیوں جا رہا تھا؟ اس کا کیا ارادہ تھا۔۔۔۔۔۔؟

یکلخت کئی پریشانی بھری سوچیں ذہن کو درہم برہم کر گئیں۔۔۔۔۔۔دل کو بہت سارے وسوسوں میں ڈال گئیں۔۔۔۔۔۔

ایزد اس کا تھا۔۔۔۔۔۔۔اس کی محبت۔۔۔۔۔۔۔اس کی روح اور اس کا ایمان۔۔۔۔۔۔!!!

کوئی نجانے کس نیت سے، کس ارادے سے اس وقت چپکے رو ادھر جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

اور وہ۔۔۔۔۔۔۔شاید سویا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔ بے خبری ہو گا۔۔۔۔۔۔۔

اور۔۔۔۔۔۔۔گیتی نے دیکھ لیا تھا۔۔۔۔۔۔۔اس کی حفاظت کرنا اس کا فرض تھا۔۔۔۔۔۔۔وہ شاید خطرے میں تھا۔

جلدی سے شال کندھوں پر لپیٹی اور خود بھی ادھر ہی چل دی۔ اتنا ہوش بھی نہ تھا کہ سیدھے راستے سے جاتی۔۔۔۔۔۔۔کھڑکی سے نیچے کود گئی

وہ جو ذرا سی تاریکی میں جانے سے ڈرا کرتی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ وہ جو بے حد ڈر پوک لڑکی تھی ۔۔۔۔۔۔ اس وقت بہت بہادر بن گئی تھی۔ کوئی ڈر، کوئی خوف دل میں نہیں رہا تھا۔ صرف ایک ہی دھن تھی کہ ایزد کی زندگی شاید خطرے میں تھی اور اسے اپنی جان پر کھیل کر بھی اسے بچانا تھا۔

کہ اس کے بغیر خود اس کی اپنی زندگی بیکار تھی اور نامراد تھی

بہت تیز تیز قدم اٹھائے ۔۔۔۔۔۔۔ پھر بھی وہ سائے سے پیچھے رہ گئی ۔۔۔۔۔۔ راستے کا موڑ مڑتے ہی اسے ایزد کے کمرے میں روشنی دکھائی دے گئی۔

وہ بھلا اس وقت کیوں جاگ رہا تھا ۔۔۔۔۔۔۔ یہ سوچ ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ سایہ برآمدے تک پہنچ گیا ۔۔۔۔۔۔۔

ارے ۔۔۔۔۔۔! حلق سے نکلنے والی چیخ کو اس نے بڑی مشکل سے روکا

وہ تو اس کے باوا جان تھے ۔۔۔۔۔۔ لیکن ۔۔۔۔۔۔۔ وہ اس وقت یہاں کیوں ۔۔۔۔۔۔؟ کتنی عجیب بات تھی۔ بہت دنوں سے ایزد کی ان غیر معمولی حرکات نے پریشان کیا ہوا تھا اور اب یہ باوا جان کا یوں آدھی رات کو پراسرار طور پر یہاں آنا ۔۔۔۔۔۔۔

دل دھڑک اٹھا ۔۔۔۔۔۔۔ جانے کیا بات تھی، کیا معاملہ تھا جو اس سے، سب سے چھپایا جا رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ دونوں کیا کرنے والے تھے ۔۔۔۔۔۔ یا کیا کر بیٹھے تھے ۔۔۔۔۔۔؟

تجسس نے بے قرار کر دیا ۔۔۔۔۔۔ سب اخلاقی پابندیاں نظر انداز کر کے وہ

اندر روشنی کافی تیز تھی۔۔۔۔۔۔بڑی آسانی سے وہ سب کچھ دیکھ سکتی تھی اس وقت، رات کے اس پہر۔۔۔۔۔۔ایزد شب خوابی کے لباس کی بجائے سوٹ وغیرہ پہنے تھا اور جھک کر چمڑے کے بڑے بکس میں کپڑے، کتابیں اور کچھ چھوٹی موٹی چیزیں جلد جلد رکھ رہا تھا۔جیسے کسی سفر پر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

اس کی پشت برآمدے میں کھلنے والے دروازے کی طرف تھی اور دروازے میں باوا جان چپ چاپ کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔۔۔۔۔۔ایزد شاید ان کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

چیزیں رکھ کر، بکس بند کر کے وہ سیدھا ہوا۔۔۔۔۔۔اب گیتی نے اسے اچھی طرح دیکھا۔۔۔۔۔۔عجیب سا اس کا حلیہ ہو رہا تھا۔۔۔۔۔۔چہرہ زرد تھا۔۔۔۔۔۔سفر پر جا رہا تھا لیکن بال پیشانی پر بے ترتیبی سے بکھرے تھے۔۔۔۔۔۔انہیں سنوارا ہی نہیں گیا تھا۔

جانے کیا معاملہ تھا۔۔۔۔۔۔؟ اس کا سوچوں میں کھویا کھویا بے حد افسردہ انداز۔۔۔۔۔۔بڑا پریشان کن تھا۔کتنی ہی دیر کمرے کے درمیان میں چپ چاپ کھڑا رہا۔۔۔۔۔۔باوا جان بھی اسی طرح گم سم کھڑے تھے کیسے دونوں پر اسرار سے ہو رہے تھے۔۔۔۔۔۔

گیتی کی سانسیں اٹکنے لگیں۔۔۔۔۔۔گیتی کی الجھن بڑھنے لگی۔۔۔۔۔۔قریب تھا کہ جھنجھلا کر چیخ پڑتی۔۔۔۔۔۔ایزد بکس اٹھا کر مڑا۔

ارے۔۔۔۔۔۔! باوا جان کو وہاں موجود پا کر وہ چونکا۔۔۔۔۔۔ٹھٹکا۔۔۔۔۔۔

آپ یہاں۔۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔اس وقت۔۔۔۔۔۔؟؟

وہ۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔باوا جان پہلے ہکلائے پھر ہولے ہولے قدم اٹھاتے اس کے قریب چلے گئے۔۔۔۔۔۔

میں تمہیں خدا حافظ کہنے آیا تھا۔۔۔۔۔۔۔ان کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تھی۔۔۔۔۔۔

گیتی کا دل یکدم ڈوب سا گیا۔۔۔۔۔۔لڑکھڑاتے وجود کو اس نے دیوار سے سہارا دیا۔۔۔۔۔۔

ایزد کہاں جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔؟ کیوں جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔؟ اور یہ باوا جان اسے اس طرح وداع کیوں کر رہے تھے جیسے۔۔۔۔۔جیسے۔۔۔۔۔کوئی ہمیشہ کے لیے جا رہا تھا۔

ان کی بھیگی بھیگی آنکھیں یہی بتا رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ان کا افسردہ سا تکلم یہی سوجھا رہا تھا۔

اس کی منزل مراد۔۔۔۔۔۔اپنا نشان دے کر بھی گم ہوئی جا رہی تھی کیوں۔۔۔۔۔۔؟ کیوں۔۔۔۔۔۔؟ بہت ڈھیر سارے سوالات اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔ یوں بھی اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو چکی تھیں۔ اب وہ صرف دیکھ سکتی تھی۔

ایزد نے باوا جان کو جواب میں کچھ نہیں کہا بڑی غم زدہ سی نگاہ ان پر ڈالی پھر انگلی میں سے منگنی کی انگوٹھی اتار کر ان کی طرف بڑھا دی۔

یہ آپ کی امانت۔۔۔۔۔۔میں شرمسار ہوں۔

باوا جان نے چپکے سے وہ انگوٹھی لے لی۔

خدا حافظ۔۔۔۔۔۔! وہ نگاہیں جھکا کر لڑکھڑاتے سے قدم اٹھاتا برآمدے کی طرف بڑھا۔ انگوٹھی واپس دینے کا مطلب یہ تھا کہ ایزد نے منگنی توڑ ڈالی تھی۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔باوا جان نے انگوٹھی لے لی تھی۔۔۔۔۔۔مطلب یہ۔۔۔۔۔۔کہ وہ بھی یہی چاہتے تھے۔

یہ تو اس کی محبت لٹ رہی تھی۔۔۔۔۔۔اس کی آرزوؤں اور حسرتوں کو آگ لگائی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔اس کی زندگی، اس کی منزل اس سے چھینی جا رہی تھی۔

اور اب گیتی کے سارے حواس بیدار تھے۔

پہلے بہت ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں میں آ گئے۔۔۔۔۔۔پھر۔۔۔۔۔۔غصے سے اس کا پور او جود لرز اٹھا۔

لیکن۔۔۔۔۔۔ان دونوں ہی کو آخر یہ حق کس طرح پہنچتا تھا کہ اس کی زندگی کا فیصلہ اس کی لا علمی میں وہ دونوں کیے جا رہے تھے۔۔۔۔۔۔کیوں۔۔۔۔۔۔؟

غصے سے وہ دیوانی ہو اٹھی۔۔۔۔۔۔اور اب یوں چپ چاپ کھڑے رہنا گیتی کے بس میں نہ رہا۔ تیز تیز قدم اٹھاتی برآمدے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ باوا جان بھی ایزد کے ساتھ ہی کمرے سے نکل رہے تھے۔

دونوں کی نگاہ اکٹھے ہی اس پر پڑی۔ دونوں ہی ٹھٹکے۔۔۔۔۔۔پھر وہیں کے وہیں رک گئے۔ گیتی بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں ہولے ہولے قدم اٹھاتی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔۔۔۔۔۔

جانے کیوں دونوں ہی کی گردنیں مجرمانہ انداز میں جھک گئی تھیں۔۔۔۔۔۔باوا جان کی جس مٹھی میں اس کی منگنی کی انگوٹھی دبی تھی وہ ہاتھ لرز رہا تھا۔

گیتی کی خشمگیں نگاہیں باری باری دونوں پر پڑ رہی تھیں۔ چند لمحے دونوں اسی انداز میں کھڑے رہے۔۔۔۔۔۔پھر۔۔۔۔۔۔سیٹھ امان شاید اپنی زبان سے اسے کچھ بتانے کی اپنے میں ہمت نہیں پاتے تھے۔۔۔۔۔۔

چپکے سے آگے بڑھے۔۔۔۔۔۔لرزتے ہاتھوں سے ایزد کی انگوٹھی گیتی کے ہاتھ میں دے کر، خود تیز تیز قدم اٹھاتے وہاں سے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد چند لمحے گیتی وہیں کھڑی ایزد کے مجرمانہ انداز میں جھکے سر کو دیکھتی رہی پھر تحکمانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

کہاں جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔؟

ایزد چپ کھڑا رہا

آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے۔۔۔۔۔۔؟

گیتی دو قدم بڑھ کر اس کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔

آپ نے یہ انگوٹھی کیوں اتار دی۔۔۔۔۔۔؟

وہ۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔ایزد کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

آپ خاموش کیوں ہیں۔۔۔۔۔۔؟ مجھ سے کیا چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں؟

وہ یوں مجرمانہ انداز میں سر جھکائے کھڑا تھا۔۔۔۔۔۔گیتی کی سوچ کی اڑان نے جانے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

اب اس میں مزید برداشت کی قوت نہ رہی۔۔۔۔۔۔بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے اس کے کوٹ کے کالر تھام لیے۔۔۔۔۔۔

آپ نے میری منگنی کی انگوٹھی اتار کر مجھ سے تمام ناطے توڑ لیے ہیں۔۔۔۔۔۔لیکن میں میں آپ کی انگوٹھی ابھی پہنے ہوں۔۔۔۔۔۔اپنے اسی حق کو استعمال کرتے ہوئے میں آپ سے جواب طلب کر رہی ہوں۔۔۔۔۔۔آخر کیوں آپ نے ایسا کیا۔۔۔۔۔۔؟

ایزد اب بھی خاموش تھا۔۔۔۔۔۔گیتی سامنے آ گئی تھی۔۔۔۔۔۔اس کی روح! اس کی زندگی۔۔۔۔۔۔!! کیا کہے۔۔۔۔۔۔کیسے کہے۔۔۔۔۔۔؟

جیسے اس کی قوت گویائی بالکل ہی جواب دے چکی تھی۔۔۔۔۔۔کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔

اور اس کی خاموشی نے اسے گیتی کے سامنے مجرم، اسے غاصب، اسے ظالم اور نہ جانے اور کیا کیا کچھ بنا کر کھڑا کر دیا۔

گیتی پاگل ہو اٹھی۔۔۔۔۔۔۔جنونی انداز میں اس کے سینے کے ساتھ اپنا سر پٹخنے لگی۔۔۔۔۔۔

آپ کو یہ حق آخر کس طرح پہنچتا ہے کہ جو بندھن ہم دونوں کی مرضی سے بندھا ہے وہ آپ اکیلے اپنی مرضی سے توڑ دے رہے ہیں۔ جانے آپ مرد لوگ اپنے ہی جذبوں کو سچا اور کھرا سمجھ کر اپنے آپ کو ہر اختیار کیوں دے لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔دوسرے کو کوئی حق، دوسرے کے جذبے کو کوئی احترام کیوں نہیں دیتے۔۔۔۔۔۔آپ نے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر مجھے اپنی شریک زندگی بنانا چاہا تھا اور میرے پاس بھی ایک دل ہے۔۔۔۔۔۔۔میں نے بھی اسی خلوص اور اسی محبت سے آپ کو اپنا بنایا تھا۔ لیکن۔۔۔۔۔۔۔جب آپ۔۔۔۔۔۔

سنو تو۔۔۔۔۔۔۔یہ بات نہیں ہے گیت۔۔۔۔۔۔!

میں کچھ بھی سننے کو تیار نہیں۔۔۔۔۔۔آپ نے ایک لمحے کے لیے بھی ایسا سوچا کیوں۔۔۔۔۔۔؟ اسے چھوڑ کر تب وہ چہرے کو ہاتھوں سے ڈھکتے ہوئے سسکیاں بھرنے لگی۔

آپ نے میری محبت، میری چاہت اور میرے خلوص کی قدر نہ کی۔۔۔۔۔۔نہ آپ نے لمحہ بھر کے لیے بھی یہ سوچا کہ اتنے سارے لوگوں کے سامنے آپ نے مجھے انگوٹھی پہنائی تھی۔ اب جو چپکے سے چھپ چھپا کر نسبت توڑ دی۔ میری کتنی بے عزتی ہو گی۔ لوگ کیا کیا نہ سوچیں گے۔۔۔۔۔۔میری رسوائیوں کا سامان کرنے سے پہلے آپ کو رتی بھر بھی خیال نہ آیا۔ یہ آپ مرد لوگ عورت ذات کے کیسے محافظ ہیں۔۔۔۔۔۔خود ہی بدنامیوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ خود ہی دل توڑ دیتے ہیں۔ خود ہی ان کے جذبوں کو پامال کر لیتے

ہیں۔۔۔۔۔بے گناہ ہی۔۔۔۔۔۔بے قصور ہی۔۔۔۔۔۔بے قصور ہی

۔۔۔۔۔بالکل ہی کھلونا سمجھ لیتے ہیں اور جیسے۔

وہ بے تکان بولے جا رہی تھی۔۔۔۔۔ایزد نے بکس نیچے رکھ کر اسے

کندھوں سے تھام لیا۔میری بھی تو سنو گیت۔۔۔۔۔۔!

میں کچھ بھی سننے کو تیار نہیں۔۔۔۔۔کچھ بھی سننے کو۔۔۔۔۔آپ نے جو

کرنا تھا کر چکے۔۔۔۔۔میرے اعتبار کو جھٹلایا۔۔۔۔۔۔میرے خلوص کو

۔۔۔۔۔۔

لیکن گیت۔۔۔۔۔!

نہیں۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔وہ زور سے چلا

اٹھی۔۔۔۔۔بالکل ہی پاگل ہو چکی تھی گویا۔۔۔۔۔مجنونانہ انداز میں

چیخی۔۔۔۔۔نہیں سنوں گی۔۔۔۔۔

کیوں نہیں۔۔۔۔۔سننا پڑے گا تمہیں۔۔۔۔۔

اس کا سینہ پھٹا جا رہا تھا۔۔۔۔۔وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔اپنے کسی

ہمدرد کو اپنے دل کے زخم دکھانا چاہتا تھا۔۔۔۔۔مگر وہ سن ہی نہیں رہی

تھی۔۔۔۔۔بس صرف اسے قصوروار گردانے جا رہی تھی۔

اب ایزد کو بھی غصہ آ گیا۔زور سے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔یہ کیا بے انصافی ہے

۔۔۔۔۔اپنی کہہ لی۔۔۔۔۔اب میری سنتی ہی نہیں

آپ نے مجھے کوئی حق دیا۔۔۔۔۔؟ آپ نے سوچا اپنے آپ ہی کر

ڈالا۔۔۔۔۔

وہ شیکسپیئر کی کمزور عورت سے عظیم بیگ چغتائی کی شہ زور عورت بن چکی

تھی۔۔۔۔۔پھر اٹھی اب مجھے بھی پورا حق ہے کہ جو چاہوں۔۔۔۔۔

سب حقوق تمہارے ہیں گیت۔۔۔۔۔!سب حقوق۔۔۔۔۔میرے

دل کے ہر جذبے پر صرف اور صرف تم حکمران ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ وہ قدرے دھیمی پڑ گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لہجے کی نرمی اور محبت کی گرمی نے عورت کے موم دل کو لمحوں میں پگھلا ڈالا تھا۔

تب ایزد نے اس کا سر اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر ہولے ہولے تھپکتے ہوئے اپنی ساری بدنصیبی اسے بتا دی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یقین کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صرف تمہاری خاطر، تمہارے اچھے مستقبل کی خاطر، تمہارے لیے خوش گوار اور کامرانیوں و شادمانیوں بھری زندگی کی تمنا کر کے ہی میں نے ایسا فیصلہ کیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ میری بدبختی کی نحوست سے تم بچ جاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورنہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کاش ! میں اپنا سینہ چیر کر تمہیں دکھا سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بس ! یہی بات تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قسم کھایئے صرف یہی بات تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

جو قسم مرضی ہے دلا لو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آپ کے دل سے اپنی گیت اتری تو نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

پہلے یہ پوچھو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے جن جذبوں کو دل میں بسا کر تمہیں اپنایا تھا وہ کتنے مضبوط ہیں ؟

وہ تو میں یہاں رہوں یا دنیا کے کسی اور کونے میں چلا جاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب تک میرا ایک بھی سانس باقی ہے وہ موجود رہیں گے گیت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ! تم سدا میرے دل میں دھڑکتی رہو گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم میری آنکھوں میں چمکتی رہو گی اور تم سدا میری سانسوں میں مہکتی رہو گی۔

گیتی نے بھیگی بھیگی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خلوص و صداقت کی چمک سے ایزد کا ویران چہرہ منور ہو رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گیتی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

نہ آپ کی کسی خوش قسمتی کو دیکھ کر میں نے آپ کے ساتھ ناطہ جوڑا تھا اور نہ ہی آج آپ کی بدبختی کا سن کو توڑلوں گی۔۔۔۔۔۔

گیتی کی پلکوں پر موتی اٹکے ہوئے تھے مگر ہونٹوں پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ تھی جو اسے ہمیشہ سے کہیں زیادہ حسین بنائے دے رہی تھی۔

کہ مجھے ہمیشہ قوت ارادی پر بھروسہ رہا ہے۔

گیتی اس کی انگلی میں دوبارہ انگوٹھی پہناتے ہوئے فہمائش کے انداز میں بولی۔

آپ کیسے مرد ہیں جو ہاتھ کی لکیروں پر اعتبار کر کے اپنے ساتھ مجھے بھی بدبختیوں کے سپرد کر چلے تھے۔مرد کی تقدیر اس کی مٹھی میں ہوتی ہے۔اس کے بازو کی طاقت میں ہوتی ہے اور اس کے ارادے کی قوت میں۔۔۔۔۔۔

لیکن گیت۔۔۔۔۔!

لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔

گیتی نے بڑے انداز سے اپنا منا سا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔

اگر آپ کو خود پر اتنا اعتماد نہیں تو یقین کیجئے مجھے اپنی قوت ارادی پر اتنا بھروسہ ہے کہ میں نہ صرف اپنی بلکہ آپ کے ہاتھوں کی لکیریں بھی بدل لوں گی۔۔۔۔۔انشاء اللہ۔۔۔۔۔!

گیت۔۔۔۔۔!

ندامت سے اس کا سر جھک گیا

اتنے اونچے۔ اتنے خوبصورت خیالات۔۔۔۔۔! ایسے پختہ عزم۔۔۔۔۔!!

ایزد کو اس کے سامنے اپنا آپ بڑا چھوٹا محسوس ہونے لگا

وہ جو بظاہر سیدھی سادی، معصوم اور بیوقوف سی لڑکی تھی۔وہ تو اس سے کہیں زیادہ بلند تھی۔۔۔۔۔کہیں زیادہ۔۔۔۔۔!

پھر۔۔۔۔۔۔؟ کیا سوچا۔۔۔۔۔۔؟

ایزد نے دونوں ہاتھوں میں اس کا حسین چہرہ تھام لیا۔۔۔۔۔۔بڑے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔۔۔۔۔۔عزم وارادے کی جو چمک ان میں تھی وہ بڑی روشن تھی۔

ایزد نے بڑی عقیدت سے روشنی کے ان میناروں کو چوم لیا۔

تم ہی میرا مقدر ہو گیتی۔۔۔۔۔۔!تابندہ ودرخشندہ۔۔۔۔۔۔!!اور میں محبت کی اس روشنی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔۔۔۔۔۔

گیتی اس سیاہ بخت کے سینے میں اپنا چہرہ چھپا کر خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین ہستی تصور کرنے لگی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اختتام۔۔۔۔۔۔۔۔۔